بغداد

بغداد

بغداد

محمد سعید

○

مقبول اکیڈمی

بالمقابل شمع پوسٹ آفس۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

اہتمام ——— ملک مقبول احمد

طبع اول ——— ۱۹۶۵ء

طابع ——— اشرف پریس

قیمت ———

مقبول اکیڈمی لاہور

نظارہ نہیں کر سکتے ۔"

نے لگیں :۔ امیر المومنین اپنے

پہلا باب

اِنّا للہ ــــ!

"ہرثمہ ــــ!"

بوڑھے عرب سپہ سالار ہرثمہ بن امین نے اپنی قدیم سپاہیانہ روایات کے عین مطابق دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا ابو محمد موسےٰ ہادی عباسی کے سامنے جھکنے کی کوشش کی لیکن نئی فولادی زرہ کی تنگ کڑیوں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ شام کے تیزی سے پھیلتے ہوئے دھندلکوں میں آسودہ ہونے والا باب الذہب ــــ قصرِ خلافت ــــ ہادی کی غضبناک آواز سے گونج اٹھا اور ہرثمہ کو یوں لگا جیسے کسی گنبد میں کام کرنے والے نو آموز آہن گر نے فولاد کے ٹھنڈے ٹکڑے پر زور سے ہتھوڑا مار دیا۔

ہادی کی خشمگیں آواز کی بازگشت تبتہ الخضرا سے ٹکرانے کے بعد دبیز ریشمی پردے کی خواب آلود سلوٹوں میں پناہ ڈھونڈ رہی تھی۔ امیر المومنین کے حضور جھک کر عقیدت ظاہر نہ کر سکنے کا احساس اس وفادار سپاہی کے کشادہ سینے میں جذب ہو چکا تھا۔ وہ اپنی اسلوب پوشی پر خوش

— بے خد و خال چہرے پر سرسری سی نگاہ ڈالنے کے بعد
نین نے معمول کے بالکل خلاف اسے جس مقصد کے لئے طلب
کیا ہے وہ اس کی فوری تعمیل کے لئے ہر طرح سے تیار تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا
سلطنت کے کس صوبے میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھنے کا سب سے زیادہ امکان ہے ؟
کہیں قیصرِ روم نے شمال مغربی سرحد کے اسلامی علاقے تاراج کر کے مسلمان عورتوں اور
بچوں ——— !

"ہرثمہ ——"

"امیر المومنین ۔" ہرثمہ کا ہاتھ کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار کے دستے میں پیوست ہو گیا۔
ہادی نے بیتابی سے اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی اور رک رک کر بولا :- "اسی وقت
جاؤ اور ہارون کا سر کاٹ لاؤ۔ بغداد کے قید خانے میں بنی ہاشم کے جتنے قیدی موجود ہیں
سب کے پاؤں سے پتھر باندھ کر دجلہ میں غرق کر دو اور کوفہ کو آگ لگا کر راکھ کے ڈھیر میں
بدل دو۔"

بنی عباس کے نااہل بادشاہ، منصور کے نادان پوتے نے ہرثمہ کو جس مقصد کے لئے
طلب کیا تھا اس کی فوری اہمیت کے ختم ہوتے ہی بوڑھے سپاہی نے اطمینان کا طویل سانس
لیا۔ تلوار کے قبضے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس کی نظریں ہادی کے چہرے سے
ہٹ کر زرکار پردے کے پیچھے ان نسائی قدموں پر مرکوز ہو گئیں جن کی حرکت سے اضطراب
ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ پردے کے پیچھے چھپ کر باتیں سننے والی خاتون کو پہچان چکا تھا۔ یہ منصور
کی بہو اور مہدی پر فرمانروائی کرنے والی ملکہ خیزران ہی تو تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا
چاہتا تھا کہ امیر المومنین کی اس احمقانہ خواہش میں ہادی اور ہارون کی ماں کتنا حصہ لے رہی ہے ؟

"ہرثمہ ـــــ ہم زیادہ دیر تک تمہارے جواب کا انتظار نہیں کر سکتے۔"

ہرثمہ کی نظریں ایک بار پھر ہادی کے چہرے پر مرکوز ہونے لگیں :۔ "امیر المومنین اپنے فیصلے کے نتائج پر اچھی طرح غور فرما چکے ہیں؟"

"امیر المومنین کے فیصلے پر جرح کرنا سپاہی کو زیب نہیں دیتا ہرثمہ۔"

"اور اگر آپ کا وفادار سپاہی تھوڑی سی مہلت کی التجا کرے تو ــــــ؟"

"قبول کر لی جائے گی۔ لیکن ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تم آج کی رات کو اپنے لیئے قیامت کی رات سمجھو۔ صبح ہونے سے پہلے یا تو ہارون کا سر ہمارے قدموں میں ہونا چاہیئے یا تمہارا۔"

ہادی نے یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی کہ ہرثمہ اس کے حکم کی تعمیل پر آمادہ نہ ہوگا۔ بوڑھے سپاہی کی سرد مہری نے اسے مشتعل کر دیا۔ وہ غصے سے کانپتا ہوا دیوان سے اٹھا اور ہرثمہ کے قریب رک کر دوسرے بولا :۔

"تربتِ عباسؓ کی قسم۔ تم جب تک کسی قطعی فیصلے پر نہیں پہنچتے۔ تمہیں باب الذہب سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر تم آدھی رات تک بھی اپنے دل کو ہمارے حکم کی تعمیل پر آمادہ کر سکو تو ایوانِ عام میں پہرے پر تعینات ابوظلمات کو ہمارے پاس بھیج دینا لیکن رات ڈھل جانے کے بعد کیا ہوگا؟ وہ ہم جانتے ہیں یا ابوظلمات۔"

بوڑھے عرب سپاہی کے چہرے کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہیں تھا کہ رات ڈھلنے کے بعد وہ کس نتیجے پر پہنچے گا۔ ہادی کی خواہش تھی کہ ہرثمہ اس کے حکم کی تعمیل پر آمادہ ہو جائے اور وہ اپنی اس بیتاب خواہش کو چھپنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا :۔

"ہارون کی جگہ جعفر کو ولی عہد نامزد کرنے کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ اگر اس

ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے تم نے ہمارا ہاتھ بٹایا تو تمہیں اتنی دولت بخش دی جائے گی کہ تمہاری سات پشتیں مالا مال ہو جائیں گی۔"

ہرثمہ جواب دئے بغیر سر جھکا کر ایوان خاص کی طرف چل دیا اور ہادی سوچنے لگا:۔ اگر یہ گرگ باراں دیدہ آلۂ کار نہ بن سکا تو اس کی جگہ دوسرا کون سا حربہ استعمال کیا جائے گا؟ لیکن اپنے اردگرد ریشمی سرسراہٹوں نے اس کے خیالات کا سلسلہ معطل کر دیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی ماں ــــــ ملکہ خیزران اپنے ہونٹوں پر ناقابلِ فہم تبسّم کے ساتھ اس کے پاس آرہی تھی۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ــــــ نہیں، نہیں ــــــ بلکہ زندگی میں پہلی بار اقتدار پرست بیٹے نے اقتدار پسند ماں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ ملکہ خیزران نے اپنے دوسرے بیٹے ہارون الرشید کی پیدائش کے بعد ہادی کی جگہ ہارون کو جانشین نامزد کرانے کے لئے مہدی پر کتنا دباؤ ڈالا تھا، ہادی جانتا تھا۔ یہ خیزران ــــــ شاخ بید ــــــ ہی تھی جس نے اپنے جمال و شباب کی ساری قوتیں بروئے کار لا کر مہدی کو ہادی کے خلاف باقاعدہ فوج کشی پر بھی آمادہ کر لیا تھا۔ اگر مہدی اس سفر ہی کے دوران میں موت کا شکار نہ ہو جاتا تو آج ہادی کی جگہ یقیناً ہارون امیر المومنین ہوتا۔

جس طرح ماں کو اپنے دو سگے بیٹوں میں سے ایک کی محبت نے اندھا کر دیا تھا بالکل اسی طرح اپنے سگے چھوٹے بھائی کا حق اپنے بیٹے کے نام محفوظ کرنے کی خواہش نے ہادی کو بھی اندھا کر دیا تھا۔ وہ سمجھا:۔ میری ماں اپنی شکست تسلیم کرنے ــــــ میرے سامنے ہتھیار ڈالنے آئی ہے۔ ممکن ہے وہ اس وقت ہرثمہ سے زیادہ عمدہ ہتھیار ثابت ہو سکے ماں نے بھی بیٹے کو مزید سوچنے کا کوئی موقع نہ دیا۔ اس کے کندھے پر پیار بھرا ہاتھ رکھا

اور بولی :-

"اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو موسلے ؟"

ہادی کے دل نے کہا :- ملکہ کے ساتھ افہام و تفہیم کا اس سے عمدہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ امیر المومنین کی حیثیت میں غالباً پہلی بار ماں کے شایان شان استقبال کے لئے زمین تک جھک گیا اور بولا :-

"قبتہ الخضرا پر ایک عجیب اُداسی سی چھا رہی ہے ۔"

خلافت کے ڈولِ کو اپنے بعد اپنے پانچ سات سالہ بیٹے کے کندھے پر ڈالنے کی خواہش نے ہادی کی آواز میں ایک اجنبی سی گہرائی پیدا کر دی۔ ملکہ بے تابانہ آگے بڑھی اور بیٹے کے گلے کو چوم کر بولی :-

"موسلے ——— میری جان۔ تم اپنے گلے کی تکلیف سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہو۔"

ہادی کے ماتھے کی شکنیں گہری ہوگئیں ۔ وہ چونک کر بولا :" میرا گلا اب بالکل ٹھیک ہے ۔"

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ ۔" ملکہ اپنے بادشاہ بیٹے کی بلائیں لینے لگی :- لیکن یہ تمہاری رندھی رندھی سی آواز ، یہ ٹھہراؤ ——— یہ گہرائی ———"

"سب اُداسی کا اثر ہے ۔"

"جہنم میں گئی ایسی اُداسی ۔ تمہاری آواز نے مجھے بدحواس کر دیا موسلے ۔ میرے اللہ! ——— میں یہ کہنے آئی تھی کہ لالہ رخ ——— وہ لالہ رخ ——— تمہیں یاد ہے نا ؟"

"وہ ایرانی کنیز جسے آپ نے موسیقی کی تعلیم کے لئے مکہ بھیجا تھا ؟"

"تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے موسلے ۔ بالکل وہی ——— لالہ رخ ۔ فارغ التحصیل ہو کر آگئی ہے ۔ آج رات اس کے اعزاز میں جشن منایا جا رہا ہے ۔ میں تمہیں اس جشن میں شرکت

کی رسمی دعوت دینے آئی تھی اور اب تمہاری حالت کا اندازہ لگانے کے بعد اس بات پر اڑ جاؤں گی کہ تم اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ کھانا بھی میرے ساتھ کھاؤ اور ـــــ"

"میں آج کی رات اس جشن سے قطعی لطف اندوز نہ ہو سکوں گا۔" ہادی نے ماں کے منہ سے بات چھین لی۔

"تربت عباس کی قسم آج رات تمہارا کوئی عذر التفات کے قابل نہیں سمجھا جائے گا۔"

ہادی سوچنے لگا:۔ خیزران تمہاری ماں ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ملکہ بھی ہے۔ مہدی کی موت کے بعد اس کے اقتدار کو ابھی تک کوئی ضعف نہیں پہنچا اور تمہاری مخالفت کے باوجود وہ آج بھی تمہارے مقابلے پر دربار لگاتی ہے۔ عرب امراء پر فرمانروائی کرنے والی ملکہ کے ساتھ سمجھوتے کے اس آخری موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ وہ بولا:۔

"کوشش کروں گا۔"

"کوشش کا کیا مطلب؟ اگر ذرا پس و پیش کی تو کان سے پکڑ کر لے جاؤں گی۔"

"ضرور حاضر ہوں گا۔" ہادی مسکرایا۔

"تو پھر فرماں بردار بچے کی طرح فوراً مدرسے کی تیاری کرو۔" خیزران کا ہلکا سا شاہانہ تبسم مسکراہٹ میں بدل گیا۔ "زیادہ دیر تک انتظار نہیں کیا جائے گا۔"

"اور طعام کے ساتھ ـــــ؟"

"صراحی اور جام بھی۔" خیزران نے تامل کے بعد جواب دیا۔ "لیکن اس کی مقدار کے لئے بادہ خوار کے ظرف کو نہیں بلکہ تبریز کے نامور طبیب طباطبائی کی ہدایات کو ملحوظ رکھا جائے گا۔"

ایک پورے دستے کو اپنے ارد گرد بٹھائے سرگوشی کے سے انداز میں ہدایات دے رہی تھی۔ لیکن ہادی کو دیکھتے ہی ہنگامہ سا برپا کر دیا: "تم سب دوزخ کا روغنی ایندھن ہو کم بختو۔ یوں چپ چاپ بیٹھی بیر امنہ کیا تک رہی ہو؟ دیکھو تو، امیر المومنین تشریف لاتے ہیں اور دسترخوان پر ایک چیز بھی سلیقے سے نہیں چنی جا سکی۔"

امیر المومنین کو دیکھتے ہی پوری کی پوری گھا گھرا پلٹن حرکت میں آ گئی۔ دسترخوان پر پھول سے کھل اٹھے۔ ہادی کی نظریں ان بلوری صراحیوں پر لگی تھیں جن میں سے ہر ایک مختلف قسم اور ذائقے کی شراب سے معمور تھی۔ اپنی نگرانی میں دسترخوان پر ہر ایک چیز سلیقے سے آراستہ کرانے کے بعد خیزران نے ہادی سے معذرت کی:۔

"میں محسوس کرتی ہوں کہ امیر المومنین میری موجودگی میں پوری طرح محفوظ نہ ہو سکیں گے میں اس کمرے سے دور رہ کر بھی دسترخوان کی نگرانی کرتی رہوں گی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ——" وہ دہلیز پر رک گئی اور ایک ایک کنیز کو باری باری دیکھ کر بولی:" جہاں تک ان صراحیوں کے استعمال کا تعلق ہے تبریز کے نامور طبیب طباطبائی کی ہدایات پر سختی سے عمل کیا جائے۔"

خیزران کے جاتے ہی نہ صرف امیر المومنین بلکہ کنیزیں بھی یوں کھل اٹھیں جیسے سرما کا برف گھلتے ہی بنفشہ کے پھول۔ لیکن یہ صرف بنفشہ ہی نہیں بلکہ اس گلدستے میں ہر رنگ، ہر قسم اور ہر دیس کے چیدہ چیدہ غنچے شامل تھے۔ ایسے غنچے جنہیں روشنی کی کرنوں، ہوا کے چلبلے آنچلوں اور شبنم کے رسیلے ہونٹوں کے سوا کسی نے چھوا تک نہیں تھا۔ ایک ایک کنیز کی تربیت پر لاکھوں دینار صرف ہوئے تھے۔ انہیں دیکھنے کے بعد انسانی نظریں یہ فیصلہ کرنے سے معذور تھیں کہ کس کو کس پر ترجیح دی جائے؟

ایک جام کے گردش میں آتے ہی مسلسل ردِ عمل شروع ہو گیا۔ کنیزیں جس ساحرانہ انداز میں یکے بعد دیگرے جام پیش کر رہی تھیں۔ اُسے رد کر دینا ہادی کے بس کی بات نہ تھی ایک کا افسوں صرف دوسری ہی کے منتر سے ٹوٹ سکتا تھا اور سب نے ایک دوسرے پر مکمل فتح پانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

چھ سات بھرپور جاموں کے بعد امیر المومنین بہکنے لگے۔ ذرا دیر بعد اس کے دماغ سے ایسی لہریں اُٹھنے لگیں جو اس کی خمار آلود آنکھوں پر باقاعدگی کے ساتھ اس طرح ٹوٹتیں جیسے چاندنی رات کے سکوت میں سمندر کی طوفانی لہریں ساحل پر ٹوٹتی ہیں۔ دو تین مزید جاموں کے بعد ہادی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ طوفان کی زد میں آئے ہوئے جہاز کے عرشے سے سمندر میں گر پڑا ہو۔ ہر ایک کنیز باری باری امیر المومنین کو بالوں سے پکڑ کر ہشیار کرتی اور بھرا ہوا جام اس کے ہونٹوں سے لگا دیتی۔ اور آخر کار ہادی کا سر اس طرح جھکا کہ کنیزوں کا جادو بھی اسے اونچا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

وہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ انہیں تبریز کے نامور طبیب طباطبائی کی ہدایات یاد تھیں۔ ایک کنیز بھاگی بھاگی گئی اور ایک بڑا سا تکیہ ہاتھ میں لہراتی لوٹ آئی۔ یہ تکیہ دستر خوان پر بے ہوش پڑے ہوئے امیر المومنین کے منہ پر رکھ دیا گیا ایک ساتھ تمام کنیزیں تکیئے پر بیٹھ گیئں اور اس وقت اٹھیں جب چوتھے عباسی خلیفہ ابو محمد موسیٰ ہادی کی روح پرواز کر چکی تھی۔

باب الذہب کی وسعتوں میں بے قراری سے ٹہلتی ہوئی خیزران نے اپنے بڑے بیٹے کی روح کے پھڑپھڑانے کی آواز سن لی۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔ ہادی کی لاش پر نظر ڈالی اور پھر جھک کر اس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ ہادی مر چکا تھا۔ ملکہ نے کنیزوں کو حکم دیا:۔

"امیر المومنین کی لاش کو تخت پر لٹا دیا جائے۔"

جب کنیزیں لاش کو تخت پر لٹا چکیں تو خیزران نے اس پر آلِ عباس کا سیاہ پرچم پھیلا دیا اور کنیزوں کی پلٹن کو منتشر ہونے کا اشارہ کر کے آہستہ آہستہ باہر نکلی۔ اس کا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹ اور نتھنے بری طرح لرز رہے تھے۔ اسے دور سے بے ترتیب قدموں کی چاپ سنائی دی اور ذرا دیر بعد ایک تیز، باریک نسائی آواز گونجی:۔

"اُمِ فضل —— اُمِ فضل —— آپ کہاں ہیں؟"

اس آواز کو سنتے ہی خیزران لمحے بھر کے لئے ساتھ والے ستون کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئی۔ وہ واقعی خوف زدہ تھی۔ لیکن آواز کو پہچاننے کے بعد وہ ایک دم سنبھلی۔ ماتھے پر پسینے کے جھلملاتے ہوئے قطرے پلو سے صاف کئے اور تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھی:۔

"میں یہاں ہوں عتابہ —— خیر تو ہے؟"

خیزران کو دیکھ کر عتابہ کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی اور خیزران سے لپٹ گئی:۔

"رشید کے بیٹے کی ولادت مبارک ہو۔"

اپنے سگے بیٹے کو کنیزوں کے ہاتھوں اس بے دردی سے ختم کرانے کے بعد خیزران کے ماتھے پر ندامت کی جو چند ایک شکنیں ابھر آئی تھیں۔ عتابہ —— یحیٰی برمکی کی بیوی —— نے ہدیہ تبریک پیش کر کے انہیں دور کرنے میں بڑی مدد دی۔ وہ سوچنے لگی:۔ ہادی کی لاش دفن ہوتے ہی ہارون تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہو گا۔ بنی عباس کی تاریخ میں یہ واقعی عجیب رات تھی۔ ایک خلیفہ دم توڑ چکا تھا۔ دوسرا خلیفہ تخت نشین ہو رہا تھا اور تیسرا خلیفہ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ خوش ہو کر بولی:۔

"مراجل کیسی ہے عتابہ؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"اور میرا نو مولود پوتا؟"

"بالکل رشید کی طرح ——— خوبصورت اور تندرست!"

"اُم رشید۔" خیزران کچھ سوچ کر بولی: "تم تھوڑی دیر کے لئے اور اس کے پاس بیٹھو میں ایک ایسے اہم کام میں مصروف ہوں کہ اسے ادھورا چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ تم میری طرف سے مراجل کو ہدیۂ تبریک پیش کرو۔ جب تک میں فارغ نہ ہو لوں۔ اسے میری عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دینا۔"

"صرف میں ہی نہیں بلکہ دنیا امۃ دنانیر بھی مراجل کے پاس بیٹھی ہیں۔"

"تمہاری بڑی مہربانی عنابہ۔ میں ابھی فارغ ہو کر آئی۔"

عنابہ کو رخصت کرنے کے بعد خیزران نے ایک کنیز کو بلا کر حکم دیا:۔

"دیوان خاص میں جا کر ابوظلمات سے کہو۔ امیر المومنین ہرثمہ کو یاد فرماتے ہیں اور بوڑھے عرب سردار کو ساتھ لے کر فوراً میرے پاس آؤ۔"

کنیز کا پیغام سن کر ابوظلمات نے ہرثمہ کو جھنجھوڑا: "امیر المومنین یاد فرماتے ہیں۔"

ہرثمہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے بولا: "رات ڈھل گئی؟"

"نہیں۔"

ہرثمہ اٹھا اور سب سے پہلے کھڑکی کا پردہ سرکا کر آسمان کو دیکھا۔ اسے ابوظلمات کی بات کا اعتبار نہ آیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہادی رات ڈھلنے کے بعد ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں دے گا۔ وہ دل ہی دل میں کلمہ پڑھتا ہوا کنیز کے پیچھے چل پڑا۔ کنیز یکے بعد دیگرے محرابوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹاتی آگے بڑھتی چلی گئی۔ لیکن ہرثمہ اس کمرے میں پہنچ کر رک

گیا۔ جہاں چند گھڑیاں پہلے ہادی نے اسے آخری فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔ کنیز نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہرثمہ بولا:۔

"خدا کی قسم۔ جب تک امیر المومنین خود حکم نہیں دیں گے۔ میں اس سے آگے ایک قدم بھی نہیں اٹھاؤں گا۔"

وہ بنی عباس کے خلفا کی عادت سے واقف تھا۔ وہ اپنے سپہ سالاروں اور وزیروں کو قتل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ گھڑ لیا کرتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ آج رات ہادی اس کی جان لئے بغیر نہیں ٹلے گا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر مرنا ہی ہے تو پھر خلیفہ کو کسی تہمت لگانے کا موقع کیوں دیا جائے؟ ممکن ہے ہادی اس پہ یہ الزام لگائے کہ ہرثمہ نے حریم خلافت کے آداب پامال کرنے کی کوشش کی۔

ہرثمہ کی آواز سن کر خیزران بولی:۔

"ہم نے بلایا ہے ہرثمہ۔ بے دھڑک آگے چلے آؤ۔"

خیزران ہرثمہ کو ساتھ لے کر اس کمرے میں داخل ہو گئی جہاں ہادی کی لاش پڑی تھی اور ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی: "امیر المومنین فوت ہو گئے ہرثمہ!"

ہرثمہ نے ملکہ کو اس طرح دیکھا گویا کوئی مخبوط الحواس عورت بڑ ہانک رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ہادی کے چہرے سے سیاہ پرچم ایک طرف سرکا دیا۔ ہادی واقعی مر چکا تھا۔ لیکن کیسے؟ اور ہرثمہ کا یہی خیال الفاظ میں ڈھل کر زبان پہ آگیا۔

"لیکن کیسے؟"

"آج شام امیر المومنین نے تم سے جو باتیں کیں۔ میں پردے کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی تمہارے چلے جانے کے بعد میں اس کے پاس آئی اور اسے باپ کی وصیت یاد دلائی۔

میں نے اسے ہارون کی حق تلفی سے روکنا چاہا۔ لیکن وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ نہیں نہیں ——— بلکہ تلوار سونت کر مجھے قتل کرنے کو دوڑا۔ میں اسے بددعا دیتی ہوئی بھاگی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ہادی کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ تم تو جانتے ہی ہو ہرثمہ۔ وہ گلے کے سرطان میں مبتلا تھا۔ اس پر کھانسی کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ ——— مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں پانی کا گلاس لے کر اس کے پاس آئی۔ گلاس اس کے منہ سے لگایا لیکن اس کے حلق میں پھندا پڑ چکا تھا۔ پانی کی بوند تک اندر نہ جا سکی اور یہی پھندا موت کا پھندا بن گیا۔

"انا للہ وانا علیہ راجعون۔" ہرثمہ نے اس کے منہ پر پرچم ڈال دیا۔ خیزران بولی:۔

"اب تم ایک کام کرو ہرثمہ۔ اسی وقت قید خانے جاؤ اور یحییٰ برمکی سے کہو۔ ہارون کی تخت نشینی کا انتظام کرے۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

دُوسرا باب

ہارون الرشید

جب ہرثمہ نے داروغہ زندان کو جھنجھوڑ کر جگایا تو اپنے اوپر مسلح سپہ سالار کو جُھکا ہوا دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پہ اعتبار ہی نہ آیا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔ ہرثمہ نے دل لگی کے انداز میں ایک اور کچوکا دیا اور ساتھ ہی گرج کر بولا:۔ "امیر المومنین یاد فرماتے ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔" داروغہ زندان اپنے طور پر ابھی تک خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب دو بار مسلسل لاحول پڑھنے کے باوجود اس کی پسلی سے نیام کی نوک کی کسک دُور نہ ہوئی تو اٹھ بیٹھا۔ ہرثمہ کو دیکھا۔ آنکھیں ملیں اور ہرثمہ کے چہرے پہ ایک بار پھر نظریں گاڑ دیں۔ ہرثمہ بولا:۔

"امیر المومنین یاد فرماتے ہیں۔"

"اس وقت؟"

"فوراً۔"

"یحییٰ برمکی قید خانے سے بھاگ نکلا؟"

"نہیں۔ بلکہ امیر المومنین کو کسی مخبر نے اطلاع دی ہے کہ قیدی نے ملکہ خیزران سے

رابطہ قائم کر رکھا ہے اور امیر المومنین کو راستے سے ہٹا کر ہارون الرشید کو تخت خلافت پر بٹھانے کی سازش کا منصوبہ قید خانے ہی میں تیار کیا جا رہا ہے۔"

"پھر" داروغہ زنداں کے چہرے پر موت کی سفیدی چھا گئی۔

"اگر تم میرے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لو" ہرثمہ سنجیدگی سے بولا "اور ان لوگوں کے نام بتا دو جو اس سازش میں شریک ہیں تو میں تمہاری جان بخشی کا ذمہ لیتا ہوں۔"

"خدا کی قسم ——— میں تو تمہیں صرف ایک نام بتا سکتا ہوں۔ ملکہ کا غلام خاص ———

بھلا کیا نام ہے اس کا ——— ؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"اور میرے ذہن سے بھی اتر گیا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔" داروغہ زنداں نے ایرانی طرز کی دستار سر پر رکھی اور بدحواسی کے مارے دایاں پاؤں بائیں جوتے میں ڈالتے ہوئے بولا "سازشیوں کی پوری فہرست یحیٰی برمکی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔"

ہرثمہ خاموشی سے داروغہ زنداں کے پیچھے چل دیا۔ اگرچہ داروغہ کے اشارے پر دربان نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ لیکن یحیٰی کی آنکھ کھل گئی۔ ہرثمہ کو داروغہ کے ساتھ دیکھ کر لمحہ بھر کو اس کی آنکھیں دھندلا سی گئیں لیکن اس نے دو تین بار آنکھیں جھپکا کر ہرثمہ کو خوش آمدید کہا۔ ہرثمہ اسے جواب دینا چاہتا تھا لیکن داروغہ زنداں ہکلایا:۔

"ملکہ عالیہ ——— معاف کیجئے ——— امیر المومنین نے ان سازشیوں کی فہرست ———"

"اب اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔" ہرثمہ نے داروغہ کے منہ سے بات چھین کر یحیٰی سے خطاب کیا "گلے کے سرطان کی وجہ سے امیر المومنین ابو محمد موسےٰ ہادی بن ابو عبداللہ محمد مہدی بن ابو جعفر عبداللہ المنصور ——— !"

"میں سب کچھ سمجھ گیا" یحییٰ مسکرایا: "اور اب ہمیں مرحوم امیر المومنین کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا چاہیئے۔"

"نہیں ——— بلکہ ملکہ کا حکم یہ ہے کہ فوری طور پر ہارون الرشید کی تخت نشینی کا انتظام کیا جائے۔"

"آپ لوگوں کی اس تیزی سے میرا ذہن ماؤف ہوا جا رہا ہے۔" داروغہ بولا:۔ "ذرا دم تو لو۔" اس نے ہرثمہ کو کئی بار مشکوک نظروں سے دیکھا اور بولا: "سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ عباسی سلطنت کے نامور سپہ سالار کی کون سی بات درست ہے ——— پہلی یا دوسری؟"

یحییٰ برمکی اسے جواب دینا چاہتا تھا لیکن ہرثمہ نے ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ کیا اور بولا: "تمہارے حق میں کون سی بات مفید ہے ——— پہلی یا دوسری؟"

"یقیناً دوسری۔"

"تو پھر دوسری بات ہی کو درست سمجھو" یحییٰ بولا: "حالانکہ میں پہلی بات سے بالکل بے خبر ہوں۔ ممکن ہے وہی تمہارے حق میں زیادہ مفید ہو؟"

"تمہاری رائے کی اصابت کا زمانہ معترف ہے یحییٰ، اور تمہارے کہنے پر میں دوسری بات ہی کو درست سمجھتا ہوں۔ لیکن اب خدا کے لئے اس پہ اڑنے کی کوشش کرو۔"

"تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کیسے قیدی سے واسطہ پڑا تھا۔" یحییٰ نے ایک بڑے سے تکیے کے غلاف سے کاغذوں کا پلندہ نکالا۔ ان میں سے چند لکھے ہوئے کاغذ چھانٹے اور ہرثمہ کے حوالے کرتا ہوا بولا: "ہرثمہ! ان خطوط کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے تمام گورنروں کے پاس بھیجنے کا انتظام کرو۔"

ہرثمہ نے کاغذات لے کر ان پر سرسری سی نظر ڈالی۔ یہ ایک ہی مضمون کی نقلیں تھیں۔ عباسی سلطنت کے گورنروں کو ہادی کے انتقال کی اطلاع دینے کے بعد امیر المومنین ہارون الرشید کے مفاد سے وفاداری کی تاکید کی گئی تھی۔ جتنی دیر میں ہرثمہ نے یہ خط پڑھا اتنی دیر میں یحییٰ نے ایک اور سادہ کاغذ پر صرف دو سطریں لکھیں اور یہ خط بھی ہرثمہ کے سپرد کر دیا:-

"اور یہ خط اسی وقت اپنے معتمد غلام کی معرفت رقہ بھجوا دو۔ لیکن یاد رکھو یہ خط میرے بیٹے جعفر کے سوا اور کسی کے ہاتھ نہ لگے۔"

جعفر، ہارون الرشید کے یارِ غار کی حیثیت سے رقہ ہی میں اس کے ساتھ مقیم تھا۔ ہارون صرف چند روز کی سیر و شکار کے بہانے دارالخلافے ---- ہادی کی گرفت سے جان بچا کر رقہ پہنچنے میں کامیاب تو ہو گیا تھا لیکن گرفتاری کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ جب کبھی کسی تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیتیں ہارون اور جعفر کے کان کھڑے ہو جاتے۔ ان حالات میں جب ہرثمہ کا قاصد رات کے وقت رقہ میں ہارون الرشید کی قیام گاہ کے دروازے پر رکا تو جعفر پریشان ہو گیا۔ یہ تو ہارون کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ اگر بد قسمتی سے گھوڑے کی ٹاپ سن لیتا تو اس کے دل کی دھڑکن یقیناً رک جاتی۔

جعفر شمشیر بکف دروازے پر آیا۔ ہرثمہ کا قاصد اسے پہچان کر زمین تک جھک گیا اور

یحییٰ کا رقعہ کمر بند سے نکال کر پیش کر دیا جعفر اپنے باپ کا خط پہچانتا تھا۔ اس نے صرف تین مختصر سے فقرے لکھے تھے: "یہ خانہ زاد کی طرف سے امیر المومنین کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرو تختِ خلافت انتظار کر رہا ہے۔ فوراً بغداد پہنچنے کی تیاری کیجئے۔"

خط پڑھنے کے بعد جعفر نے سب سے پہلے قاصد کو انعام کے طور پہ اپنا وہ پیش قبض بخش دیا جس کے دستے پر قیمتی موتی جڑے تھے اور پھر خوشی سے جھومتا ہوا ہارون کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اگرچہ ہادی اور ہارون کے درمیان خاصا فاصلہ حائل تھا لیکن اس دوری کے باوجود ہارون کی نیندیں لٹ چکی تھیں۔ جان کا خطرہ تو خیر دامن گیر تھا ہی لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جس شہزادے نے راگ رنگ میں پرورش پائی تھی اور جسے ہزاروں حور شمائل کنیزوں کے علاوہ مکھن کی طرح نرم اسفید —— گداز زبیدہ جیسی بیوی کی پرخلوص محبت حاصل تھی وہ اس کے معطر شبستان سے دور چین کی نیند کب سو سکتا تھا؟

جب اس نے کروٹ بدلی تو جعفر خوشی سے بے خود ہو کر چہکا: "اٹھئے امیر المومنین!"

"چپ رہ بدتمیز؟" ہارون بڑبڑایا۔ "اگر یہ بات امیر المومنین ہادی نے سن لی تو زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔"

"میں نے کہا تختِ خلافت آپ کا منتظر ہے۔ فوراً بغداد جانے کی تیاری کیجئے حضور۔"

ہارون ہزار احتیاط کے باوجود ٹھنڈی آہ ضبط نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ جعفر بعض اوقات اسی قسم کی باتیں کر کے اس کی بدحواسی سے لطف اٹھاتا تھا لیکن جب جعفر نے یحییٰ برمکی کا خط ہارون کے حوالے کر دیا تو اسے پڑھنے کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ بازو پسار کر اپنے اوپر لحاف کھینچتے ہوئے بولا: "اب دفع ہو میں آخری نوری ٹھونکا لگا لینے دو۔"

لیکن یحییٰ ایسے یگانۂ زمانہ سیاس کا بیٹا جعفر اپنے دور کے سیاسی مسائل کی اہمیت خوب

سمجھتا تھا۔ اس نے بڑی بے تکلفی سے ہارون کے اوپر پڑا ہوا لحاف کھینچ کر ایک طرف ہٹایا۔
اور بولا:۔

"اب یہ نوری ٹھونکا باب الذہب میں جاکر پورا کیجیئے گا امیرالمومنین۔"

ابھی ہارون پوری طرح تیار بھی نہ ہوا تھا کہ یحییٰ نے ہارون الرشید کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے دارالخلافے سے جو رسالہ بھیجا تھا وہ رقہ پہنچ گیا اور ہارون الرشید اس رسالے کی جلو میں بغداد روانہ ہوگیا۔

دجلہ تک پہنچتے پہنچتے اس جلوس میں ہزاروں لوگ شامل ہو گئے۔ رقہ سے بغداد تک عقیدت مندوں کی صفیں دو رویہ آراستہ ہوگئیں۔ ہر شخص کی نظر ہارون الرشید پر لگی تھی لیکن ہارون کے خیالات ماضی کے دھندلکوں میں ڈگمگا رہے تھے۔ ہادی کا ولی عہد نامزد ہونے سے لے کر اس وقت تک اسے جن حالات و واقعات سے گزرنا پڑا تھا ان کے روشن، نیم روشن اور تاریک سائے بھی ساتھ آرہے تھے۔

خصوصیت کے ساتھ جسرالاول ——— بالائی پل کی کشتیاں نظر آتے ہی چند ناقابل فراموش یادوں کی تلخی سے ہارون کے ہونٹ بھنچنے لگے۔ آج سے چند روز پہلے جب وہ اسی پل پر سے اپنے بھتیجے ——— جعفر کے ساتھ شانہ بشانہ گزرنے لگا تھا تو شہزادے کے محافظ خاص نے ہاتھ کے اشارے سے ہارون کو روک لیا تھا: "سب سے پہلے ولی عہد کو گزرنے دیجیے۔" اور ہارون کو رک جانا پڑا تھا۔ اس سے کچھ روز پہلے کا ایک اور واقعہ بھی ہارون کو یاد آگیا۔ بنی عباس کے دستور کے مطابق ایک خاص نیزہ بردار غلام اپنا نیزہ تانے ولی عہد کے آگے آگے چلا کرتا تھا۔ لیکن ہادی کے حکم سے نیزہ بردار غلام کو ہارون کے آگے چلنے سے روک دیا گیا تھا۔

لیکن جسر الاول کے درمیان پہنچ کر ہارون کو اچانک ایسا واقعہ یاد آگیا کہ اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ گھوڑے کے رکتے ہی ہزاروں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بالکل ساکن ہوگیا اور ہارون کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی جعفر کو بھی یہ سارا واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ یاد آگیا۔ ہارون کی نظریں پل کے نیچے بل کھاتے ہوئے دجلہ کے ایک خاص مقام پر لگی تھیں۔ جعفر نے انگلی کے اشارے سے ہارون کے زاویہ نگاہ میں ترمیم کی اس کے فوراً بعد ہارون الرشید کے غلام خاص مسرور نے زین پر کھڑے ہوکر دجلہ میں چھلانگ لگا دی۔

مسرور کے کودتے ہی چند دوسرے غلام بھی دریا میں کود پڑے اور ذرا دیر بعد مسرور کا سر پانی سے اُبھرا۔ اس نے نعرہ لگایا۔ اور ساتھ ہی اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا جسے دیکھ کر ہارون الرشید اور جعفر ایک ساتھ مسکرائے۔ مسرور کامیاب ہوکر واپس آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی ایک ہاتھ ہارون الرشید کی رکاب پر رکھا اور دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی بلند کی۔ اس پر رکھی ہوئی انگوٹھی دیکھ کر ہارون الرشید کی مسکراہٹ اور زیادہ گہری ہوگئی۔ اس نے انگوٹھی اٹھا لی۔ لمحے بھر کے لئے اسے غور سے دیکھا اور پھر اپنی انگلی میں ڈال دی۔

اس دوران میں جعفر اپنی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار چکا تھا جس میں جڑے ہوئے ہیرے سے سورج کی منعکس ہونے والی کرنیں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ اس نے یہ انگوٹھی انعام کے طور پر مسرور کو پیش کی اور ہارون نے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔

ہارون، جعفر اور مسرور کے سوا دجلہ کی تہ سے برآمد ہونے والی انگوٹھی کا راز اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ یہ وہ انگوٹھی تھی جو مہدی نے ولی عہدی کی مہر کے طور پر ہارون کی انگلی میں ڈالی تھی۔ ہادی جانتا تھا کہ جب تک یہ انگوٹھی ہارون کی انگلی میں رہے گی وہ ولی عہدی کے حق سے دستبردار نہیں ہوگا۔ وہ ہارون کا یہ حق چھین کر اپنے بیٹے کے نام محفوظ کرنے کے

لئے الٹے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا تھا کہ ہارون کا زندہ رہنا ناممکن ہوگیا۔ یوں تو ہارون کی تربیت کچھ اس انداز پر ہوئی تھی کہ وہ بادشاہ کی حیثیت میں خوف و خطر سے گھری ہوئی زندگی پر ایک عام شہری کی پُر امن ——— اندیشوں سے پاک زندگی کو ترجیح دیتا تھا اور جب اس سے اس کی شادی زبیدہ سے ہوئی تھی اسے یقین ہوگیا تھا کہ زبیدہ کی محبت پوری دنیا کی حکومت سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ وہ ولی عہدی سے دستبرداری پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے ایک روز دجلہ میں بجرے پر سیر کرتے وقت یہ انگوٹھی چپکے سے دریا میں پھینک دی۔ اسے یقین تھا کہ ہادی میرا خالی ہاتھ دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ میں حکومت کا دلدادہ نہیں ہوں۔

لیکن ہادی ایسا کند ذہن فرمانروا اس لطیف اشارے کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس نے ہارون کو اپنے بیٹے کے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹانے کی کوششیں بدستور جاری رکھیں۔ یحییٰ برمکی مہدی کے زمانے سے ہارون کا اتالیق چلا آتا تھا۔ اس نے یحییٰ کو دولت اور وزارت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن یحییٰ بڑا ذہین انسان تھا وہ خود بھی یکتائے زمانہ منجم تھا اور اس عہد کے سارے نامور منجم اس کے حاشیہ نشینوں میں شامل تھے۔ ان لوگوں نے یحییٰ کو یقین دلا دیا تھا کہ ہادی کے اقتدار کی عمر بہت ہی تھوڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہادی کی دھونس اور تحریص کو خاطر میں لائے بغیر اس نے بے دھڑک اپنی رائے ظاہر کر دی تھی :۔

"اگر امیر المومنین نے اپنے بیٹے کی خاطر اپنے سگے چھوٹے بھائی کو اس حق سے محروم کر دیا جو آپ کے والد امیر المومنین مہدی اس کے لئے محفوظ کر گئے ہیں تو اس اقدام سے آلِ عباس میں بدعہدی کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتائج انتہائی ہولناک ہوں گے۔

اور اس کے علاوہ بیس یا بائیس سالہ ولی عہد ہارون الرشید اپنی سیاسی اور فوجی بصیرت کے اعتبار سے خلافت کا بوجھ اٹھانے کے لئے انتہائی موزوں ہے لیکن اگر آپ نے اپنے پانچ سات سالہ صاحبزادے کو ولی عہد نامزد کر دیا اور خدانخواستہ آپ عنقریب چل بسے تو خلافت کے کئی دعویدار پیدا ہو جائیں گے اور عین ممکن ہے کہ آلِ عباس اس حق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے۔"

یحییٰ برمکی کو اپنی صائب رائے کے اظہار کی پاداش میں ہادی نے قید کر دیا۔ لیکن وہ جاتے جاتے ہارون کو سیر و شکار کے بہانے دارالخلافے سے دور نکل جانے کا مشورہ دے گیا تھا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہارون الرشید کی تخت نشینی میں ملکہ خیزران کے ساتھ ساتھ یحییٰ کا ہاتھ نمایاں تھا۔

ملکہ خیزران بھی باب الذہب کی شمالی شہ نشین پر بیٹھی باب الشام —— شامی دروازے —— کی طرف تک رہی تھی۔ ہارون الرشید کا جلوس جسر الاوّل سے گزر کر بغداد میں داخل ہو چکا تھا۔ جمعے کا دن تھا اور نماز کے لئے مضافات سے بھی ہزاروں لوگ بغداد میں آئے ہوئے تھے۔ شہر کی جن سڑکوں سے ہارون کا جلوس گزرنے والا تھا ان پر دو رویہ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص بڑے شوق سے نئے خلیفہ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

سب سے پہلے سیاہ وردی میں ملبوس فوج کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ یہ دستہ امیرالمومنین کے لئے راستہ صاف کرنے پر مامور تھا۔ اس کے پیچھے وہ رسالہ تھا جسے ہارون کی پیشوائی کے لئے بغداد سے بھیجا گیا تھا۔ بغداد سے ایک اور سوار دستہ جسر الاول پر جلوس میں شامل ہو گیا تھا۔ رسالے کے پیچھے عباسی شہزادے اور امرا بھڑک دار لباس پہنے، جڑاؤ دستوں

والی ننگی تلواریں حمائل کئے عمدہ نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے یحییٰ بن خالد برمکی کی قیادت میں البرامکہ کا دستہ گذرا اور برامکہ کے بعد ہارون سیاہ گھوڑے پر سوار ہنس ہنس کر لوگوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

جب یہ جلوس دربار خلافت کی طرف جاتے وقت اس شہ نشین کے نیچے سے گذرا جس پر خیزران بیٹھی تھی تو اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ اگرچہ وہ نظر بظاہر اپنے لختِ جگر کے اس شاندار استقبال کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا طائرِ خیال برسوں کی مسافت پر پھیلے ہوئے ماضی کی خواب آلود فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ وہ زمانہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا جب ہارون کی ولی عہدی کے زمانے میں چند غلاموں کے سوا اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں ہادی نے اس سے یہ اعزاز بھی چھین لیا تھا۔ آج پوری دنیا ہارون کے جلو میں چل رہی تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے مسلح سواروں کے دستے موج در موج رواں دواں تھے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے اور فوج کے سپاہیوں کو راستہ صاف کرتے وقت خاصی مشکل پیش آ رہی تھی۔ +

○

شماسیہ میدان میں پہنچنے کے بعد جلوس کا رخ باب الذہب کے اس حصے کی طرف پھر گیا جہاں کل تک مرحوم خلیفہ دربار لگایا کرتا تھا۔ اس کا وزیر فضل بن ربیع نئے خلیفہ کے استقبال کی خاطر صدر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیچھے عراق، کوفہ، حجاز، یمن اور

شام کے ان عرب اُمرا کی صفیں دُور تک پھیلتی چلی گئیں جو نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے خیال سے بے تاب ہو رہے تھے۔

ہارون نے گھوڑے سے اُتر کر دربار کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ باب الذہب میں صف بستہ اُمرا کی گردنیں جھک گئیں اور ہارون کا کمسن بھتیجا ـــــ جو کل تک ہادی کے ولی عہد کی حیثیت میں بنی عباس کا معزز ترین فرد تصور کیا جاتا تھا ـــــ امیرالمومنین چچا کو اپنی وفاداری، تابعداری اور عقیدت وخلوص کا یقین دلانے کی خاطر ہارون کے پاؤں سے لپٹ گیا اور اس کے فوراً بعد فضل بن ربیع کی جذبات سے بوجھل ـــــ رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ جعفر سے کہہ رہا تھا:۔

"خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر کے امیرالمومنین کے ہاتھ پر بیعت کیجئے۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عباسی سلطنت کے ولی عہد ـــــ جعفر بن ہادی ہی کا کانپتا ہوا ہاتھ تھا جو نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے سب سے پہلے ہارون کی طرف اٹھا۔ ہارون نے اپنے ایک ہاتھ میں کمسن بھتیجے کا ہاتھ بڑے پیار سے تھام لیا اور دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا زیر لب مسکرایا اور سرگوشی کے سے انداز میں کوئی ایسی بات کہی جسے جعفر کے سوا اور کوئی نہ سن سکا۔

فضل بن ربیع کی نظریں چچا بھتیجے پر مرکوز تھیں۔ اور اس کے دل میں طرح طرح کے بے نام اندیشے کلبلا رہے تھے۔ یہ فضل بن ربیع ہی تو تھا جس نے ہادی کو مشورہ دیا تھا۔ ہارون کی جگہ جعفر کو ولی عہد نامزد کیجئے لیکن ہارون کی صرف ایک ہی زیر لب مسکراہٹ نے اس کے تمام اندیشوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔

ابھی امیرالمومنین نے جعفر بن ہادی کا ہاتھ پوری طرح چھوڑا بھی نہ تھا کہ فضل بن ربیع

آگے بڑھا اور ہارون کا ہاتھ چوم کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ جعفر اور فضل بن ربیع کو سبقت لے جاتے دیکھ کر عرب امراء کے چہرے سرخ ہو گئے اور ان کی صفوں میں ہیجان سا ظاہر ہونے لگا۔ بیعت سے فارغ ہونے کے بعد فضل بن ربیع مسند خلافت کے قریب اس مقام پر کھڑا ہو گیا جو عباسی دربار میں وزیر کے لئے مخصوص تھا اور حسب مراتب ایک ایک عرب سردار کا نام پکارنے لگا۔

بیعت کا یہ تھکا دینے والا سلسلہ بہت دیر تک قائم رہا اور ہر لمحے کے بعد ہارون کی کنپٹیوں کی نسیں زیادہ سے زیادہ ابھرتی —— سو جتنی چلی گئیں۔ غالباً انہی فرسودہ رسموں —— مصنوعی روایات ہی کے باعث اس کے دل میں حکومت کی اُمنگ پنپ نہ سکی لیکن اب —— جب کہ قسمت نے زبیدہ کی محبت کے ساتھ ساتھ پوری اسلامی سلطنت کی حکومت بھی اس کی جھولی میں ڈال دی تھی تو اس کے جذبات و محسوسات کو فرحت سی محسوس ہونے لگی۔ اور عقیدت مندوں کی ان موٹی صفوں کے پیچھے اسے بعض ایسے جانے پہچانے چہرے نظر آ رہے تھے جن کی قربتوں اور صحبتوں کے کیف سے وہ بچپنے ہی میں لذت یاب ہو چکا تھا خصوصیت کے ساتھ نوجوان، بے باک، آتش نوا شاعر ابو نواس اور اپنے عہد کا بے مثال —— مسحور کر دینے والا مغنی ابراہیم موصلی۔

لیکن ان کے درمیان ابھی ایک گروہ بُری طرح حائل تھا۔ عالموں فقیہوں اور فلسفیوں کا گروہ —— جس میں امام یوسف، امام محمد، امام زفر، قاسم بن معن، داؤد طائی، کسائی یزیدی، فضل بن عیاض اور عباس بن محمد عباسی ایسے مشاہیر شامل تھے۔

وبیعت، تعارف اور نذر و نیاز دوں کی میکانکی رسم سے فارغ ہونے کے بعد ہارون نے دربار پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔ آلِ عباس کے ایک ایک فرد کا چہرہ خوشی سے

دمک رہا تھا۔ البرامکہ ——— یحییٰ کا خاندان بھی اس خوشی کے اظہار میں بنی عباس سے پیچھے نہ تھا اور خود یحییٰ اپنا مخصوص عصا ہاتھ میں پکڑے ہارون کے بالکل پیچھے خاموش کھڑا تھا۔

ہارون کے دل میں خیال آیا کہ:۔

جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی وفاداری اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان سے خطاب کر کے ان کی وفاداری اور عقیدت کے جذبات کو اور زیادہ ابھارا جائے لیکن نہ تو وہ حکومت کے اس انداز کو قابلِ تعریف سمجھتا تھا اور نہ ہی اسے ان کاموں کی تربیت حاصل کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ البتہ یحییٰ کی خاموشی اسے کھٹکنے لگی۔ سارے بغداد میں صرف یہی ایک شخص تھا جس نے ہادی ایسے خلیفہ کی مخالفت کے باوجود ہارون کی دوستی کا آخری وقت تک دم بھرا تھا۔

ہارون نے اپنے بھائی کے وزیر فضل بن ربیع کو اشارے سے اپنے قریب بلایا وہ تاڑ گیا تھا کہ امیر المومنین کی نگاہیں کسی چیز کا تقاضا کر رہی ہیں اور جب وہ دل ہی دل میں سوچتا تیزی سے مسندِ خلافت کی طرف بڑھا تو ہارون نے چپکے سے اپنا ہاتھ بڑھا دیا فضل بن ربیع نے لمحے بھر کے لئے رک کر اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی۔ یحییٰ برمکی بت کی طرح اپنی جگہ ساکت و خاموش کھڑا تھا۔

فضل بن ربیع نے تیزی کے ساتھ اپنی انگلی سے مہر وزارت نکالی اور جھک کر ہارون کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ہارون مہر وزارت کو دیکھے بغیر اسے انگلیوں سے ٹٹولنے لگا لمحے بھر کے لئے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنے جذبات کو درباریوں سے چھپانے کے لئے وہ ایک ایک دریچہ بند کر رہا ہو۔ پھر اس نے آہستہ آنکھیں کھول کر ایک بار پھر دربار پر نظر ڈالی اور بولا: ”آپ لوگوں نے جس خلوص اور تعاون کا مظاہرہ

کیا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں“ پھر اس نے ایک دم پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یحییٰ اشارے کا منتظر تھا۔ ہارون نے مہر وزارت والا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور انگوٹھی پیش کرتے ہوئے بولا :۔

”آپ مجھے اس مسند پر متمکن دیکھنا چاہتے تھے نا؟ ——— اور مجھے یہاں تک لانے کے لئے آپ نے جتنی سختیاں جھیلیں۔ ان کی تلافی کے لئے میں سلطنت اور حکومت کی ساری ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا!“

یحییٰ ـــ مہر وزارت کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے زمین تک جھک گیا۔ پھر انگوٹھی ہارون کے ہاتھ سے لے کر انگلی میں ڈالی اور ایک بار پھر زمین بوس ہونے کے بعد اس جگہ کا رخ کیا جہاں فضل بن ربیع بیٹھا تھا۔ فضل نے اس کے لئے جگہ خالی کر دی۔ نئے خلیفہ کے نئے وزیر نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی امرا اور علماء کی صفوں کے پرلے سرے پر خاموش کھڑے ہوئے ان مانوس چہروں کو التفات سے دیکھا جنہیں ابھی تک دربار کی تقریب میں عملی حصہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ابونواس کو قصیدہ پڑھنے کا اشارہ کیا :۔

ابونواس نے قصیدہ شروع کیا :۔

اس طرح کی عیدیں ہمیشہ آتی جاتی رہیں
ہر روز نئی عید۔ دنیا کی دولت اور خوشی کو ساتھ لئے
تیرے دن ان راتوں کے لئے ہیں
اور تیری راتیں انہی دنوں کے لئے
نصرِ الٰہی تجھے مبارک ہو۔

اللہ فتح کے مژدے لائے

زمانے بھر کے تاج تیری ٹھوکروں میں لڑھکتے رہیں۔

جب ابونواس قصیدہ پڑھ رہا تھا۔ ہارون کی نظریں ابوالعتاہیہ اور ابراہیم موصلی کے چہروں سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ وہ ان دونوں کو بچپن ہی سے جانتا تھا۔ ابوالعتاہیہ ہادی کے دربار کا ممتاز شاعر تھا اور ابراہیم موصلی ——— ہر ایک عباسی شہزادے کی آنکھوں کا تارا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دونوں بدقسمت فن کار ہمیشہ خلیفۂ وقت کے عتاب کا تختۂ مشق رہے۔ خصوصیت کے ساتھ ابراہیم کو سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ اگر اسے دوبارہ ہادی یا ہارون کی محفل میں دیکھا گیا تو قتل کر دیا جائے گا۔

ابونواس کا قصیدہ ختم ہوتے ہی ہارون نے یحییٰ برمکی کو کچھ کہنے سننے کا موقعہ ہی نہ دیا اور ابوالعتاہیہ کو حکم دیا:۔

"تم اپنا عشقیہ کلام سناؤ۔"

لیکن ابوالعتاہیہ نے بڑی بے باکی کے ساتھ انکار کر دیا۔

"ہادی مرحوم کے بعد میں نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔"

لمحے بھر کے لئے ہارون کا سر چکرایا۔ یہ بالکل اور بات ہے کہ شہزادگی کی محفلوں میں اس قسم کے انکار عام تھے۔ لیکن یہ تو دربار تھا۔ پورے عربستان کے اُمرا حاضر تھے۔ ابوالعتاہیہ نے بڑی بے دردی سے اس کی خواہش ٹھکرا دی تھی۔ وہ اس کی خفت مٹانے کے لئے ابراہیم موصلی کی طرف مڑا۔ امیرالمومنین کے جذبات کی تلخیاں محض ابراہیم کی شیریں ——— روح نواز آواز ہی سے دُور ہو سکتی تھیں۔

ہارون نے دربار کے آداب کا ہرگز کوئی خیال نہ کیا اور ابراہیم سے کہا:۔

"کوئی پھڑکتی ہوئی غزل اور حوروں کے قہقہوں سے بھی زیادہ سریلی آواز میں"۔

لیکن ساز کی طرف ہاتھ بڑھانے کی بجائے ابراہیم نے اپنی عبا اٹھائی اور اپنی پیٹھ پہ کوڑوں کے داغ ہارون کے سامنے کر کے بولا:۔

"آپ کے خیال میں یہ داغ مٹ جائیں گے امیرالمومنین؟"

ہارون نے ابراہیم کی پیٹھ کا ایک ایک داغ بڑی ہمدردی سے دیکھا:۔

"کیا ہوا؟"

"کوڑے"۔ ابراہیم اپنے داغ عبا میں چھپاتے ہوئے بولا۔

"کس نے مارے ہیں؟"

"اچھا—— اب آپ کو یہ بھی یاد نہیں رہا حضور؟"

"بھئی تمہاری قسم ابراہیم۔ اس وقت میرے ذہن میں اس واقعے کا دھندلا سا سایہ تک موجود نہیں"۔

"یہ آپ کے والد محترم امیرالمومنین مہدی کی عنایات کے دکھتے ہوئے داغ ہیں حضور"۔

"تم نے ضرور کوئی جرم کیا ہوگا"۔

"بے شک۔ لیکن مجھے یہ ہرگز معلوم نہیں تھا کہ شہزادوں کی محفل میں شامل ہونا—— شہزادوں کا دل لبھانا—— ان کی فرمائش پوری کرنا جرم ہے"۔

"لیکن اب ہم امیرالمومنین ہیں اور یقین کرو۔ آئندہ تمہاری ان خدمات کو کسی طرح جرم کی فہرست میں شامل نہیں کیا جائے گا"۔

"لیکن میں تو خود آئندہ ایسا جرم نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں اور مہدی کی روح گواہ ہے کہ میں ابھی تک اپنی قسم نبھا رہا ہوں"۔

"کیا مطلب ——؟" ہارون پریشان ہو گیا۔

"یہی کہ میں آپ کی فرمائش کی تعمیل نہیں کر سکتا۔"

ہارون کی دمکتی ہوئی پیشانی پر شکنوں کے خطوط ابھرنے لگے:۔

"تو پھر یہاں کیوں آئے؟"

"مجھے آپ کی تخت نشینی کی تقریب پر خوشی منانے کا جو حق حاصل ہے آپ مجھے اس سے بھی محروم کرنا چاہتے ہیں؟"

بالکل نہیں —— ہرگز نہیں۔ بلکہ میں تو تمہیں خوشی کے اظہار کا امتیازی موقعہ دے رہا ہوں۔"

"یہ امیر المومنین کا ذاتی خیال ہے اور خانہ زاد کو اس سے ہرگز اتفاق نہیں کیونکہ میں تو خاموش رہ کر بھی لازوال مسرت محسوس کر رہا ہوں!"

ہارون اور ابراہیم کی باتوں کا رخ آہستہ آہستہ کس طرف مڑ رہا تھا؟ یحییٰ تاڑ گیا۔ ابو العتاہیہ کے انکار نے جیسے دربار کی سطوت پر گہرا گھاؤ لگایا تھا۔ اگر ابراہیم نے بھی انکار کر دیا تو —— وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ابراہیم کو دیکھ کر بولا:۔

"سارا دربار تمہاری آواز کے کرشموں کا منتظر ہے ابراہیم۔ مجھے یقین ہے تم اپنے مداحوں کی اس خواہش کو رد نہ کرو گے۔"

لیکن ابراہیم بھی اپنے فن کا شہنشاہ تھا۔ اکڑ گیا:۔

"تو کیا —— دربار کو خوش کرنے کے لئے اپنی قسم توڑ دوں؟"

ہارون درباریوں کی نظریں بچا کر حاضرین کے چہروں، سینوں میں ہیجان بچانے والے خیالات —— ہونٹوں پر مچلنے والے الفاظ ٹٹولنے لگا۔ وہ حالات کی نزاکت کا اندازہ

لگانے سے غافل نہیں تھا۔ یہ اس کی نجی محفل نہیں بلکہ دربار تھا ـــــــ دربارِ عام ـــــــ امیر المومنین کی حیثیت میں ہارون کا پہلا پہلا دربار ـــــــ وہ بھڑک اٹھا اور ابو العتاہیہ اور ابراہیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا :-

"دونوں کو زنداں میں ڈال دو۔"

اور ہارون کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ جب داروغہ زنداں انہیں دربار سے نکال کر قید خانے کی طرف چلا گیا تو ہارون مسکرایا اور ایک دوسرے درباری ابن جامع سے کہا :-

"ہاں ـــــــ اب تو کوئی ہنگامہ ہو جائے۔"

ابن جامع نے گانا شروع کیا اور عربی زبان میں شعر اور موسیقی جادو جگانے لگے۔ ذرا دیر بعد ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ سننے والوں کو شعر اور نغمے کے سوا اور کسی چیز کا احساس ہی باقی نہ رہا۔

تیسرا باب

پہلی خلش

حرم کے ہنگامے ہر اعتبار سے دربار کے ہنگاموں سے بازی لے گئے تھے۔ خیزران مسرت کے نشے میں سرشار باب الذہب کی وسعتوں پہ چھائی ہوئی تھی۔ اس کا چہیتا بیٹا سارے زمانے کی مخالفت کے باوجود تختِ خلافت پہ بیٹھ چکا تھا۔ اور ہارون کا ولی عہد —— مامون پیدا ہو چکا تھا۔

ملکہ خیزران کی ان خوشیوں میں یحییٰ برمکی وزیر کی بیوی عتابہ —— برابر کی شریک تھی۔ وہ سن چکی تھی کہ امیر المومنین ہارون نے تخت پہ بیٹھتے ہی سب سے پہلے جو فرمان جاری کیا وہ یحییٰ برمکی کی مستقل وزارت کا فرمان تھا۔ وہ جانتی تھی کہ خیزران سے کوئی بات منوانے کا اس سے عمدہ موقعہ پھر شاید ہی ہاتھ آئے۔ اس نے لمحہ بھر کے لئے خیزران کو اپنی نظروں میں تولا اور بولی:۔

"امیر المومنین نے یحییٰ کو مستقل وزارت سونپ کر خاندان برامکہ کو زمانے بھر میں مشہور و ممتاز کر دیا۔ میری خواہش ہے کہ خاندان خلافت آج شام کا کھانا ہمارے ہاں کھائے۔ یہ ہماری عزت افزائی کا موجب ہو گا"

اور خیزران انکار نہ کرسکی۔

شام کے قریب بنی عباس کے چیدہ چیدہ افراد ـــــ ملکہ خیزران، ہارون کی چہیتی بیگم زبیدہ، اور دونوں بہنیں ـــــ علیہ اور عباسیہ اپنی منظورِ نظر کنیزوں کے ساتھ قصرِ برامکہ کی طرف جانے کے لئے بالکل تیار تھیں۔ قصرِ برامکہ اور باب الذہب کے درمیان صرف ایک نہر حائل تھی جس کے کناروں پر اگے ہوئے پودوں اور بیلوں کی شاخیں جھک کر دجلہ کی لہروں سے مصروفِ راز و نیاز دکھائی دیتی تھیں۔

اس کنارے سے شاہی بجروں کے حرکت کرتے ہی دوسرے کنارے پر آلِ برمک کی خواتین ـــــ یحییٰ برمکی کی بیوی عتابہ، اس کی حسین و جمیل نوجوان بیٹی دنیا ـــــ اپنی کئی یگانۂ زمانہ کنیزوں ـــــ خصوصیت کے ساتھ دنانیر سمیت شاہی خاندان کے استقبال کو پہنچ گئیں۔ ہارون کو تختِ خلافت پر بٹھانے میں یحییٰ نے کیا کچھ کیا تھا؟ میزبان اور مہمان خاندان کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یحییٰ اور ہارون کے تعلقات جتنے استوار تھے اس سے کہیں زیادہ قدیم بھی تھے۔ یحییٰ کا بڑا بیٹا فضل اور ہارون ہم عمر تھے۔ ہارون نے عتابہ کا دودھ پیا تھا اور فضل نے خیزران کا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر خیزران عتابہ کو اُمِّ رشید پکارتی تھی تو عتابہ بھی اسے اُمِّ فضل پکارنے میں فخر محسوس کرتی تھی۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہارون کے باپ مہدی نے ہارون کے بچپنے ہی میں یحییٰ کو اس کا اتالیق مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ قصرِ برامکہ اگرچہ زبیدہ، علیہ اور عباسیہ کے لئے اجنبی ہو تو اور بات ہے۔ لیکن جہاں تک ہارون کا تعلق ہے وہ اس گھر کے ذرّے ذرّے کو جانتا پہچانتا تھا۔ اس کی زندگی کا بہت سا حصہ اسی قصر میں گزرا تھا۔ بچپنے کے دن تعلیم حاصل کرنے میں اور جوانی کی شامیں ـــــ دنانیر کا گانا سننے میں۔

مہمان اور میزبان خاندان کی خواتین ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے قصر برامکہ کے صدر دروازے پہ پہنچ گیئں۔ اس صدر دروازے پہ ـــــــ جس پہ جلی حروف میں یہ شعر لکھا تھا :۔

اے گھر تیرے اندر غم داخل نہ ہونے پائے
اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے
جب مہمان کو اور کہیں گھر نہیں ملتا
تو تو اس کے لئے نہایت اچھا گھر ثابت ہوتا ہے

ہارون کو یہ شعر زبانی یاد تھا۔ وہ اپنی ماں، بیوی اور بہنوں سے الگ سر جھکائے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں خوش تھا۔ اسے صدیوں کے بعد آج دنانیر کی محفل میں چند لمحے بسر کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ عالم خیال میں دنانیر کی روح میں سرایت کر جانے والی آواز اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی اور اگرچہ اس کی نظریں زمین میں گڑی تھیں لیکن ذرّے ذرّے سے دنانیر کا حسن و شباب فوّاروں کی طرح ابل رہا تھا۔ وہ جس طرف آنکھ پھیرتا دنانیر کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا۔

ایک دوسرے کو رشک و عقیدت کے ملے جلے جذبات سے گھورتی ہوئی خواتین کا قافلہ قصر کے اس حصے میں رک گیا جہاں مردانے اور زنان خانے کے راستے الگ ہوتے تھے۔ دنیا نے ہاتھ کے اشارے سے ملکہ خیزران، زبیدہ، علیہ اور عالیہ کو زنان خانے کا راستہ دکھایا اور خواتین کے ادھر جاتے ہی مردانے سے ایک ساتھ یحیٰی اپنے دونوں یکتائے زمانہ نوجوان بیٹوں ـــــــ فضل اور جعفر کے ساتھ امیرالمومنین کے استقبال کو بڑھا۔ آج جعفر کی آنکھوں سے بالکل اجنبی شوخی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ جعفر کو دیکھ

کہ ہارون مسکرایا اور آنکھوں آنکھوں میں باتیں شروع کر دیں۔ کیونکہ آج جو کچھ ہارون کے دل میں تھا اسے اپنے معمّر اتالیق اور مخلص وزیرِ اعظم کی موجودگی میں زبان پر لانا مناسب نہ سمجھتا تھا۔

صرف جعفر اور فضل ہی نہیں بلکہ یحییٰ بھی تاڑ گیا تھا کہ ہارون کی پُر اشتیاق —— بیقرار نظریں تاک جھانک کر کے کس چیز کو ڈھونڈھنا چاہتی ہیں؟ لیکن دنانیر تو شاہی خاندان کی خواتین کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ اپنی جگہ پر دنانیر کی حالت بھی ہارون سے کہیں زیادہ ناقابلِ برداشت تھی لیکن ملکہ خیزران، شہنشاہ بیگم زبیدہ، علیہ اور عباسہ ایسی زود حس شہزادیوں کے حضور سے کھسک جانا —— کوئی معقول وجہ پیش کئے بغیر ہرداسنے میں پہنچ جانا بہت ہی مشکل تھا۔

اندر ایک خاص بات —— جس نے دنانیر کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی یہ تھی کہ زبیدہ، علیہ اور عباسہ ایسی شہزادیاں تھیں جن کے بال سنوارنے کا انداز، کپڑے اور لباس کی تراش، بناؤ سنگار کے انداز دن رات بغداد کے فیشن کا رخ موڑتے رہتے تھے۔

بہ حقیقت ہے کہ آٹھویں صدی کے بغداد میں قصرِ خلافت نے ایسے مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی جہاں سے فیشن کے نئے نئے دھارے پھوٹا کرتے تھے اور چونکہ دنانیر اور دیگر بھی بغداد ہی کا ایک حصّہ تھیں اس لئے وہ شہزادیوں کی ایک ایک چیز کا عمیق جائزہ لئے بغیر کسی دوسرے کام میں کیسے ہاتھ ڈال سکتی تھیں؟

دنانیر کی نظریں زبیدہ کی اس جوتی پر مرکوز تھیں۔ جس میں ریشم کی جگہ طلائی اور نقرئی زردوں کے بیل بوٹے کڑھے تھے اور کہیں کہیں قیمتی موتی اس خوبصورتی سے جڑے تھے پاؤں کی معمولی سی حرکت کے ساتھ جب اُن سے سورج کی کرنیں منعکس ہوتیں تو دیکھنے

والے کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ ایک چیز اور ——— بغداد کی معزز خواتین دوپٹے کی جگہ قبہ نما ٹوپی استعمال کرتی تھیں۔ آج زبیدہ نے اس ٹوپی کے نیچے ریشمی جھالر کا اضافہ کیا تھا۔ یہ جھالر ماتھے تک آگئی تھی اور اس میں ٹکے ہوئے جواہرات قیامت ڈھا رہے تھے۔

دنانیر کو جڑاؤ جوتی کی جگہ یہ جھالر بہت پسند آئی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی "بانو نے یہ ٹوپی کس دکان سے خریدی ——— یا کس کاریگر سے تیار کرائی ہے؟" لیکن شرم کے مارے یہ الفاظ اس کے ہونٹوں تک آتے آتے ختم ہو گئے۔

دنانیر کے خلاف دینا کی نظریں علیہ کے ماتھے پر جمی تھیں۔ دینا جانتی تھی کہ علیہ کے ماتھے پر ایک تل تھا اور یہ تل برا نہیں لگتا تھا لیکن شہزادی نے اسے چھپانے کے لئے جھومر ایجاد کر کے زیورات میں بیش قیمت اضافہ کر دیا۔ دینا دیر تک جھومر کو دیکھتی رہی اور جب صبر نہ کر سکی تو ہاتھ سے جھومر ہٹا کر علیہ کے ماتھے کا تل دیکھنے لگی اور بہت دیر کے بعد بولی :-

"میرا خیال ہے کہ اگرچہ شہزادی نے اپنا تل چھپانے کے لئے یہ زیور ایجاد کیا ہے لیکن مجھے یہ جھومر بہت پسند ہے۔ اور اسے وہ عورتیں بھی استعمال کر سکتی ہیں جنہیں تل چھپانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔"

علیہ نے قد آدم آئینے میں اپنے سراپا پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور بولی :-

"اری ——— میں نے تو اس طرف سوچا ہی نہیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو دُنی۔ اسے ہر عورت دوسرے زیوروں کی طرح آرائش کے طور پر استعمال کر سکتی ہے۔"

"اور کوئی کرے نہ کرے ——— میں تو ضرور کروں گی۔" دینا کچھ سوچ کر بولی :-

"یہ آپ نے کہاں سے خریدا؟"

"میں اور بھابی چیزیں خریدا نہیں کرتیں!" علیہ نے ہنس کر زبیدہ کو دیکھا "بلکہ بنوایا کرتی ہیں۔ ہم انہی چیزوں کے نمونے خود تیار کرتی ہیں اور پھر کسی اچھے کاریگر کو حکم دیتی ہیں ——— بالکل یہی چیز بنا کر لاؤ۔"

"اور جن بدنصیب عورتوں کے ذہن شہزادیوں کی طرح رسا نہ ہوں۔" دُنیا بولی:۔ وہ کیا کریں؟"

"وہ سب سے پہلے ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہ کریں اور ———!"

نہ جانے علیہ کیا کہنا چاہتی تھی لیکن دینا نے اس کے منہ سے بات چھین لی اور شوخی سے بولی:"زانوئے تلمذ تہ کرنے کے بعد تو ہم اس جھومر کو بطور تحفہ حاصل کرنے کی حق دار بن جائیں گی!"

"تم ٹھیک کہتی ہو دینا۔" علیہ فوراً جھومر کھولنے لگی لیکن دینا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ روک لئے اور سنجیدگی سے بولی:۔

"معاف کیجئے شہزادی۔ اس تقریب کے بعد گھر پہنچ کر مجھے بھجوا دیجئے گا!"

"اور یہ بھی کہو کہ ———" زبیدہ بولی: "اس تقریب کے دوران میں اسے استعمال تو کر سکتی ہو لیکن ذرا خیال سے ———!"

دنیا زور سے ہنسی لیکن اس کا قہقہہ مردانے سے گونجنے والے قہقہے کے طوفان کی نذر ہو گیا۔ زبیدہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اس قہقہے میں ہارون کی آواز سب سے اونچی تھی۔ وہ سوچنے لگی: "امیر المومنین کو قصر براکمہ میں اس طرح ہنسنا چاہیئے ———؟

وہ اپنے رنگیلے، شہزادے خاوند کے مزاج کی ہر رفتار سے واقف تھی۔ لیکن چونکہ

اس کی پرورش بالکل شاہانہ ماحول میں ہوئی تھی اس لئے زندگی کے آداب کے متعلق اس کا ایک خاص نقطۂ نگاہ تھا۔ اور وہ قدم قدم پہ اس کا اطلاق ضروری سمجھتی تھی۔

نہ جانے شہنشاہ بیگم کے خیالات کہاں جا کر دم لیتے لیکن مردانے میں نغموں کا سیلاب اُمڈنے لگا اور زبیدہ کے خیالات تنکے کی طرح بہہ گئے۔ وہ دنانیر کی آواز پہچانتی تھی۔ وہ اس آواز کی تاثیر کے متعلق بہت کچھ جانتی تھی۔ وہی آواز اس وقت یوں سنائی دے رہی تھی جیسے ہزاروں میل دور کہکشاں کی آبشار چاند کے خوابیدہ ویرانے میں گرنے کے بعد نغمے بکھیر رہی ہو۔

دنانیر اپنے بلوط کے بربط پر رخسار رکھے اپنی مخصوص محویت کے عالم میں گا رہی تھی:-

"اے دل! صبر کر، نہ گھبرا۔
جس کا تجھے ڈر تھا۔ وہ تو ہو چکا۔
تیری عقل کو لوٹ لے جانے والے تیری آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر متلاطم کر کے چلے گئے۔
اور یہ آنکھیں اپنے آنسو پی گئیں اور بولیں:- ہم مبتلائے عشق ہو گئے"

محفل گرم ہو گئی۔ دسترخوان بچھنے سے پہلے یحییٰ نے امیر المومنین کی نوازشات کا شکریہ ادا کیا اور پھر رفتہ رفتہ فصیح و بلیغ تقریر شروع کر دی۔ اس کی عالمانہ باتیں صرف ہارون ہی کے لئے مخصوص نہ تھیں۔ بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے دونوں بیٹوں — فضل اور جعفر کو بھی ایک ساتھ مخاطب کر رہا ہو:-

"وہ جو لوگ ہم سے پہلے تھے وہ ہمارے لئے صرف پیش رو کی حیثیت

نہیں رکھتے بلکہ ہم انہیں اپنا رہبر سمجھیں تو زندگی میں کبھی بھٹکنے کی نوبت نہیں آئے گی اور ہم اپنے بعد آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان ہیں۔ جو لوگ زندگی کے میدان میں سب سے آگے بڑھ جانے کے خواہش مند ہیں۔ اگر وہ زمانے کی سختیاں برداشت نہیں کر سکتے تو پھر انہیں اپنے مقصد میں ناکام ہونے کی شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ اگر آپ کسی شخص کو کچھ دینے کا فیصلہ کر چکے ہوں تو پھر اس میں توقف کرنا انتہا درجے کی بخیلی ہے۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی فیاض اور عالم و فاضل کیوں نہ ہو لیکن اگر متکبر ہے تو میرے نزدیک اس کنجوس، جاہل سے ہزار درجے برا ہے جو انسان کی تواضع اور خاطر و مدارات کرنا جانتا ہو۔" ا

اور پھر لمحے بھر کی خاموشی کے دوران میں وہ محسوس کرنے لگا۔ گویا اس کے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان اس وقت پند و نصائح کی جگہ کچھ اور سننے کے خواہش مند ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ ان تینوں کو گذشتہ پندرہ بیس برس سے اسی قسم کی باتیں سناتا چلا آیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی سحر کار ــــــ فسوں طراز کنیز دنانیر کو کچھ سنانے کا اشارہ کیا اور جب دنانیر غالباً اپنا بربط لینے باہر نکلی تو یحییٰ بولا: "اس دنیا میں ایسا کون سا شخص ہے جسے موسیقی سے نفرت ہو؟ لیکن گانا صرف وہی ہے جس سے طبیعت میں سرور یا رقت پیدا ہو یا رنج اور غم کے اثرات روح پہ پردے کی طرح چھا جائیں۔ اور جو گانا ان صفات سے عاری ہو۔ وہ دردِ سر ہے۔"

تینوں نوجوانوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا اس وقت جعفر اور ہارون ایک دوسرے کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ ہارون کیسی بے تابی سے دنانیر کا انتظار کر رہا تھا؛ جعفر جانتا

تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہارون کو چھیڑ رہا تھا۔ لمحے بھر کے لئے ہارون کچھ سوچنے لگا اور پھر یحییٰ کو مخاطب کر کے بولا :۔

”میں چاہتا ہوں کہ جعفر کو اپنا حاجب خاص مقرر کر دوں ——— ایسا حاجب جو دربار اور سیر و شکار کے علاوہ میرے حرم میں بھی داخل ہو کر اپنی خدمات انجام دے سکے۔“

یحییٰ نے آنکھوں آنکھوں میں جعفر کو ٹٹولا۔ جعفر اس اعزاز پر بہک گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں اتنا عرصہ اکٹھے رہے تھے کہ اب ایک دوسرے کی جدائی بُری طرح محسوس کرتے تھے۔ اگرچہ یحییٰ کے دل میں کچھ اور تھا لیکن اپنے بیٹے کی آنکھوں میں امڈا ہوا اشتیاق دیکھ کر بولا :۔

”آلِ برمک کی زندگیاں آپ کے لئے وقف ہیں امیر المومنین۔“

اور یہ جواب ہارون کو اتنا پسند آیا کہ وہ تمام شاہانہ آداب پس پشت ڈال کر بھری محفل میں جعفر سے لپٹ گیا اور بولا :۔

”آج سے تم میرے حاجب ہو ——— اچھا!“

اور اس کے ساتھ دنانیر اپنی لمبی انگلیوں سے بربط کے خوابیدہ نغمے بیدار کرتی اندر داخل ہوئی ؂

میرے پاس مایوسی اور عشق کی بیماری کے سوا کچھ نہیں رہا۔

مجھ سے دُور رہ ——— اے میرے محبوب کہیں یہ دونوں چیزیں تمہیں نہ لگ جائیں۔ میں دیکھتی ہوں۔ اب میری بصارت مجھے دھوکا دینے لگی ہے۔

یہی بیماری کیا کم ہے کہ میں ابھی تک تندرست ہوں۔

دنانیر کی آنکھیں بند تھیں۔ یہ اس کے گانے کا مخصوص انداز تھا۔ کبھی کبھار وہ

اچانک اپنی آنکھیں کھولتی اور ہارون کو دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کی آواز پہچانتے تھے۔ جو شعر ہارون کو پسند آتا۔ دنانیر اسے بار بار گاتی اور اس تکرار سے محفل کی کیفیت عروج پر پہنچ جاتی۔ ہارون آنکھوں آنکھوں میں اسے پہلا شعر دہرانے کا اشارہ کر رہا تھا:۔

میرے پاس مایوسی اور عشق کی بیماری کے سوا کچھ نہیں۔

مجھ سے دور رہ ——— اے میرے محبوب کہیں یہ دونوں چیزیں تمہیں نہ لگ جائیں۔

میں نے ایک جام لذت کے لئے پیا اور دوسرا جام پہلے جام سے شفا حاصل کرنے کیلئے

مجھے ملامت نہ کر کیونکہ ملامت سے جذبات کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔

اگر تم سے ہو سکے تو میری بیماری ہی سے میرا علاج کر۔

تمہاری حسین آنکھیں ہمیں بڑی بے دردی سے قتل کر گئیں۔

اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

کاش انہیں معلوم ہوتا کہ وار کتنا اوچھا پڑا ہے۔

ہم ابھی تک تڑپ رہے ہیں۔ نہ زندہ ہیں نہ مردہ۔

محفل پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ دنانیر نے وقفے کے بعد آنکھیں کھولیں۔ شعر اور نغمے کی تاثیر ہڈیوں تک سرایت کر چکی تھی۔ دنانیر نے تو صرف دو جاموں کا ذکر کیا تھا؛ ایک جام لذت کے لئے اور دوسرا جام پہلے جام کی تلخی مٹانے کے لئے۔ لیکن محفل میں کئی جام ہو چکے تھے اور شراب سننے والوں کے جذبات میں حل ہو کر شنگرفی رنگوں کی طرح ان کے چہروں، رخساروں پر سمٹ آئی تھی۔ دنانیر کو یوں لگا جیسے وہ اکیلی گا رہی ہو اس کے سامنے بے جان بتوں کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے؟ اس لئے ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھیں

بند کریں اور گانا جاری رہا :۔

اگر میرے حبیب نے کسی چغلخور کی وجہ سے آنکھیں پھیر لی ہیں تو مجھے کیا؟

وہ میری آنکھوں کو تو رونے سے نہیں روک سکتے۔

نہ ہی میرے دل سے اپنی محبت چھین سکتے ہیں۔

اے فراق کے بیری کوے ۔۔۔۔۔ تجھ پہ افسوس ۔۔۔۔۔ صد افسوس!

مجھے بتا تو ان کے بارے میں کیا کچھ جانتا ہے؟

اور اگر تو نہ بتائے تو خدا کرے تیرے بازو ٹوٹ جائیں۔

ہزار احتیاط کے باوجود دنانیر کی محبت کے جذبات پگھل کر اس کی آواز میں شامل ہو گئے اور اب اس آواز کو سہارا دینے کے لئے بربط کی ہرگز کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے محفل کی نظریں بچا کر محفل پر نگاہ ڈالی۔ ہر شخص کیف و مستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ خود دنانیر کی انگلیاں ساکن تھیں لیکن اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے :۔

اے سونے والے ساتھیو ۔۔۔۔۔ جاگو!

میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں :۔ موت کے سوا محبت کا کوئی علاج نہیں؟

اگرچہ دنانیر کی آنکھیں بند تھیں لیکن اسے یوں لگا جیسے ہارون نے اچانک محسوس جھرجھری سی لی۔ وہ سمجھی شاید امیر المومنین دوبارہ اسی شعر کی فرمائش کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر شعر دہرانے لگی :۔

اے سونے والے ساتھیو ۔۔۔۔۔ جاگو!

میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں :۔ موت کے سوا محبت کا کوئی علاج نہیں؟

اور ہارون نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں۔ دنانیر مجھے بھر کے لئے چپ ہو

گئی۔ بربط بہت دیر سے خاموش تھا محفل پر ایسا سکوت طاری تھا کہ مومی شمع کے آنسوؤں کی سرسراہٹ بخوبی سنائی دے رہی تھی۔ ہارون ایسی کیفیت میں دنانیر کو ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے بولا:۔

مجھے ملامت نہ کر، کیونکہ ملامت سے جذبات کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔

اگر تم سے ہو سکے تو میری بیماری ہی سے میرا علاج کر۔

اور امیر المومنین کی شہ پا کر دنانیر بالکل اجنبی توقعات کے ساتھ یہی شعر بار بار گانے لگی۔ اب اس کی آواز بھرا چکی تھی اور مسلسل سسکیوں نے اسے بوجھل کر دیا تھا۔

ہارون کی عادت تھی کہ دنانیر کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی انعام دے کر خاموشی کا اشارہ کرتا تھا۔ لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب وہ شہزادہ اور ولی عہد تھا۔ وہ سوچنے لگا:۔ آج مات تو اسے کوئی قیمتی تحفہ دیا جائے۔

چنانچہ اس نے اپنے گلے سے بیش قیمت ہار اتارا اور خاموشی کے ساتھ پیش کر دیا۔ دنانیر نے انعام لیا یہ محفل کی برخواستگی کا اشارہ تھا۔ وہ ہار اپنے گلے میں ڈالتی اٹھی اور زنان خانے میں آگئی۔ یہ آلِ عباس کی خلافت کا وہ دور ہے۔ جب کہ موسیقی فنون لطیفہ میں سرفہرست آتی تھی۔ خود زبیدہ کا مذاق بھی بہت ہی اچھا تھا۔ علیہ تو شاعرہ بھی تھی اور مغنیہ بھی۔ اور عباسہ ——— ؟ عباسہ نے تو موسیقی پر ایسی کتاب لکھی تھی جو اس وقت نصاب کی حیثیت سے موسیقی کے ہر مدرسے میں پڑھائی جاتی تھی۔

اندر قدم رکھتے ہی دنانیر کو معلوم ہو گیا کہ مہمان خواتین بھی دہلیز میں کھڑی اس کا گانا سن رہی تھیں۔ زبیدہ نے دنانیر کو انعام دینے کے لئے اپنا ہار اتار کر ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ لیکن جب اس نے دنانیر کے گلے میں وہ ہار دیکھا جسے آج امیر المومنین نے بڑے شوق

سے پہنا تھا تو ایک دم رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ پھر اس نے دنانیر کے صبیح رخساروں پہ ان خاموش آنسوؤں کے داغ بھی دیکھ لئے تھے جو بڑی بے اختیاری کے عالم میں اس کی پلکوں پہ تھرکتے —— رخساروں میں جذب ہو چکے تھے۔

وہ بولی: "دنانیر —— تم گاتی رہی ہو یا روتی رہی ہو؟"

"دونوں لازم وملزوم چیزیں ہیں بھابی!" عبابہ نے دنانیر کی وکالت کی۔

دنانیر جھینپتی، شرماتی آگے بڑھ گئی۔ زبیدہ کی طبیعت اکھڑ چکی تھی۔ اب شہنشاہ بیگم کا اس گھر میں بیٹھنا بہت ہی مشکل تھا جس کے دروازے پہ جلی حروف میں یہ شعر کندہ تھا:۔

اے گھر تیرے اندر غم داخل نہ ہونے پائے۔

اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے۔

جب مہمان کو اور کہیں گھر نہیں ملتا

تو تو اس کے لئے نہایت اچھا گھر ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شہنشاہ بیگم پہ یہ شعر بالکل الٹا اثر ڈال رہا تھا۔ وہ صاحبِ خانہ نہیں بلکہ مہمان کی حیثیت سے اپنے دل کا جائزہ لینے لگی۔ اس گھر نے زندگی میں پہلی بار اسے غم سے آشنا کیا —— ایسے غم سے جو اس کے لئے بالکل اجنبی —— ناقابلِ تشریح تھا۔

علیہ اس کی بہترین مزاج دان تھی۔ وہ تاڑ گئی کہ زبیدہ فرار کے لئے پہ تول رہی ہے۔ وہ بولی:۔

"اب میں تو میزبانوں سے رخصت لینے کی درخواست کروں گی بھابی!"

عتابہ نے زبیدہ کو دیکھا اور بولی:۔

"اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں بانو۔ آپ نے ہماری دعوت قبول کر کے

جو احسان کیا اس کا شکریہ ادا کرنا میرے بس میں نہیں۔"

"اب ہم اکثر آتے جاتے رہیں گے عتابہ۔" خیزران بولی: "اس وقت بس ہمیں جانے ہی دو۔ مراجل اکیلی ہوگی۔ نہ جانے ننھا مامون کس حال میں ہوگا۔"

اور اس کے ساتھ ہی شاہی خواتین بجرے میں سوار ہو کر باب الذہب کی طرف روانہ ہو گئیں۔

نے میں کامیاب

چوتھا باب

دو دھارے

ننھے مامون کی حالت اتنی اچھی تھی کہ خیزران کو لمحے بھر کے لئے بھی اپنے اس بیٹے کی موت کا خیال تک نہ آیا جسے وہ خود کنیزوں کے ہاتھوں بڑی بے دردی سے قتل کرا چکی تھی۔ ہارون کی تخت نشینی اور ولی عہد کی پیدائش نے حریم خلافت کو عجیب و غریب مسرتوں سے آشنا کیا تھا۔ ایسی مسرتیں —— جن کے بے پناہ سیلاب میں وہ اس بہو کی صحت سے بھی غافل ہو گئی جس نے مامون کے پیکر میں آلِ عباس کو ایسا خلیفہ دیا تھا جس کے ذکر کے بغیر اسلامی تاریخ ادھوری رہ جاتی ہے۔

مامون کی پیدائش کے بعد مراجل ابھی تک بستر پہ دراز تھی لیکن حریم خلافت میں اس کے فرزند کی پیدائش پہ شاہانہ جشن منایا جا رہا تھا۔ نہ صرف بغداد بلکہ پوری اسلامی سلطنت کے امرا اور افسروں کی بیگمات اپنے اپنے ملک کے نایاب تحفے لے کر جشن میں شریک ہوئی تھیں۔ آلِ برمک بھی ان خوشیوں میں شامل تھی۔ صرف شامل ہی نہیں بلکہ دوسرے تمام لوگوں سے پیش پیش۔ کیونکہ پوری سلطنت میں خلیفہ اور آلِ عباس کے بعد اور کوئی شخص یحییٰ کا لگانہ کھا سکتا تھا۔ باپ عباسی سلطنت کا وزیر اعظم تھا اور بیٹا امیرالمومنین

جو احسان کیا اس بڑی۔
بر المومنین کی خواہش اور توقع کے بالکل خلاف ولی عہد کی ولادت کا جشن ایسی اہمیت اختیار کر گیا کہ خود ہارون کو بھی اس میں شرکت کرنی پڑی اور آلِ برامکہ کی نذروں نیازوں اور تحفوں سے اس شاہانہ تقریب کا آغاز ہوا۔ یوں تو برمکیوں کی فیاضی اور دریا دلی کے افسانے ماوراءالنہر، مراکش، نیل اور سندھ کے کناروں تک مشہور تھے۔ لیکن چونکہ یہ رسم حریم خلافت میں اپنی قسم کی بالکل نرالی رسم تھی اس لئے یحییٰ کے خاندان نے اپنی دانست کے مطابق ایسے تحفے پیش کئے جو بالکل نایاب تھے۔ خصوصیت کے ساتھ جعفر نے الماس کی ایسی لڑیاں پیش کیں جن سے شاہی خزانہ آج تک آشنا نہ تھا۔

ہارون اتنا خوش ہوا کہ اسی وقت جعفر کو ولی عہد کا اتالیق مقرر کیا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرۂ خاص میں آگیا۔ الف لیلے کے افسانوی بادشاہ —— ہارون الرشید کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اپنا منہ سر چادر میں لپیٹ کر بستر پر سو گیا اور جعفر سے کہا:۔

"تم حریم خلافت کی کنیزوں سے پوچھ کے تو دیکھو —— کہ تمہارے ساتھ کون سو رہا ہے؟"

۳۰۳ ۳۶ ال

چنانچہ جعفر نے دروازے سے گزرتی ہوئی ہر ایک کنیز سے پوچھنا شروع کر دیا:۔

"ذرا دیکھو تو —— میرے ساتھ کون سو رہا ہے؟"

کنیزیں چادر میں لپٹے ہوئے شخص کو گھور گھور کر دیکھتیں لیکن کوئی ایک بھی اس کے قریب سوئے ہوئے شخص کو پہچان نہ سکا۔ ہارون اور جعفر کے درمیانی تعلقات خواہ کیسے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں لیکن یہ کون سوچ سکتا تھا کہ خادم و مخدوم کی دوستی اتنے عروج پر پہنچ جائے گی کہ ——

ہارون کافی دیر تک مزے لیتا رہا اور جب کوئی شخص اسے پہچاننے میں کامیاب نہ ہوا تو کھلکھلا کر چادر منہ سے پرے ہٹائی اور بولا:" یہ ہم ہیں "

نوجوان بادشاہ اور نوجوان پرائیویٹ سیکرٹری کی اس بے مثال دوستی نے نہ صرف حریم خلافت بلکہ خود جعفر کو بھی حیران کر دیا۔ لیکن دوستی کا نشہ عروج پہ تھا اور ایسے عالم میں سوچنے کی فرصت کہاں ؟ معطر دھندلکے میں ہچکولے کھاتی ہوئی محرابوں کے عریض ——— ریشمی پردوں کے پیچھے کوئی مشاق ہاتھ کمال ہنرمندی کے ساتھ ایک ایک کر کے بربط کے تار چھیڑ رہا تھا۔ لمحے بھر کے لئے ہارون پوری توجہ کے ساتھ تھرتھراتے ہوئے تاروں کی آواز پہچانتا رہا اور کچھ سوچ کر ایک دم بستر سے نیچے اتر آیا۔ جعفر کا ہاتھ پکڑا اور محرابوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹاتا باب الذہب کی ان معطر اور نیم تاریک وسعتوں کی طرف بڑھنے لگا۔ جن کا ذرّہ ذرّہ تاروں کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر دھڑک رہا تھا۔

باب الذہب کی ان خواب آلود خلوتوں کی سیر جعفر کی زندگی کا بالکل پہلا تجربہ تھا۔ ہر قدم کے بعد ساز کی آواز قریب ہوتی گئی۔ اب صرف بربط کی آواز ہی نہیں بلکہ تاروں کا ارتعاش ——— تاروں کے اندر دفن سسکیاں بھی سنائی دینے لگی تھیں اور ابھی وہ ایک جھری کے ساتھ لگ کر رکے ہی تھے کہ ساز کے ساتھ آواز بھی شامل ہو گئی۔ یہ آواز ساز کے تاروں کا دل بڑھا رہی تھی اور تاروں کی فریادیں آواز کو دلاسے دے رہی تھیں۔

اور پھر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے طلسمی آواز کا دامن یہ دیکھی ——— ان دیکھے بھولے خیال کے پھولوں سے بھر گیا جن کی رنگینی اور مہک منتشکل ہونے لگی۔ گانے والی یہ غزل

گا رہی تھی۔

اے لوگو! بولتے کیوں نہیں ؟ تم نے کوئی ایسا مقتول بھی دیکھا ہے
جو اپنے قاتل کی محبت میں زار و قطار رویا ہو؟
میں تو اس دوست کی شکایت کر رہی ہوں۔
جو میرے دل میں محبت جگا کر خود چین سے سو گیا۔

اگر تم مجھ سے ناراض ہوتے تو کم از کم میرے سکون کے لئے یہ دروازہ تو کھلا رہتا
کہ تمہیں منانے کی آرزو لے کر تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے پاس تو آسکتی۔
لیکن تم نے اپنی آنکھوں سے ملال ظاہر کر کے میرے تمام حیلے بہانے ختم کر دئے۔
کیونکہ میں جانتی ہوں۔ ناراضی محبت کی اور ملال کدورت کا غماز ہے۔
میرے لئے صاف گو فیاض کی جگہ حیلہ جو بخیل زیادہ مفید رہتا۔
اس کے جھوٹے وعدوں کا فریب میرے بیقرار دل کا مداوا ثابت ہوتا۔
تیری محبت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی جاتی ہے
اور تیرا ستم کرم محسوس ہونے لگا ہے۔
تیرا کرم ہے۔ ستم ڈھاتا چلا جا۔

اے لوگو! بولتے کیوں نہیں ؟ تم نے کوئی ایسا مقتول بھی دیکھا ہے
جو اپنے قاتل کی محبت میں زار و قطار رویا ہو؟
میں اس لئے تمہاری نظروں سے گر گئی ناکہ اپنا راز فاش کر بیٹھی ؟
تمہاری قسم یہی تو لغزشیں ہیں جن کے سہارے محب محبوب کو پا لیتے ہیں۔
میں وہ شمع ہوں۔ جو خود جلتی ہے اور

دوسروں کی منزلوں کے دُور افتادہ کونے منور کر دیتی ہے۔

خدا کی قسم کہنے والے غلط کہتے ہیں کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے

اگر یہ سچ ہوتا تو کوئی محب اپنے محبوب کی شکایت نہ کرتا۔

اے لوگو! بولتے کیوں نہیں ؟ تم نے کوئی ایسا مقتول بھی دیکھا ہے

جو اپنے قاتل کی محبت میں زار و قطار رو یا ہو ؟

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہارون اور جعفر سخنور اور سخن فہم ہی نہیں بلکہ موسیقی پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے اور اچھی آواز تو ان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آواز کے لیے قدرت نے انہیں ایک بالکل علیحدہ —— چھٹی حس عطا کر دی تھی۔ ایسی حس جو بے حد ذی حس تھی۔

اچھوتا خیال، اعلےٰ جذبات، ارفع محسوسات، تاروں سے انگلیوں کے دیرینہ مراسم موسیقی کے ساتھ گانے والی کی روح کا گہرا رشتہ اور موسیقی کے سمندر پر مکمل عبور —— ہارون اور جعفر دیر تک کھڑے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ داد تک دینے کی ہمت سے محروم۔ پتھر کے بت کی طرح بے جان۔

اور پھر انہیں اچانک باب الذہب پر مسلط ہونے والی اس خاموشی کا احساس ہوا جس میں خاموش تاروں کا بے آواز ارتعاش ابھی تک عنبر، عود اور گلاب کی مہک سے بوجھل ہوا کے دامن میں آسودہ ہو رہا تھا۔

ہارون اور جعفر چپ چاپ اس جگہ واپس آ گئے جہاں سے وہ چلے تھے۔ لیکن ابھی تک آواز کا طلسم قائم تھا۔ ہارون بولا :-

"کیسا نغمہ تھا ؟"

"ملکوتی —— میرا خیال ہے حوریں اسی نغمے کے ساتھ بہشتیوں کو خوش آمدید کہیں گی۔"

"جعفر —— خبردار۔ آئندہ اس کا کبھی ذکر نہ ہو۔"

○

ان طلسمی ہنگاموں کے باوجود ہارون کو بہت جلد یوں محسوس ہوا جیسے تخت خلافت ناقابل برداشت بوجھ بن کر کندھوں پہ آگرا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بادشاہ بننے کے لئے پیدا نہیں ہوا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے فطرت اسے وقت سے صدیوں پہلے پیدا کر کے حیرت انگیز تجربہ کر رہی تھی۔

اس نے بچپن ہی میں اتنا علم حاصل کر لیا تھا استادوں کی محفل سے ہٹ کر اسے یوں معلوم ہوتا تھا کہ نہ تو وہ کسی کی زبان سمجھتا ہے اور نہ کوئی اس کی زبان سمجھنے کے قابل ہے۔ وہ بھری پڑی دنیا میں بالکل تنہا —— اکیلا تھا۔ تنہائی کے اس خوف ناک اندھیرے میں ہادی نے اپنے بیٹے کے نام حکومت کا حق محفوظ کرنے کی خاطر اسے راستے سے ہٹانے کی کوششیں شروع کر دیں اور ہارون کی خارجی زندگی بالکل معطل ہو گئی۔

اب اس کے سامنے داخلی زندگی کا صرف ایک دریچہ کھلا تھا۔ محل کی خلوتوں میں اپنی بیوی زبیدہ —— مکھن کی ڈلی —— کی قربت اور اپنی سوتیلی بہن عباسہ کا خلوص۔ بیوی اور بہن کی محبت کے ہمہ وقت لیکن مختلف دھارے کچھ اس ترکیب سے ملے تھے جن کے امتزاج نے ہارون کی زندگی پر امن، مسرت اور اعتماد کا گنجان سایہ ڈال دیا۔

فراغت کے یہی لمحات تھے جن کے دوران میں ہارون کو پہلی بار معلوم ہوا کہ زبیدہ اور عباسہ بھی اس سے کسی طرح کم پڑھی لکھی خواتین نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ زبیدہ کے مقابلے میں عباسہ نے قدم قدم پر اپنے آپ کو بیک وقت کئی خوبیوں کا حامل ثابت کیا۔

وہ صرف سخنور اور سخن فہم ہی نہیں بلکہ موسیقی میں ہارون سے بھی کہیں زیادہ گہری بصیرت رکھتی تھی۔ وہ صرف بہترین بربط نواز ہی نہیں بلکہ ایسی فسوں کار مغنیہ ثابت ہوئی جس کی آواز ناقابلِ مدافعت تھی۔ جس طرح بھینی بھینی خوشبو ہوا کے دوش پر سوار مساموں کے دریچوں سے گذر کر شعور میں رچ بس جاتی ہے بالکل اسی طرح عباسہ کی آواز روح میں نفوذ کر جاتی تھی۔

عباسہ نے ہارون کو اس وقت جینے کا فن سکھایا تھا جب کہ موت اسے دیوانہ وار ڈھونڈ رہی تھی۔

لیکن تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جعفر بڑی تیزی کے ساتھ ہارون کے دل میں اس مقام پر پہنچ گیا تھا جو صرف اس کی مخلص اور حوصلہ مند بہن عباسہ کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ جعفر بھی اپنے علم کی بنا پر ہارون کی نظروں میں جھانک کر اس کے خیالات کی جھلک دیکھ لیا کرتا تھا اور چونکہ دونوں ہم عمر تھے اس لئے بہت جلد ایک دوسرے کے ہمراز بن گئے۔ جعفر صرف مرد ہونے کی بدولت عباسہ پر فوقیت لے گیا۔

لیکن یہ بالکل عارضی کیفیت تھی یا شاید ہارون کے اپنے ذہن کی خلش، الجھن —— ابہامی الجھن۔ وہ عباسہ کو اپنی نئی محفل میں شامل کر کے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ذہانت، بذلہ سنجی، سخن فہمی اور سخنوری صرف میری اور تمہاری یا کسی شاہی خاندان کی میراث نہیں۔ آؤ۔ تمہیں اپنے نوجوان حاجب جعفر برمکی سے ملاؤں۔ کمال تو یہ ہے کہ وہ عرب نہیں بلکہ

عجمی ہے۔ ایسا عجمی جس پہ عربی فصاحت و بلاغت ناز کرتی ہے۔ اگر وہ عرب ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔ کاش ـــــ وہ عرب ہوتا۔ شہزادہ ہوتا۔ ہارون الرشید ہوتا۔

یا شاید وہ زرتشت کے موروثی گدی نشین خاندان ـــــ البرامکہ کے ذہین ترین نوجوان جعفر پہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تم اگرچہ کیقباد اور نوشیرواں کے ایران کی ہزارہا سالہ ثقافت کے چشموں سے سیراب ہو چکے ہو لیکن آؤ تمہیں دشت عرب کے ایک ایسے غنچے سے متعارف کراؤں جس کی ـــــ ہر چیز کے سینے تک سرایت کر جانے والی مہک کے سامنے آتشکدۂ نوبہار کے شعلے اپنے خاکستر میں منہ چھپانے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔

وہ جعفر کو عباسہ سے روشناس کرانا چاہتا تھا یا عباسہ کو جعفر سے؟ وہ آخر کیا کرنا چاہ رہا تھا؟ اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب عباسہ نے اس کی تخت نشینی کا جشن منانے کی اطلاع دی تو ہارون جھوم اٹھا:۔

"اسی قسم کا جشن عباسہ ـــــ؟"

"بالکل اسی قسم کا جشن بھیّا"

"لیکن یہ خیال رہے عباسہ، اب ہم امیر المومنین ہیں!"

"میں تو اپنے بھیّا کو ولی عہدی کے زمانے ہی سے امیر المومنین تصور کرتی چلی آ رہی ہوں۔"

"کاش ـــــ ہم صرف ولی عہد ہی رہتے عباسہ!"

"اس خواہش کا جواز ـــــ بھائی جان؟"

"زندگی کی کمزور سی ندی کئی دھاروں میں بٹ گئی۔ کہیں اس کا کمزور ـــــ بھیگ

ہوا خطا تک نظر نہیں آتا اور کہیں طوفان کی شدت۔ اور بعض اوقات کسی جگہ مختلف دھارے ایک دوسرے سے ملتے وقت ساری زندگی گدلا کر رہ جاتی ہے۔"

"یہ مختلف دھارے تو شاہانہ زندگی کی آفاق گیر توسیع کی نشانیاں ہیں بھیا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں ان وسعتوں میں اپنے آپ سے گم نہ ہو جاؤں۔"

"نہیں بھیا نہیں۔" عباسہ مسکرائی۔ "طوفانی دھارے اپنی جگہ اور کمزور، بھیگے ہوئے دکھائی نہ دینے والے خطوط اپنی جگہ ——— کچھ بھی ہو۔ آج رات میرے جشن میں آپ کی شرکت بہت ضروری ہے۔"

"میں اکیلا تمہارے جشن میں شرکت نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم میرے نئے حاجب جعفر برمکی کو بھی دعوت دو تو ———"

"میں نے آپ کی شاہانہ فرمائشوں کے سامنے کب سرِ تسلیم خم نہیں کیا بھیا۔"

"میں بھی تمہارے خلوص کے گن گاتا کبھی نہیں تھکتا۔ میں جعفر کے ساتھ تمہارے جشن میں شرکت کروں گا۔"

اور دونوں مقررہ وقت پہ جشن میں شامل ہو گئے۔

ہارون شروع ہی سے عباسہ کی محفلوں میں ایک ناقابل تشریح ابہامی کیفیت محسوس کرتا چلا آیا تھا۔ بنی عباس کی یہ شہزادی صرف ساز و آواز، شعر اور نغمے ہی میں نہیں روشنی اور گہرے رنگوں ——— بلکہ بذاتِ خود روشنی اور تاریکی کے امتزاج، انہیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کے فن میں بھی ساحرانہ دستگاہ رکھتی تھی۔

پری پیکر، حور شکل کنیزوں کے پورے طائفے نے شام رنگ بربطوں پہ ایک ہی

دھن چھیڑ کر مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس طائفے کے آس پاس سنہری شمعدانوں میں کافوری شمعیں اس طرح آراستہ کی گئی تھیں کہ ایک ایک بربط نواز کے چہرے پہ حیرت انگیز سائے ڈوبتے اور ابھرتے دکھائی دیتے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ جشن زمین پہ نہیں بلکہ کسی اجنبی سیارے میں منایا جا رہا ہے۔ کنیزوں کا لباس، رات کی تاریکیاں اور شمعوں کی جھلملاہٹیں ——— ہر ایک چیز بالکل پر دیسی لگتی تھی۔

محفل میں اپنے لئے مخصوص جگہ پر بیٹھتے ہی ہارون کے کان کھڑے ہو گئے۔ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ کیا ہو رہا تھا؟ کہاں ہو رہا تھا؟ ہارون جعفر کو گھورنے لگا اور جعفر کو بھی یوں لگا جیسے سچ مچ کچھ ہو رہا ہے لیکن کیا؟ عباسہ نے اچانک ایک کنیز کی طرف انگلی اٹھائی اور بربط کے تاروں سے ہاتھ ہٹا لینے کا اشارہ کیا۔

ہارون نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور جعفر سے بولا :"کیوں اُستاد۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ تم بھی رہ گئے نا؟"

جعفر کہنا چاہتا تھا کہ ہم ——— کم از کم میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ نے مجھے زمین سے اٹھا کر یکایک ایسی محفل میں پہنچا دیا جس کی کیفیت سے ہم آہنگ ہونے کے لئے وقت چاہیئے۔ شہزادی موسیقی کے میدان میں ہم سے بہت آگے ہیں اور کیوں نہ ہوں۔ انہوں نے اس فن پر ایسی کتاب تصنیف کی ہے جس کے بغیر موسیقی کا علم مکمل نہیں ہوتا لیکن نہ جانے اس کا خیال الفاظ میں کیوں نہ ڈھل سکا؟

عباسہ نے کنیزوں کو گانے کا اشارہ کیا اور کنیزیں باری باری گانے لگیں :۔

مان لو کہ میں محفل میں تم سے چشم پوشی کر جاؤں۔

اور لوگوں کو یقین دلا دوں کہ میں تمہیں نہیں جانتی

لیکن میرے ان خاموش آنسوؤں کا کیا علاج ہے جو
میری پلکوں پر تھرک تھرک کر میرا راز فاش کر دیتے ہیں۔
دل تمہاری ضرر رساں محبت کی دعوت دیتا ہے اور
میرے غموں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے
میں اپنے اس دشمن —— دل سے کس طرح بچ سکتی ہوں
جو ہر وقت میری پسلیوں کے درمیان دھک کرتا رہتا ہے۔

دھن بے حد اثر انگیز تھی اور لطیف احساس کی طرح روح کے دور دراز گوشوں میں اپنی جگہ ڈھونڈھ رہی تھی لیکن شعر بہت ہی کم تھے اور اشعار کی یہ کمی بہت جلد کھٹکنے لگی۔ عباسہ بھی تاڑ گئی کہ موزوں اشعار کی کمی سے محفل کا رنگ بہت جلد پھیکا پڑ گیا اس نے فوراً معذرت کی :۔

"بڑی ٹیڑھی دھن تھی بھائی جان۔ اپنے طور پر بہت سی کوشش کی لیکن اس بحر کے شعر ذہن سے بالکل اتر گئے۔"

"لیکن یہ معذرت اس وقت تو کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی عباسہ۔" اور پھر اس نے جعفر سے سرگوشی کی :"تم اسی بحر میں کچھ شعر یاد کرو۔"

جعفر بولا: "مجھے ابو العتاہیہ کے پاس جانے کی اجازت دیجئے امیر المومنین۔ وہ اس بحر میں کئی شعر موزوں کر دے گا۔"

ہارون مسکرایا: "میں ابو العتاہیہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں جعفر۔ وہ ہماری درخواست رد کر دے گا۔"

"یہ امیر المومنین کا ذاتی خیال ہے مجھے یقین ہے کہ وہ قید خانے کی تنہائی سے اکتا

چکا ہوگا اور راضی نامے کے اس سنہری موقعے کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔"

"تمہاری مرضی!"

لیکن ابوالعتاہیہ سے فرمائش کرنے کے بعد جعفر کو ہارون کی اصابت رائے کا قائل ہونا پڑا۔ شاعر نے بڑے خلوص کے ساتھ ہارون کی درخواست رد کر دی۔ وہ بولا:۔

"قید خانے میں حاصل ہونے والے سکون اور یکسوئی کی لذت سے فیض یاب ہونے کے بعد جب میں دربار میں گزری ہوئی زندگی پہ غور کرتا ہوں تو یوں نظر آتا ہے جیسے میرا انتہائی قیمتی وقت گھاس کاٹنے میں بسر ہوا۔"

اور جب ناکام لوٹنے کے بعد جعفر نے ہارون کو ابوالعتاہیہ کے جواب سے آگاہ کیا۔ تو وہ شاعر کی خودی پہ رشک کرنے لگا۔ ہارون کو زندگی میں پہلی بار معلوم ہوا کہ وہ پورے عالم اسلام پہ اور ابوالعتاہیہ اس کے دل پہ فرمانروائی کر رہا ہے۔ اسے تخت و تاج کی دھجیاں ہوا میں اڑتی نظر آئیں اور وہ دبی آہ کھینچتا محفل سے اٹھ کر اپنے بستر پہ دراز ہو گیا۔

پانچواں باب

بَید کی شاخ

ہارون جانتا تھا کہ اسے کٹھ پتلی کی طرح تختِ خلافت پہ باندھ کر بٹھا دیا گیا ہے اور اس کا کام صرف اتنا ہے کہ ملکہ خیزران اپنے دربار میں سلطنت کے متعلق جو فیصلے صادر کرتی ہے ان پہ مہر تصدیق ثبت کرتا رہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اصل اقتدار خیزران ہی کے ہاتھ میں تھا۔

ہارون کا دربار تو محض شاعروں، مغنیوں، رامشگروں، بذلہ سنجوں اور تخیل پرست لوگوں کا اکھاڑہ تھا۔ یہ لوگ یہاں جمع ہوتے، چٹکلے، علم و ادب، شعر و شاعری، حکمت و فلسفے اور راگ رنگ کی محفلیں جمتیں۔ اہلِ فن بیش قیمت تحفوں کی صورت میں داد وصول کرتے اور پھر اگلے روز بعینہٖ اسی قسم کی محفل جمانے کی خاطر رخصت ہو جاتے۔

اور جہاں تک سلطنتی امور، حکومت اور سیاست کا تعلق ہے اصل دربار حقیقت میں خیزران کے محل میں لگتا۔ جہاں سلطنت کی آمدنی اور خرچ کے گوشواروں پہ بحث ہوتی۔ عہدے تقسیم ہوتے، ترقی اور تنزل کے فرمان جاری ہوتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان معاملات میں یحییٰ برمکی کی تجاویز کو خاصی اہمیت دی جاتی لیکن جن امور میں یحییٰ کے مشورے

ملکہ خیزران کے مفاد سے متصادم ہوتے وہاں یحییٰ کی تجاویز بیک جنبش قلم رد کر دی جاتیں اور ملکہ کا فیصلہ قطعی ثابت ہوتا۔

وہ فطرتاً اقتدار پرست واقع ہوئی تھی۔ اس نے ہادی کی خلافت کے زمانے میں بھی دربار لگانے کی کوشش کی تھی لیکن ہادی برداشت نہ کر سکا اور یہ اقتدار پرستی ہی کا ردِ عمل تھا کہ ماں نے سگے بیٹے کو بڑی بے دردی کے ساتھ اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ ہارون حسن پرست، آرام طلب، راگ رنگ کا دلدادہ ہے۔ اگر اسے یہ غذا ملتی رہی تو وہ کشور کشائی کے سنگلاخ ویرانے کی طرف پلٹ کر دیکھنا بھی پسند نہ کرے گا۔ اور خیزران کا یہ نظریہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ ہارون، زبیدہ، جعفر اور دنانیر، شعر و شاعری اور رقص و سرود۔ ہارون کی خلافت نے خیزران کے اقتدار کی شاہراہ ہموار کر دی تھی۔

اس نے اپنے فریفتہ خاوند ——— مہدی ایسے بیدار مغز خلیفہ کی زندگی ہی میں اقتدار پرستی کی بے تاب خواہش ظاہر کر دی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ مہدی کی پوری زندگی پر چھا چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہادی نے صوبہ مصر کا پورا اخراج خیزران کی خدمت میں بطور جیب خرچ پیش کر دیا اور جب وہ ذرا دیر بعد اپنی محبوب بیوی کے حریم ناز سے جانے لگا تو وہ تنک کر بولی:۔

"تم تو میری پرواہ تک نہیں کرتے۔ ذرا گریبان میں جھانک کر تو دیکھو مہدی۔ تم نے آج تک میرے لئے کیا ہی کیا ہے؟"

اور یہ اقتدار پرستی اس کی ابتدائی، تلخ و تاریک زندگی کا ناگزیر ردِ عمل تھا جوانی کی سرحد میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ اس بات کا تصوّر تک نہ کر سکتی تھی کہ تقدیر اسے

منصور ایسے جابر و مقتدر عباسی خلیفہ کی بہو بنانے کے لئے تیار کر رہی ہے۔ یہ سوچنا اس کے خیال کی پرواز سے بھی ماورا تھا کہ وہ ہارون کی ماں اور مامون کی دادی بنے گی۔ کیونکہ اس نے تو حجاز کے کسی دور افتادہ ـــــ گمنام گاؤں کے ایسے فاقہ مست، مفلوک الحال کنبے میں آنکھ کھولی تھی جسے ساری عمر پیٹ بھر کر کھانا اور تن ڈھانکنے کو چیتھڑے بھی میسر نہ آئے۔

وہ مشکل سے دس برس کی تھی کہ ماں باپ نے فاقوں سے عاجز آکر اسے بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب شخصی بادشاہوں، روئے زمین کی تسخیر، دولت کی فراوانی اور امرا کی حسن پرستی نے عورت کو کھلونا بنا دیا تھا۔ عربوں کے جمالیاتی نظریے کے عین مطابق خیزران بید کی شاخ کی طرح کشیدہ قامت، تنی ہوئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ماں باپ نے اس کا جو نام رکھا تھا وہ کسی کو یاد نہ رہا۔ اور وہ اپنے تنے ہوئے قد کی رعایت سے خیزران ـــــ بید کی شاخ ـــــ پکاری جانے لگی۔ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح گول تھا۔ ریشمی سیاہ بال گھٹنوں سے نیچے تک پہنچ جاتے تھے اور جب وہ انہیں سنوارتی تو بحری جہازوں کے رسوں کی طرح بٹ جاتے۔

اس کی آنکھیں بڑی بڑی، سرمئی اور سرخ تھیں اور ان کے اوپر گھنی، لمبی پلکوں کے سائے رخساروں تک ڈھل جاتے تھے۔ اس کا سینہ چٹیل میدان میں عمودی چٹانوں کی طرح اچانک ابھرتا دکھائی دیتا تھا۔ انگلیاں بہت لمبی اور عقاب کے پنجوں کی طرح ہمیشہ مڑی رہتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دلوں میں ـــــ روح میں پیوست ہو جانے کے ہر موقعے کا بیتابی سے انتظار کر رہی ہوں اور اس کے حنا زدہ ناخن۔

البتہ اس کے کولہے ضرورت سے زیادہ ہموار تھے۔ لیکن اس کی چال ـــــ؟

یہ کنیز منصور کو بہت پسند آئی۔ وہ حج کے ارادے سے حجاز میں تھا اور اپنے ولی عہد —— مہدی کے لئے ایسی بیوی تلاش کرنے کی فکر میں تھا جو بچے پیدا کر سکے۔ وہ جانتا تھا کہ حجاز بردہ فروشی کی ایسی عالمگیر منڈی بن چکا ہے جہاں روئے زمین کے نایاب پھول —— گلدستوں کی صورت میں بکنے آتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب بردہ فروشی انتہائی منفعت بخش کاروبار کا درجہ اختیار کر چکا تھا۔ خوبصورت عورتوں کے سوداگر خشکی اور تری کے راستے سندھ سے والگاہ اور ختن سے دارالبیضا —— کاسابلانکا —— تک ذرّے ذرّے کی خاک چھانتے تھے۔ جہاں کوئی چیز نظروں میں سمائی ہر قیمت پہ خرید لی اور اس کی تعلیم و تربیت پہ بعض اوقات ہزاروں دینار خرچ کر دیتے تھے کیونکہ لاکھوں دینار وصول کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب علوم کی تالیف کا کام عروج پہ پہنچ چکا تھا۔ ایام العرب صرف نحو، فقہ و حدیث، تاریخ، فلسفہ، طب، ہیئت، شعر اور ادب روزمرہ کی ناگزیر ضرورت بن چکے تھے۔ موسیقی اور رقص کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب تک کسی ذی عزت شخص کے گھر میں راگ رنگ کی محفل نہ جمتی اسے سرے سے مہذّب تصور ہی نہ کیا جا سکتا تھا۔ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور سخن فہمی نے ایسے متعدی روگ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ کہ جو شخص —— عورت یا مرد —— اس خوبی سے خالی نظر آتا۔ وحشی، ان گھڑ، کندۂ ناتراش سمجھا جاتا۔

خیزران بردہ فروشوں کے بازار میں بکاؤ مال کی حیثیت سے بنی سنوری بیٹھی تھی۔ اور منصور اس کا امتحان لے رہا تھا۔ خیزران اپنی معلومات، انداز گفتگو اور حسن و جمال کی مدد سے امیرالمومنین کے اعصاب پہ سوار ہو گئی۔ اس نے بردہ فروش سے قیمت دریافت

کی لیکن خیزران کی ہمہ گیر خوبیوں کے باوجود ابو دوانیق ——— خلیفہ منصور عباسی اپنے بخل کی وجہ سے کنجوسوں کا باپ کہلاتا تھا ——— کو یہ قیمت بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ تاہم اس نے سودا طے کر کے اپنے غلام کو حکم دیا:۔

"کنیز کو اسی وقت ولی عہد مہدی کے پاس لے جاؤ۔ اسے کہو، امیر المومنین کی طرف سے نایاب تحفہ۔ ولی عہد پیدا کرنے کے لئے بے حد موزوں۔"

"اور جب غلام خیزران کو لے کر جانے لگا تو امیر المومنین نے رکنے کا اشارہ کیا:۔ "اور ولی عہد سے کہنا کہ اپنی جیب سے قیمت ادا کرے۔"

یہ تھی خیزران ——— جو ہادی کی خلوت میں داخل ہوتے ہی ولی عہد کی پوری کائنات پر چھا گئی۔ منصور کی موت کے بعد جب ہادی کے سر پر دستارِ خلافت باندھی گئی تو خیزران صحیح معنوں میں شہنشاہ بیگم بن گئی۔ اب اسے اپنے مفلوک الحال ماں باپ اور بہن بھائیوں کی یاد ستانے لگی۔ اس نے مہدی کو اپنے گاؤں اور ماں باپ کا نام بتایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ حجاز کے گورنر کو تاکید کی جائے۔ میرے خاندان کے بچے کھچے افراد کا پتہ لگائے اور انہیں عزت و تکریم کے ساتھ بغداد بلایا جائے۔

خیزران کے ماں باپ مر چکے تھے لیکن دو بہنیں اور ایک بھائی بغداد آ گئے۔ اس کا بھائی ؔرتے کا گورنر بنا دیا گیا اور دونوں بہنیں سلسل اور مریدہ حریم خلافت میں داخل ہو گئیں۔ بڑی بہن سلسل مہدی کے بھائی کو اتنی بھائی ——— کہ اس نے شادی کی درخواست کی اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ یہی سلسل زبیدہ کی ماں بنی اور مریدہ کے متعلق بڑی عجیب روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک سال خیزران حج کی نیت سے حجاز روانہ ہوئی۔ مہدی اس کے ساتھ نہ جا سکا اور خیزران کی عدم موجودگی میں مریدہ کو ایک رات خوابگاہ

میں بلایا اور ــــ سالی آدھے گھروالی کے مصداق ــــ اسے اپنی آدھی زندگی میں شریک کر لیا۔

حرم کی کنیزوں نے مریدہ کو خوابگاہ خلافت میں زندہ داخل ہوتے تو دیکھا لیکن پھر اس کی لاش ہی باہر آئی۔ اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟ خیزران کو بھی صحیح علم نہ ہو سکا۔ اگرچہ وہ اپنی عدم موجودگی میں مہدی کی بے وفائی کے متعلق کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں معلوم کر چکی تھی لیکن چونکہ خود مریدہ ہی اس کی سوکنوں کی صف میں شامل ہونے کے لئے زندہ نہ تھی اس لئے لکیر کو پیٹنا بالکل ناواجب تھا۔

اور پھر اب اسے مہدی کی پرواہی کیا تھی۔ وہ ہادی کے پیکر میں عباسی سلطنت کا ولی عہد پیدا کر ہی چکی تھی۔ پہلے وہ صرف شہنشاہ بیگم تھی۔ اب ولی عہد کی ماں بھی بن چکی تھی۔ خاوند یا بیٹا ــــ کوئی نہ کوئی امیرالمومنین تو اس کے دامن سے وابستہ ہو ہی چکا تھا۔ ہادی کے بعد ہارون پیدا ہوا۔ اب باب الذہب میں خیزران کے اقتدار کی بنیادیں بہت گہری ہو گئیں۔

اگرچہ اس کی تابناک خارجی زندگی پر کسی قسم کے اندیشے کا داغ تک موجود نہ تھا لیکن وہ بڑی عجیب شے واقع ہوئی تھی۔ بیٹھے بٹھائے داخلی خدشات کو خیالی پیکر عطا کرنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ ہادی خوش شکل ــــ بلکہ گوارا صورت بھی نہ تھا۔ ہونہار ہارون کی پیدائش کے بعد نہ جانے خیزران کی کون سی رگ پھڑکی۔ ہارون جیسے جیسے بڑا ہوتا چلا گیا ہادی کے متعلق خیزران کی ممتا ــــ ماں کی شفقت کے جذبات سرد پڑتے چلے گئے۔ صاف ظاہر ہے کہ فطرت خلاء کو کبھی برداشت نہیں کرتی۔ خیزران کے دل میں ہادی کی محبت کے خالی گوشے کو کسی نہ کسی چیز سے پُر ہونا ہی چاہیئے تھا۔ شروع شروع

میں یہ گونا کدورت سے آباد ہونے لگا اور پھر ـــــ جب مہدی نے دستور کے مطابق اپنے بڑے بیٹے ہادی کو ولی عہد نامزد کر دیا تو یہ کدورت اچانک نفرت میں بدل گئی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی ماں باپ کے دونوں بیٹوں ـــــ ہادی اور ہارون میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ایک ہی باپ کی گود میں پروان چڑھے تھے۔ ایک ہی مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی لیکن دونوں کی صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ـــــ متضاد تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔

شاید اپنے تجسس کی تسکین کے لئے یہاں اس فطری قانون کی صداقت کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے کہ موافق قطب ایک دوسرے کو رد اور مخالف قطب ایک دوسرے کو کشش کرتے ہیں۔ ہادی اپنی ماں ہی کی طرح جاہ طلب، اقتدار پرست واقع ہوا تھا اور خیزران دیکھ رہی تھی کہ ولی عہد کے تخت خلافت پہ بیٹھتے ہی اس کے دربار میں خاک اڑنے لگے گی۔ وہ منہ پھٹ، بے ادب اور بالکل گنوار سا تھا۔ لیکن ہارون کو درباری زندگی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ شعر و شاعری، سیر و شکار، علمی بزم آرائی اور راگ رنگ کا دلدادہ تھا۔ خوش کلام شاعر، خوش شکل کنیزیں خوش آواز گانے والیاں اور شعلہ صفت رقاصائیں اس کی کمزوری بن کر رہ گئی تھیں اور ماں اپنے بیٹے کی اس کمزوری سے پوری طرح باخبر تھی۔

اگر ہادی کی جگہ ہارون ولی عہد نامزد ہو جائے تو خیزران کے دربار ہمیشہ آباد رہیں گے۔

اس نے مہدی پہ دباؤ ڈالنا شروع کیا: "ہادی کی جگہ ہارون کو ولی عہد نامزد کرو"۔

ہادی اپنی ماں کی بے تاب خواہشوں ہی سے نہیں بلکہ اس ناقابل مدافعت نسائی

اثر و رسوخ سے بھی آگاہ تھا جسے وہ مہدی پہ بے دریغ استعمال کیا کرتی تھی۔ اس کا باپ "بیگمی حملوں" کی شدت سے گھبرا کر کیا سوچ رہا تھا؟ ہادی تاڑ گیا۔ مہدی نے اسے زندگی ہی میں خراسان کی گورنری سونپ دی تھی، وہ چپ چاپ بغداد سے نکل کر خراسان جا پہنچا اور واقعات کی رفتار دیکھنے لگا۔

مہدی نے خیزران کی اندھی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور ہادی کو خراسان سے "ایک انتہائی اہم سیاسی مسئلے کی خاطر فوراً بغداد" بلایا۔ یہ اہم سیاسی مسئلہ کیا تھا جس کے لئے اسے فوراً بغداد بلایا جا رہا تھا؟ ہادی جانتا تھا۔ اس نے خراسان کی پیچیدہ ــــــ نہیں بلکہ مخدوش سیاسی صورتِ حالات کے پیش نظر بغداد آنے سے معذوری کا اظہار کیا اور خیزران کے دل نے کہا:۔

تم عروج و زوال کی درمیانی منزل پہ پہنچ گئی ہو۔ اگر مہدی اپنے خاندان کی موروثی روایات کے عین مطابق اچانک اپنا دم توڑ دے تو تمہاری بے تاب خواہشوں کو دفن ہونے کے لئے کوئی گوشہ دکھائی دیتا ہے؟

بالکل نہیں ــــــ کہیں نہیں!

ہادی کا عروج خیزران کے زوال کا نقیب نظر آنے لگا۔ اس نے مہدی سے کہا۔

"ہادی تمہاری زندگی میں بغاوت کی بھٹی روشن کر رہا ہے۔ تمہارے بعد ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس پہ فوراً فوج کشی کی جائے اور بغاوت کے جرم میں ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے۔ میں تمہاری زندگی ہی میں ہارون کو ولی عہد دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اور مہدی اپنی محبوبہ بیوی کے دام میں آگیا۔ اگرچہ اس نے بغداد سے اچانک روانگی کے لئے سیر و شکار کا بہانہ گھڑا لیکن تاڑنے والے تاڑ گئے کہ سیر کے لئے اتنی

فوج اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ جانے کا اصل مقصد کیا تھا؟ ہادی کے حاشیہ نشین بغداد میں بیٹھے ہادی کو پل پل کی ڈاک پہنچا رہے تھے۔

مہدی طوس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہادی نے خراسان سے کسی حاشیہ نشین کی معرفت اپنے خلیفہ باپ کو انواع و اقسام کے میوے بھیجے۔ یہ میوے زہر آلود تھے۔ ہادی انہیں کھانے کے بعد دستر خوان سے اٹھ کر خواب گاہ میں اس طرح گرا کہ پھر اُٹھ نہ سکا۔

مہدی کی بے وقت موت نے خیزران کے خواب پریشان کر دئے۔ اس نے فوراً ہارون کے معتمد، وفادار اتالیق یحییٰ کو طلب کیا اور مشورہ لیا:۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"ہادی کی تخت نشینی کا انتظام اور نئے امیر المومنین کے استقبال کی تیاری!"

"تم اس کے سوا اور کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتے یحییٰ!"

"اس سے بہتر مشورہ؟ نہیں ملکہ معظمہ!"

"اور میرے خواب؟"

"عنقریب تعبیر سے ہمکنار ہوں گے۔"

"ہادی کی تخت نشینی کے بعد؟"

"امیر المومنین ہادی کی تخت نشینی کے بعد۔"

"تم بڑے سنگدل ہو یحییٰ۔ اپنے ہاتھ سے اپنی معصوم خواہشوں کا گلا کون گھونٹ سکتا ہے۔"

"یہ خدمت غلام کے سپرد کیجئے ملکہ معظمہ!"

اور تاریخ گواہ ہے کہ یحییٰ نے یہ فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ سب سے پہلے ایک برق رفتار قاصد کو خراسان روانہ کیا گیا۔ جس نے ہادی کو مہدی کی موت سے آگاہ کر کے بتایا:۔

"بغداد کی نظریں نوجوان امیرالمومنین پر مرکوز ہیں۔"

ابھی ہادی بغداد سے منزلوں دور تھا کہ بغداد میں ہادی کے مخالف عنصر نے فوج میں فتنہ و فساد کا بیج بونا شروع کر دیا۔" ہادی پیر تسمہ پا کی طرح تمہاری گردنوں پر مسلط ہونے والا ہے۔ جاگو ــــــ سنبھلو۔ بغاوت کا علم بلند کرو۔ ملکہ کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔"

بغاوت کے یہ آثار شعلوں کی طرح ان گمبھیر تاریکیوں کا پردہ چیرنے لگے جو خیزران کی خواہشات پر چھا گیا تھا۔ خیزران نے ایک بار پھر یحییٰ کو طلب کیا:۔

"ہوا موافق ہے۔ سارے بادبان کھول دو۔ میں اپنی خواہشوں کے سفینے کا رخ تخت خلافت کے ساحل کی طرف موڑنے کو ترس رہی ہوں۔"

"صبر اور استقلال ملکہ معظمہ۔ کون جانتا ہے ان نرم رو جھونکوں کے عقب میں ایسا طوفان انگڑائیاں لے رہا ہو جو ــــــ"

"تخت یا تختہ یحییٰ۔" خیزران نے یحییٰ کے منہ سے بات چھین لی۔

"صرف تخت ملکہ معظمہ۔"

"بہت اچھے ــــــ بھلا کس طرح؟"

"فوج کے ایک ایک سپاہی کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی جائے۔"

"گویا میں وہ بچی کھچی روشنی بھی گل کر دوں جس کے سہارے دم توڑتی ہوئی امیدوں

کے مسخ خط و خال پہچانے جا سکتے ہیں ؟"

"اس وقت امن اور اعتماد تیر بہدف ثابت ہوگا ملکہ معظمہ ۔"

"یا تو تم سٹھیا گئے ہو یحییٰ یا ———" تم بھی ہادی کے حمائتیوں کی صف میں شامل ہو گئے ہو ۔ اگرچہ خیزران نے بڑی مشکل سے اپنا دوسرا جملہ حلق ہی میں روک لیا لیکن یحییٰ اس کے خیالات کی آواز سن چکا تھا ۔ وہ بولا :-

"مجھے فضل اور جعفر کی قسم ۔ میں ایسا کوئی مشورہ نہ دوں گا جو ہارون کے مفاد سے متصادم ہو ۔ اگر ہادی کے دل میں یہ شک جڑ پکڑ گیا کہ بغداد کی فوجی بغاوت میں ملکہ معظمہ کا ہاتھ کام کر رہا ہے ۔ تو وہ فوراً خراسان لوٹ جائے گا اور عمر بھر تک بغداد آنے کا نام نہیں لے گا ۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے دستارِ خلافت سے محروم نہیں کر سکتی ۔ اگر بغداد کی جگہ خراسان دار الخلافہ بن گیا تو ہم ہمیشہ کے لئے ہادی سے کٹ جائیں گے ۔ اب ہادی بلا شرکت غیرے سلطنت کا مالک و مختار ہو گا ۔ ہادی کے بعد اس کا بیٹا ——— پھر اس کا پوتا اور آپ کا ہارون ——— ہارون کا خاندان قیامت تک اپنے حق سے محروم ہو جائے گا ۔"

"میں تو اسے اب بھی محروم ہی سمجھتی ہوں یحییٰ ۔"

"اور اگر میں آپ کو یقین دلا دوں کہ ہادی کے اقتدار کی عمر بالکل حباب کی سی ہے تو پھر ؟"

"پھر ؟"

"فوج کی پیشگی تنخواہ کا فوراً انتظام کیجئے اور بغداد میں امن و اعتماد کی فضا بحال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیئے ۔"

یحییٰ نے بالکل ٹھیک مشورہ دیا تھا۔ آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ بغداد میں ہادی کی آمد ہارون کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ باپ کی موت کا خط ہارون نے اپنے ہاتھ ہی سے لکھا تھا۔

"اور اب مسندِ خلافت آپ کی منتظر ہے۔"

اور ملکہ نے فوج کو پیشگی تنخواہ دے کر بغداد میں امن قائم کر دیا تھا۔ کون کہتا ہے کہ خیزران ہادی کی جگہ ہارون کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی؟

ہادی بڑی شان سے بغداد میں داخل ہوا۔ مسندِ خلافت پر بیٹھا اور باب الذہب میں خوشیاں منائی گئیں۔ خیزران اور ہارون سب سے پیش پیش تھے۔ ہادی کا اعتماد بحال ہو گیا۔ وہ مختصر سے اجلاس کے بعد سیدھا ماں کے پاس آیا اور اس کے قدموں میں جھک کر گذشتہ زیادتیوں کی معذرت کی اور آئندہ کے لئے فرمانبرداری اور خیرسگالی کا یقین دلایا۔

○

لیکن وعدوں کی یہ نرم و نازک کونپلیں کتنی دیر تک پنپ سکتی تھیں۔ اس کے متعلق کوئی فریق زیادہ دیر تک غلط فہمی میں مبتلا نہ رہ سکا۔ ساری دنیا کو معلوم تھا کہ مہدی اپنی زندگی ہی میں ہادی کو اپنا اور ہارون کو ہادی کا ولی عہد نامزد کر چکا تھا۔ لیکن مسندِ خلافت پر قبضہ کرتے ہی جب ہادی کی نظریں اپنے کمسن بیٹے جعفر پر پڑتی ہوں گی تو یقیناً دل پکڑ کر بیٹھ جاتا ہو گا۔ اور آخر کار اس کی یہ خواہش اعتدال کی حد پار کر گئی۔ یہ اسی سرکش

خواہش کا نتیجہ تھا کہ ہارون نے ولی عہد کی مہر دجلہ میں پھینک دی تھی اور زبیدہ دعباسہ کے دامن میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن خیزران اور یحییٰ آخری وقت تک اس کی خاطر میدان میں یکتا و تنہا ڈٹے رہے تھے۔

خیزران تو خیر ہارون کی ماں تھی ہی لیکن یہ یحییٰ برمکی بھی عجیب شے نکلا۔ اسلامی تاریخ کے سٹیج پر طوفان کی طرح چھا جانے والا یہ کردار بغداد سے کالے کوسوں دور بلخ میں آتشکدۂ نوبہار کے معزز، مقتدر، آسودہ حال اور عالم و فاضل متولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ فارسی میں آتش پرست برمغ کہلاتے تھے۔ یہ نام عربی میں برمک بن گیا۔

جب اسلام کے طوفانی جھونکوں سے ایرانی آتش کدوں کی راکھ بھی فضا میں حل ہو گئی تو اس خاندان کا ایک شخص جعفر بن جاماس زندگی کی ضروریات سے مجبور ہو کر دمشق میں نامور اموی خلیفہ عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے زمانہ کے دوسرے مروجہ علوم و فنون کے علاوہ انشاء اور شاعری میں فرزانۂ روزگار اور اپنے عہد کا دانش ور اور ضرب المثل شخص تھا۔ یحییٰ برمکی اسی جعفر کا پوتا ہے جو عبدالملک کے زمانے میں پیدا ہوا۔

بنوامیہ کے زوال کے بعد جب خلافت کی مہار آلِ عباس کے قبضے میں آئی تو جعفر کے بیٹے اور یحییٰ کے باپ خالد برمکی نے استحکام حکومت کی خاطر عباسی فوج میں خاصے معرکے سر کئے۔ ان خدمات کے صلے میں منصور سفاح نے خالد کو قلمدان وزارت پیش کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ خاندان اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اس عہدے کا اہل تھا۔

لیکن دربار کی سازشوں کا ایسا چکر چلا کہ خالد وزارتِ عظمیٰ سے دیوان الخراج کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب خالد کا بیٹا یحییٰ بھی خاندانی علوم و فنون کی میراث کا حق دار بن چکا تھا۔ چنانچہ منصور نے اس کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اسے اپنے پوتے ہارون کا اتالیق مقرر

کر دیا۔ جب ہارون کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کرنے کے لئے ہادی کی کوششیں اعتدال اور معقولیت کی حدیں پار گئیں تو خیزران کے علاوہ صرف یحییٰ ہی تھا جو اپنے شاگرد کا حق محفوظ کرنے کی خاطر ہادی ایسے شخص کے سامنے ڈٹ گیا تھا۔

مگر اتنی کوششوں اور قربانیوں کے بعد خیزران اور یحییٰ حکومت کے جہاد کو بخوشی کھینچنے پہ آمادہ ہوں تو ہارون کو کیا پروا ؟ وہ اپنے دربار کے جھروکوں میں سے اپنی ماں اور اپنے وزیر کو امورِ سلطنت میں مصروف دیکھ کر سوچتا: میں اس تھکا دینے والے خشک کام سے عہدہ برآ ہو سکوں گا ؟ دونوں کے سامنے عرضیوں عریضوں کے ڈھیر لگے رہتے اور دربار کے باہر سول اور فوجی افسروں کا انبوہ۔

اور ہارون ان تمام تمام ذمہ داریوں سے بے نیاز "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے مصداق نبیذ کے خواب خرام نرم رو راہوار پہ سوار راگ رنگ کی وادیوں میں دل بہلاتا رہتا۔

چھٹا باب

علی جوہری

بغداد سے ہارون کا تعلق بے حد عجیب و غریب ——— انتہائی پُراسرار سا ہے۔

جس وقت خیزران اپنے عاشق زار خاوند مہدی کو اشاروں کنایوں میں سمجھا رہی ہو گی:۔
"اب ہادی کے بعد ایک اور ولی عہد کا انتظار کیجیے" تو یہ لمحہ یقیناً وہی لمحہ ہو گا جب بغداد
کے بانی ——— بوڑھے عباسی خلیفہ منصور کے ذہن میں نئی سلطنت کے بالکل نئے دارالخلافہ
——— بغداد کی تعمیر کا نقشہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ ابھر آیا تھا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک طرف اس سیال دھبے پہ ——— جو ہارون الرشید کے
نام سے مشرقی سلطنت کا سب سے بڑا سلطان کہلایا ——— تخلیقی قلم کی نوک سے ناک،
آنکھ اور پلکوں کے ناقابل تشریح خطوط کھینچ رہے تھے اور دوسری طرف بغداد کے مرمریں
مدور گنبد و مینار بابل، نینوا، مدائن، دمشق، قسطنطنیہ اور روم کے جائز جانشینوں
کی حیثیت میں دجلہ و فرات کے درمیان ابھرتے نظر آتے تھے۔

گلاب کے عطر میں ڈھلی ہوئی تنگ و تاریک گلیوں، ابدی شور پہ سرسراتے ہوئے
پُراسرار ریشمی پردوں، خواب آلود، خواب انگیز، خواب میں اونگھتے ہوئے طلسمی حماموں

کا شہر ــــ بغداد! جس کے بیچوں بیچ نہریں یوں بل کھاتی چلی گئی تھیں جیسے گستاخ، بے باک جھونکوں نے محوِ خواب حور کے بال پریشان کر دئے ہوں۔ کئی حصّوں میں بٹے ہوئے بغداد کا ہر ایک خطہ جنّتِ نگاہ تھا۔

تیزی سے پھلتے پھولتے ہوئے بغداد کی طرح ہارون بھی تیزی سے پھل پھول رہا تھا۔ دن اور راتیں انتہائی ساز گار تھیں۔ یہ بالکل اور بات ہے کہ بعض گہرے، گھنے سائے بھی روشنیوں کی جلو میں بڑھتے چلے آرہے تھے۔ مراجل عباسی سلطنت کے ولی عہد مامون کو پیدا کر کے اپنی زندگی کا مقصد پورا کر چکی تھی بے ماں کے بچے کو زبیدہ نے اپنے سینے سے لگا لیا لیکن اب تو وہ خود ہارون کے ایک اور بیٹے ــــ امین کی ماں بن چکی تھی۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہارون اور زبیدہ دونوں بچوں کو ایک ساتھ ہنستے، کھیلتے، دیکھ کر خوشی سے جھوم جھوم اٹھتے تھے لیکن دونوں کی سوچ کے دھارے اپنی اپنی علیحدہ راہیں متعین کر رہے تھے۔

بعض اوقات جب سرما کی ٹھٹھری ہوئی شاموں میں دونوں آتش دان کے قریب بیٹھے بچّوں کی اچھل کود سے دل بہلا رہے ہوتے تو ایک کی سوچ دوسرے کے شعور پر ناقابلِ فہم سائے ڈال دیتی۔ ان لمحوں میں ماگ رنگ کا رسیا ــــ نبیذ کے نرم رو راہوار کا شہسوار ہارون بوڑھے فلسفی کی طرح اچانک سنجیدہ ہو جاتا اور اس وقت اگر کوئی شخص دل کی آنکھوں کے استعمال سے آگاہ ہوتا تو ہارون کے ماتھے پر وہ شکنیں دیکھ لیتا جنہیں ابھی تک جوان جلد کا پردہ چیر کر ایک دم سے ابھر آنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ایک غیر متشکل جذبہ اس کے خیالات کا رخ بچپن کی ان وادیوں کی طرف موڑ دیتا جہاں وہ اپنے آپ کو اپنے مرحوم بھائی ہادی کے ساتھ مامون و امین کی طرح بے ہنگم

بے مقصد اچھلتا کودتا دیکھ لیتا۔ اور وہ پھر لاکھ آنکھیں بند کرتا۔ اندھے خیالات کا سلسلہ منقطع ہونے میں نہ آتا۔ ہادی اور ہارون ——— امین اور مامون۔ ماضی کی تلخ یادوں کے ڈانڈے مستقبل کی تاریکیوں سے جا ملتے اور ——— اور ———

وہ اندھے کی طرح قدم قدم پہ ہاتھ میں آنے والی ہر چیز کا سہارا لیتا باب الذہب کے آباد ویرانوں سے باہر نکل آتا۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ فرار کے راستے ڈھونڈھتا ——— وہ اتنی دور نکل جانا چاہتا۔ جہاں امین و مامون کے قہقہوں ——— ہادی اور ہارون کی یادوں کے سائے اس کا تعاقب نہ کر سکیں۔

یہی موقعے تھے جب وہ پرواز سے محروم زخمی پرندے کی طرح کسی اضطراب کے بغیر فلسفے کے فریب میں پھنس جاتا اور اپنے دل کو بہلانے لگتا۔ صرف بنی عباس ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان ایک خاندان کے مختلف افراد ہیں۔ کاش، ہادی اور ہارون نے خونی رشتے کا احترام کیا ہوتا۔ کاش، امین و مامون اس مقدس رشتے کا احترام کریں۔

جعفر و مسرور ہر وقت گوش بر آواز ——— نہیں نہیں بلکہ اشارے کے منتظر ہوتے تھے۔ جعفر ہارون کا بہترین نباض تھا۔ وہ فوراً تاڑ جاتا "اس وقت امیر المومنین پہ کون سی کیفیت طاری ہے" اور پھر مرض کی نوعیت ——— مرض کی شدت کے مطابق نسخہ تجویز کرتا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ہارون کے خیالات کا رخ بالکل مختلف سمت کو موڑ دیا جائے۔ اور بغداد تو سینکڑوں ——— ہزاروں سمتوں کا شہر تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلص فلسفی کی طرح وہ ناقابل تقسیم وحدت انسانی کا تہ دل سے قائل تھا۔ وہ خود ایک تجربہ تھا۔ انسانی مساوات، عوامی شہنشاہیت کا لاثانی تجربہ۔

اسے بغداد کا ہر ایک قصر اور کٹیا باب الذہب دکھائی دیتا۔ بغداد کی پوری آبادی نے امین و مامون کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور جس طرح وہ اپنے آپ کو امین و مامون کی خوشحالی اور پُرامن زندگی کا ذمہ دار تصوّر کرتا تھا اسی طرح پورے بغداد کی رواں دواں زندگی کا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس کرتا۔ لوگ کیسے ہیں؟ ان کے نظریات و تصوّرات کس سانچے میں ڈھل رہے ہیں؟ ان کی سوچ اور شعور کے انداز کیا ہیں؟ اور یہ باتیں اس وقت تک صحیح طور پر معلوم نہیں کی جا سکتی تھیں جب تک خود ہارون ایک عام گمنام شہری کی طرح بغداد کی دھڑکنوں میں شامل نہ ہو جائے۔

اور وہ کبھی کبھار جعفر و مسرور سمیت حیرت انگیز روپ دھار کر بغداد کے دھندلکوں میں حل ہو جاتے۔

آج رات بھی کچھ اسی قسم کا خیال اس کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ سورج کا فانوس بجھ چکا تھا۔ بغداد کے جھروکوں میں رکھے ہوئے چراغ ٹمٹمانے لگے۔ بغداد کی ہیلوں پختہ گلیوں میں ایک ایک کر کے پوسٹ لیمپ روشن کیے جا رہے تھے۔ حماموں کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں گہما گہمی بڑھ رہی تھی۔ دجلہ کے کنارے نائٹ کلبوں —— رقص گاہوں کی ہوش ربا زندگی کروٹ بدل رہی تھی۔ عروس بغداد کے شبستاں آراستہ کیے جا رہے تھے۔

تین شخص دجلہ کے کنارے کھڑے نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔ ان میں سے ایک اپنے لباس اور حرکات و سکنات کے اعتبار سے کوئی پردیسی سوداگر دکھائی دیتا۔ دوسرا شخص کا اندازِ گفتگو سوداگر کے بے تکلف دوست —— مصاحب، ندیم، ہم پیالہ و ہم نوالہ کا سا تھا اور تیسرا شخص سوداگر کا خدمتگار۔

دجلہ سے ابھرتی ہوئی تاریکیاں بغداد پر چھا رہی تھیں۔ کنارے پہ سناٹا طاری تھا دن بھر کی تھکی ہوئی لہریں شام کے سرمئی سکوت میں آسودگی تلاش کر رہی تھیں۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کشتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

سوداگر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ غالباً ایک چھوٹی سی ڈونگی دیکھ چکا تھا۔ وقت آنے پر وہ بوڑھا ملاح بھی دکھائی دینے لگا جو پتوار سے ٹیک لگائے بالکل مراقبے کے عالم میں بیٹھا —— نہ جانے کہاں پہنچ چکا تھا! سوداگر کا ارادہ بھانپ کر مصاحب آگے بڑھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر رک گیا اور ملاح کو مراقبے سے واپس لانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا:۔

"کیوں بڑے میاں —— ہمیں اس وقت دجلہ کی سیر کرا سکتے ہو؟"

ملاح نے کافی دیر بعد مراقبے سے سر اٹھایا۔ اپنے سر پر فرشتوں کی طرح مسلط کھڑے ہوئے تینوں پردیسیوں کو دیکھا اور جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ ایک بار پھر مراقبے کو ترجیح دی۔

مصاحب نے لمحے بھر کی خاموشی کے دوران میں کنارے پہ اگے ہوئے پودے کی شاخ توڑی اور اس سے کھیلتے ہوئے بولا: "میں نے کہا —— جہاں تک انعام کا تعلق ہے۔ ہمارا سوداگر حاتم سے یقیناً ایک قدم آگے ہی جائے گا۔"

ملاح نے سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور بڑے ادب کے ساتھ جواب دیا:۔

"سوداگر کی فیاضی میں کس کافر کو شک ہے۔"

"پھر؟"

"آپ کی فرمائش پوری کرنا میرے بس میں نہیں۔"

"دیکھوں؟"

"اس لئے کہ ——" بوڑھے ملاح نے سر اٹھا کر باری باری تینوں کو دیکھا:۔

"امیر المومنین ہر رات بجرے میں سیر کو نکلتے ہیں اور ان کی جلو میں ایک منادی باآواز بلند پکارتا چلا جاتا ہے:۔ خبردار! اگر کوئی شخص خواہ اعلےٰ ہو یا ادنیٰ بوڑھا ہو یا لڑکا، آزاد ہو یا غلام —— رات کے وقت دجلہ میں سیر کرتا پکڑا گیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

سوداگر اور مصاحب کی نظریں بڑے تفہیمانہ انداز میں ایک دوسرے سے چار ہوئیں اور ابھی وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دور سے ایک طاؤس پیکر بجرا راج ہنس کی طرح گردن اٹھائے لہروں پہ ہچکولے کھاتا دکھائی دیا۔ عرشے کا ذرہ ذرہ کافوری شمعوں کی روشنی کے سیلاب کی زد میں تھا۔ ہر چند سوداگر اور مصاحب نے آنکھوں پہ دو دو سے کر بجرے میں سوار چہروں کو پہچاننے —— دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ کنارے سے بہت دور —— منجدھار میں ڈوبتا ابھرتا ان سے دور نکل گیا۔

سوداگر نے مصاحب کو ایسا اشارہ کیا جس سے اضطراب و اشتیاق پھوٹے پڑتے تھے۔ مصاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ساتھ کئی دینار نکالے اور بوڑھے ملاح کو دکھاتے ہوئے بولا:۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں بڑے میاں۔ آج رات کے چند لمحوں میں تمہیں کتنے دینار مل جائیں گے؟ میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ تم ہمارے سوداگر کی فرمائش پوری کر دو۔"

سرخ دینار ملاح کی بوجھل، نیند پائی ہوئی بے نور آنکھوں میں خواہش و احتیاج

کی کئی شمعیں روشن کر چکے تھے۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ مصاحب نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ جس قدر دینار اس کی مٹھی میں تھے سوداگر کے سامنے عرشے پہ ڈھیر کر دئے اور اپنا وعدہ دہرایا:۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں بڑے میاں۔ کاش ——— تم ہمارے سوداگر کی فیاضیوں سے باخبر ہوتے۔ اور پھر اب کس کا ڈر؟ امیر المومنین کا بجرا تو نظروں سے اوجھل ہو چکا۔"

ملاح بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ مصاحب نے دیناروں کی ایک اور مٹھی اس کے سامنے ڈھیر کر دی اور تیسری بار اپنا پہلا فقرہ دہرایا:" یہ تو کچھ بھی نہیں بڑے میاں۔"

ملاح نے دونوں ہاتھ بڑھا کر دینار سمیٹے اور انہیں کمر بند میں محفوظ کرتے ہوئے بولا:۔

"چلو ——— تمہارے کہنے پر ہم بھی آج رات اپنی قسمت آزماتے ہیں۔"

"نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب۔" مصاحب نے سوداگر کو کشتی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ ملاح کشتی کا رسّہ کھولنے کے لئے نیچے اترا۔ سوداگر کے بعد مصاحب اور خدمتگار بھی عرشے پر آ گئے۔ ملاح نے رسّہ لپیٹ کر کشتی پر پھینکا اور چپو سنبھال کر کشتی کھینے لگا۔

مصاحب نے ذرا دور جا کر دیناروں کی ایک اور مٹھی ملاح کے حوالے کی اور ہنستے ہوئے بولا:۔

"اب امیر المومنین کے فرمان کی خلاف ورزی ہو ہی چکی تو پھر ڈونگی کو ذرا شاہی بجرے کے پیچھے لے جاؤ۔ اگر امیر المومنین ناراض ہوئے تو میرا سوداگر ان سے معافی مانگ لے گا۔"

پردیسی کی فیاضی نے ملاح کا دل موہ لیا۔ اس نے بجرے کا تعاقب کیا اور بہت جلد اس کے قریب پہنچ گیا۔ پردیسیوں کی نگاہ سب سے پہلے اس مشعلچی پر پڑی جو سرخ اطلس کا لباس پہنے طلائی ــــــ مینا کاردستے کا مشعل ہاتھ میں پکڑے بڑے ادب کے ساتھ عرشے پر بت کی طرح جما کھڑا تھا۔ بجرے کے درمیانی حصے میں ایک سا تھ کئی شمعیں جل رہی تھیں۔ روشنی کے اس طوفان کے درمیان ایک زرنگار کرسی بچھی تھی اور اس پر ایک خوبصورت نوجوان زرتار ــــــ سیاہ خلعت پہنے بڑی شان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ داہنے ہاتھ تقریباً بیس غلاموں کی صف آراستہ تھی اور بائیں ہاتھ پانچ سات مصاحب حسب مراتب خاموش، سرنگوں بیٹھے تھے۔

بوڑھے ملاح کی ڈونگی میں سوار پردیسی مسافر نے اپنے مصاحب کو ٹھوکا دیا:۔

"کیوں جناب! کیا تماشا ہے؟"

مصاحب کی نظریں ابھی تک بجرے پر جمی تھیں۔ وہ بولا:۔

"بالکل امیرالمومنین دکھائی دیتا ہے۔"

سوداگر نے خاموشی کے ساتھ بجرے کی ایک ایک چیز کا دوبارہ جائزہ لیا اور بولا:۔ "کمال ہے۔ اور وہ امیرالمومنین کے سامنے جو دو شخص کھڑے ہیں ذرا ان کا حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔ ان میں سے ایک وزیرالسلطنت جعفر برمکی اور دوسرا خلیفہ کا خاص خدمتگار مسرور دکھائی دیتا ہے۔"

مصاحب نے ضعیف الاعتقادی کے ساتھ سر ہلایا:۔ "نہیں صاحب! اپنی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

بوڑھے ملاح نے جان کے خوف سے ڈونگی کی رفتار دھیمی کر دی اور شاہی بجرا

ایک بار پھر بہت دُور نکل گیا۔ مصاحب نے ملّاح سے پوچھا: "امیر المومنین ہر رات باقاعدگی کے ساتھ دجلہ کی سیر کرتے ہیں؟"

"بڑی باقاعدگی کے ساتھ!"

"جاتے کہاں ہیں؟"

"یہاں پاس ہی ایک ایسا باغ ہے جس کی رونق باغ عدن کو شرماتی ہے۔ وہاں گھڑی دو گھڑی جلسہ ہوتا ہے اور پھر آدھی رات کے قریب لوٹ آتے ہیں۔"

"مصاحب اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا: "ہمیں دور ہی دور سے اس باغ کی ایک جھلک تو دکھا دو۔"

"استغفراللہ" ملاح نے کشتی موڑنے کے لئے پتوار پہ ہاتھ رکھا: "آپ لوگ کیوں میری جان کے دشمن بن گئے ہیں!"

"اس خدمت کے صلے میں ایک سو دینار دیں گے۔"

"میں آپ سے مزید ایک دینار بھی نہیں مانگتا۔" ملاح آہستہ آہستہ کشتی موڑنے لگا۔

لیکن مصاحب نے اسے روک دیا: "پانسو دینار۔"

ملاح نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کا ہاتھ پتوار پہ باقاعدہ کام کرتا رہا۔

"ایک ہزار دینار۔" مصاحب کا ہاتھ ابھی تک ملاح کے بوڑھے، سرد جھریوں سے اٹے ہوئے ہاتھ پہ رکھا تھا اور اسے یہ ہاتھ —— جس کی ابھری ہوئی رگیں چبھنے لگی تھیں —— شل سا محسوس ہونے لگا۔

"مجھے اپنی جان کا کوئی غم نہیں۔" ملاح بولا: "لیکن آپ پہ دیسی اگر میری وجہ سے بیگناہ قتل کر دئے گئے تو ——"

"ہمارا خون مباح ہے۔" مصاحب تیزی سے بولا: "اور ہم قسم کھاتے ہیں کہ اگر تمہاری جان پر آنچ آئی تو تمہارے وارثوں کو منہ مانگا خون بہا دیں گے ..... حالانکہ ہمیں یقین ہے، اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

ایک ہزار سرخ دینار کے تصور سے بوڑھے ملاح کی رگوں میں خون کے دھارے دُور سے محسوس ہوتے تھے۔ اس نے تیزی سے ڈونگی کا رخ موڑا اور بجرے کے پیچھے باغ تک جا پہنچا۔ کنارے پر اگے ہوئے گھنے درختوں نے معقول سائے پھیلا دئے تھے۔ ملاح نے اپنی ڈونگی بجرے سے ذرا دور روکی۔

بجرے میں سوار امیرالمومنین کو باغ تک پہنچانے کے لئے ایک شبرنگ گھوڑا نئے سازوں سے آراستہ موجود تھا۔ لیکن خلیفہ نے سواری نظر انداز کر دی اور اپنے مسلح غلاموں اور مصاحبوں کے نرغے میں پیدل باغ کی طرف روانہ ہوگیا۔ پردیسی سوداگر اس کا جہاں سال مصاحب اور تنومند خدمتگار بھی ڈونگی سے اترے اور درختوں کے سائے کی آڑ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے باغ کی طرف بڑھنے لگے۔

لیکن ذرا دور جاکر مشعلچی کی نگاہ ان پر پڑ گئی اور اس نے ایک دم شور مچایا۔ ایک ساتھ سارے مسلح خدمتگار پردیسیوں پر جھپٹے اور ان کی مشکیں کس کر امیرالمومنین کے سامنے لے آئے۔ خلیفہ کے خوبصورت ماتھے پر شکنوں کا جال پھیل گیا۔ وہ غصے سے تھر تھر کانپتے ہوئے بولا:۔

"کون ہو؟"

سوداگر کا مصاحب ادب سے بولا: "ہم غریب الدیار ہیں۔ تجارت کی غرض سے بغداد آئے تھے۔ یہاں کے رسم و رواج اور طور اطوار سے بالکل ناواقف ہیں!"

"تمہیں ہمارے باغ کا راستہ کس نے دکھایا؟"

"شامتِ اعمال نے حضور۔ کھوٹی قسمت نے دجلہ کی سیر پہ اکسایا۔ لیکن آپ کا دیدار ہو جانے کے بعد اپنی قسمت سے کوئی شکایت نہیں رہی۔ آگے جو قسمت میں لکھا ہے ہو کر رہے گا۔"

سوداگر کے مہذب مصاحب کا لہجہ اس قدر رقت آمیز تھا کہ خلیفہ کے تمتماتے ہوئے رخسار معمول پہ آ گئے۔ وہ بولا: "کیا کروں۔ تم پردیسی ہو۔ اگر کسی بغدادی نے یہ جسارت کی ہوتی تو ہمارے فرمان کے مطابق ابھی اس کا سر قلم کر دیا جاتا۔ اب آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں۔ لمحے بھر کے لئے بیگانگی اور اجنبیت سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔" اور پھر خلیفہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا: "یہ دیسی سوداگر اپنے مصاحب اور خدمتگار سمیت آج کی رات ہمارا مہمان تصوّر کیا جائے۔"

وزیر نے سر جھکا کر جواب دیا: "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی امیر المومنین۔"

اب خلیفہ اور اجنبی سوداگر ایک دوسرے کے ساتھ باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ذرا دور ایک عظیم الشان محل نظر آیا۔ وہاں سب لوگ اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ گئے۔ دسترخوان چنا گیا اور کھانے سے فراغت کے بعد آتش سیال کا دور چلا۔ جب سوداگر تک جام پہنچا تو اس نے معذرت کے ساتھ انکار کیا۔ خلیفہ نے مصاحب سے دریافت کیا:۔

"کیا — تمہارے سوداگر کو ہماری شراب پسند نہیں آئی؟"

"یہ بات نہیں امیر المومنین۔" مصاحب نے عرض کیا: "ہمارے آقا نے طبیب کی ہدایات پہ عرصے سے شراب پینی ترک کر دی ہے۔"

"تو پھر تم ہمارا ساتھ دو۔"

"جس چیز کو میرا دوست ہاتھ نہیں لگاتا مجھے اس کے استعمال پہ مجبور نہ کیجئے امیر المومنین۔"

خلیفہ نے مزید اصرار نہ کیا اور اپنے مصاحبوں کے ساتھ جرعہ نوشی میں مصروف ہو گیا۔ دو تین دوروں کے بعد جب مجلس پر کیفیت طاری ہونے لگی تو سوداگر اور مصاحب نے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ وہ دونوں اس باغ کی آرائش محفل کی نفاست اور دسترخوان پہ موجود ظروف اور ساز و سامان کی تعریف کرنے لگے اور آخر میں سوداگر بولا:۔

"میں جلد سے جلد یہاں کے پورے حالات تفصیل کے ساتھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

سوداگر کی بات سن کر خلیفہ کے کان کھڑے ہوئے اور مصاحب سے پوچھا:۔

"یہ کیسی سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟"

مصاحب نے فٹ بات بنائی: "میرا دوست آپ کی فیاضی، خوش انتظامی اور ساز و سامان کی تعریف کر رہا ہے۔"

خلیفہ کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ ایک گھونٹ پی کر بولا: "آپ کے خیال میں یہاں کسی چیز کی کمی ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ عیش و نشاط کے تمام سامان مہیا ہیں حضور۔"

"اگر آپ نے کسی چیز کی کمی محسوس کی ہو تو بے تکلف اظہار کیجئے۔"

"گستاخی معاف حضور۔ میرے دوست کے خیال میں نغمے کے بغیر شراب محض تضیع اوقات ہے۔"

خلیفہ مسکرایا: "آپ کے دوست تو چھپے رستم نکلے۔" اور یہ کہتے ہی خلیفہ نے

ایک خدمتگار کو اشارہ کیا۔ ذرا دیر بعد قصر کا ایک دریچہ کھلا۔ اور ایک خادم نے باہر آکر ہاتھی دانت کی مرصع کرسی مجلس کے سامنے رکھ دی۔ پھر ایک نہایت خوبصورت کنیز بصد ناز و انداز قصر سے برآمد ہوئی اور کرسی پر بیٹھ کر عود بجانا شروع کیا۔ اس نے ایک ہی نشست میں یکے بعد دیگرے چوبیس گتیں بجائیں اور ایک ایک گت پر سامعین سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ خوبصورتی کے ساتھ ساتھ خوش آوازی قیامت ڈھا رہی تھی۔ جب وہ ساز نوازی کے کمالات ظاہر کر چکی تو پچیسویں دھن چھیڑی اور اس کے ساتھ گانا شروع کر دیا:۔

عشق نے میری آنکھوں کو زبان عطا کر دی ہے۔
اور میری نظر کا ایک ایک تار چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔
مجھ پر تمہارے عشق کا جادو چل گیا۔
میرے ستم زدہ دل سے پوچھ کر دیکھو۔
تیرے فراق کے زخم ابھی تک رس رہے ہیں۔
اور میرا دل خوف کے مارے کانپ رہا ہے۔
جس عشق نے مجھ کو موم کی طرح پگھلا دیا۔
میں اس کو کہاں تک چھپاؤں۔ کس کس سے چھپاؤں؟
دل کے زخم اور نہ تھمنے والے آنسو مجھے ہلاک کر دیں گے۔
تیرے عشق سے پہلے مجھ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ عشق کیا چیز ہے؟
لیکن خدا کا حکم تخلیق کائنات سے بہت پہلے نافذ ہو چکا تھا۔

درد انگیز اشعار اور گانے والی کی آواز نے خلیفہ پر ایک عجیب کیفیت طاری کر

دی۔ وہ یکایک چیختا ہوا اٹھا اور دیوانے کی طرح اپنے لباس کی دھجیاں اڑا دیں۔ بہت دیر تک سکوت رہا اور پھر ایک غلام کو اشارہ کیا۔ وہ لپک کر اندر گیا اور ایک بالکل نئی نویلی مغنیہ ——— ساحرہ کی طرح عود پکڑے کرسی پہ بیٹھی اور تار چھیڑنے لگی۔ خلیفہ کو کنیز میں محو دیکھ کر مہمانوں کو ایک بار پھر ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ سوداگر نے بڑی بے صبری کا مظاہرہ کر کے مصاحب سے پوچھا :-

"تم نے خلیفہ کے چہرے پہ چند نشان دیکھے ہیں ؟"

"جی ہاں ——— اور بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں"

محویت کے باوجود خلیفہ کی نگاہیں مہمانوں کے چہروں پہ گڑ گئیں اور بالکل مصنوعی آواز میں بولا :" یہ ہم سے چوری چوری کیسی باتیں ہو رہی ہیں ؟"

مصاحب تیزی سے بولا :" میرا دوست مجھے ایک شعر سنا رہا تھا "

"شعر ؟ بھئی تمہاری قسم۔ ذرا ہم بھی تو سنیں ؟"

مصاحب بولا :- وہ شعر کچھ اس قسم کے ہیں :-

سخاوت نے تمہاری ہتھیلی پر نشیمن بنا لیا ہے۔

اس لئے تمہارا اماں تمام لوگوں کے لئے مباح ہے

اگر کسی روز فیاضی نے اپنے دروازے بند کر لئے

تو ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے ؟ خدا کی قسم اس کی کنجی تمہی تو ہو !

خلیفہ ان اشعار کو سن کر بے حد محظوظ ہوا اور برملا حکم دیا :" ایک ایک ہزار دینار بمعہ خلعت فاخرہ "

اور معاً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اپنی فیاضی کے مظاہرے نے اسے مطمئن کر دیا۔ وہ

ایک بار سماں کی آواز کے گرداب میں گھر گیا اور سوداگر اپنے مصاحب سے بولا :-

"پوچھو —— ان نشانوں کے متعلق فوراً پوچھو۔"

"موزوں موقعے کا انتظار کیجئے حضور!"

"تربت عباس کی قسم! جب تک اصل حقیقت معلوم نہیں ہو گی چین نہیں آئے گا۔"

سوداگر کے منہ سے تربت عباس کے لفظ اس جذبے سے نکلے کہ خلیفہ چونک پڑا۔ اس کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا اور خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں مصاحب سے پوچھا :-

"خدا کے لئے —— یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میرا دوست یہ معلوم کرنے کو ترس رہا ہے۔" مصاحب بڑی بلند حوصلگی سے بولا :-

"آپ کے چہرے پہ کس چیز کے نشان ہیں؟"

خلیفہ بت کی طرح جامد و ساکت ہو گیا۔ اس کی نظریں سوداگر مصاحب اور خدمتگار کے چہروں کے درمیان نور کی رفتار سے سفر کر رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس پر کیفیت سی طاری ہو گئی اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ وہ مہمانوں کے سامنے دو زانو بیٹھ کر دیر تک روتا، بلبلاتا سسکتا رہا اور پھر فی البدیہہ اشعار کہنے لگا :-

مجھے اس محفل میں اپنے سردار کی مہک آ رہی ہے۔

وہ سردار جو زمانے کا خلیفہ اور پاک نسل سے ہے۔

دوسرا شخص وزیر جعفر ہے۔ وزیر ابن وزیر

اور تیسرا مسرور ہے۔ انتقام لینے والا جلاد۔

اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو پھر مجھے اپنے آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرنے دیجئے۔

میں جو چاہتا تھا۔ وہ مل گیا۔ میرے دل کو سرور مل گیا۔

جعفر —— سوداگر کا مصاحب —— زور دار الفاظ میں اس کے خیال کی تردید کرنے لگا لیکن اس نے جعفر کو بات کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ وہ ہارون —— سوداگر —— کے سامنے بیٹھ کر اپنا ماتھا زمین پہ رگڑنے لگا۔ وہ کہے جا رہا تھا:۔

"واللہ آپ امیر المومنین ہیں اور —— ان کے وزیر جعفر برمکی اور امیر المومنین کا معتقد غلام مسرور۔ خدا کے لیئے میرا قصور معاف کر دیجئے۔ جان کی امان کا طالب ہوں۔"

"تم سب سے پہلے اپنی کہانی سناؤ!"

اور وہ اپنی کہانی سنانے لگا:۔

میرا نام علی ہے —— امیر المومنین۔ اور باپ کا نام محمد —— محمد جوہری۔ بغداد کا مشہور و معروف جوہری۔ ان کے انتقال پہ اتنی دولت میرے ہاتھ آئی کہ —— بے شمار دولت —— نقد اور ہیرے، جواہرات! میں نے باپ کے بعد کاروبار سنبھالا اور بڑے ٹھاٹھ سے سنبھالا۔ ایک روز میں حسب معمول دکان پہ بیٹھا تھا کہ ایک نقاب پوش خاتون خچر پر سوار میرے سامنے بہ آمدے میں پہنچ کر رک گیئں۔ قیمتی کپڑوں میں ملبوس تین جوان کنیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ ذرا سے تامل کے بعد نقاب پوش خاتون اپنا فراداں ریشمی پھسلتا ہوا لباس سنبھالے اندر آ گیئں اور ایک کنیز نے مجھ سے سوال کیا:۔

"علی بن محمد جوہری آپ ہی ہیں؟"

"آپ کی دعا ہے۔" میرا ہنسنے کو جی چاہا اور اپنے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کر ذرا سا جھکا اور بولا: "خانہ زاد حاضر ہے —— ارشاد!"

"میرے حسب حال اعلےٰ موتیوں کی کچھ لڑیاں آپ کے پاس ہوں گی؟"

گھنٹیوں کی طرح شبنمیں ــــــ بوجھل ہوا سے اُلجھنے والی یہ آواز میرے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکاتی سی محسوس ہوئی ہیں بدحواس ہو کر باری باری کنیزوں کے ہونٹ ــــــ ان کی آنکھیں ٹٹولنے لگا۔ یا اللہ ــــــ اگر کنیزوں کے ہونٹ اس طرح سلے ہوئے ہیں تو پھر یہ مرنجی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ بہرحال، مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اب نقاب پوش خاتون نے کنیزوں کی خدمات قطعی طور پر منسوخ کر دیں اور مجھ سے براہ راست سوال کر رہی تھیں۔

"آپ کے حسب حال؟ میں کیا جانوں۔ آپ کا چہرہ ابھی تک نقاب میں مستور ہے۔ ہاں ــــــ میرے پاس جو چند ایک لڑیاں موجود ہیں۔ اجازت ہو تو ملاحظے کے لئے پیش کر دوں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز پسند آ گئی تو زہے قسمت!"

"میری نظریں خلاء میں آوارہ بھٹک رہی تھیں لیکن کان آواز پر لگے تھے۔ خاکسار کی قسمت ملاحظہ فرمایئے۔ اس نے کچھ فرمانے کی ضرورت تک محسوس نہ کی۔ میں نے بادلوں میں انگڑائیاں لینے والی بجلی کو اپنے خرمنِ صبر و سکون پر کچھ دیر اور تابناک رکھنے کی خاطر مختلف قسم کی کم و بیش سو لڑیاں پیش کر دیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی پسند نہ آئی اور ایک پراسرار سی آواز ہوا کی طرح سنسناتی ہوئی دل اور روح سے پار گزر گئی:-

"کوئی عمدہ ــــــ نایاب موتی۔"

مجھے اچانک اس چھوٹی سی لڑی کا خیال آیا جو میرے والد کے زمانے سے محفوظ پڑی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ابا مرحوم نے یہ پورے ایک لاکھ دینار میں خریدی تھی۔ میں وہ لڑی لے کر بڑے اس کے قریب آ کر رک گیا اور لڑی کو دیکھتے ہوئے بولا:" یہ وہ نایاب سلک ہے جس کی نظیر بادشاہوں کے یہاں بھی مشکل سے ملے گی۔"

وہ یہ لڑی دیکھتے ہی پھڑک اٹھی اور اس کی طرف بے تابی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی: "مجھے مدت سے ایسی ہی لڑی کی آرزو تھی ——— اس کی قیمت؟"

"پہلے اچھی طرح سے دیکھ تو لیجیے،" میں لڑی پیش کرتے ہوئے بولا: "کہیں یہ جھوٹے موتی نہ ہوں۔"

"میں اپنی پسند کی قیمت ادا کروں گی۔" اس نے بڑے اشتیاق کے ساتھ لڑی میرے ہاتھ سے اچک لی: "سچے اور جھوٹے کی تمیز کون کرتا پھرے!"

اس کے جواب نے مجھے سرشار کر دیا "ایک لاکھ میں خریدی تھی۔"

"پانچ ہزار اور سہی ——— اس نے باری باری تینوں کنیزوں کو دیکھا اور بولی: "اور ایک لاکھ پانچ ہزار دینار کے علاوہ ان میں سے کوئی کنیز ——— جو بھی پسند آجائے۔"

میں بہکنے لگا: "اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ یہ موتی بھی آپ کے اور یہ غلام بھی آپ کا۔"

"نہیں نہیں۔ ایک لاکھ کے سودے میں آپ کو کچھ نہ کچھ نفع ضرور ملنا چاہیئے۔ میں ایک لاکھ پانچ ہزار میں یہ لڑی خرید چکی لیکن قیمت وصول کرنے کے لئے غریب خانے تک آنا پڑے گا۔"

اور میں اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اس کے جاتے ہی دکان میں قفل لگایا اور دو چار تیز قدم اٹھانے کے بعد اس کے قافلے میں شامل ہو گیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک عالی شان عمارت کے دروازے پر رک گئی۔ صدر دروازے پر یہ جملہ لکھا تھا:

اے گھر تیرے اندر غم داخل نہ ہونے پائے۔

اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے۔

جب مہمان کو اور کہیں گھر نہیں ملتا

تو تو اس کے لئے نہایت اچھا گھر ثابت ہوتا ہے

ہارون اور جعفر کی نظریں غیر ارادی طور پر ایک، دوسرے کی طرف اٹھیں اور پھر آدھے راستے میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں لیکن علی جوہری ان کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی:۔"وہ خاتون تو اندر چلی گئی لیکن مجھے چند لمحوں کے لئے دروازے پہ انتظار کرنا پڑا۔ پھر ایک کنیز نے نیم وا دروازے میں سے جھانک کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ صحن کے پار ایوان کے ایک جانب میرے لئے کرسی موجود تھی۔ کنیز نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔ دل کا عجیب عالم تھا ——— بالکل بیم اور رجا کی سی کیفیت۔ میں دزدیدہ نگاہوں سے چاروں طرف تاک جھانک کرنے لگا۔ میرے قریب ہی داہنے ہاتھ سرخ حریر کا پردہ آویزاں تھا اور پردے کے پیچھے کرسی کی نقرئی ——— منقش ٹانگیں آسانی سے نظر آ رہی تھیں۔ ذرا دیر بعد پردہ سرسرایا۔ لمحے بھر کے لئے ایک طرف ہٹ گیا اور میری پیاسی، مشتاق، بے باک نگاہیں بھٹک گئیں۔ میں کرسی پر بیٹھی ہوئی خاتون کو پہچان گیا۔ اس کے گلے میں وہی موتیوں کا مالا جھلملا رہا تھا جسے وہ ابھی ابھی مجھ سے خرید لائی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھی اور شرماتی ہوئی بولی:۔

"علی ——— میں نے آپ کو ناحق یہاں آنے کی تکلیف دی۔ یہ موتیوں کی خرید و فروخت تو محض ایک بہانہ تھا۔ میرے پاس موتیوں کی کوئی کمی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ———!"

وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئی۔ لیکن میرے دل کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ باتیں کرتی رہے اور میں اس کے پاس بیٹھا رس بھری آواز سنتا رہوں۔

اس کی خاموشی کے دوران میں ہم دونوں کے دل کی تیز دھڑکنیں آسانی سے سنائی دیتی تھیں۔ میں نے اس کی نظروں میں جھانک کر مستقبل کی جھلکیاں دیکھنے کی کوشش کی اور اسی طرح وہ میری آنکھوں میں جھانک کر نہ جانے کس چیز کو ڈھونڈھ رہی تھی۔ اور وہ ذرا دیر بعد بولی :-

"میں اس شہر میں بالکل گمنام زندگی گزار رہی ہوں۔ میرے نام سے کوئی واقف نہیں۔ اگر تم حلف اٹھا کر رازداری کا یقین دلاؤ تو میں تمہیں وہ بات بتا دوں گی جسے ظاہر کرنے کے لئے میں عرصے سے ترس رہی ہوں۔"

میں نے حلف اٹھایا جب میں قسم کھا رہا تھا تو اس کی نظریں میری نظروں سے الجھی ہوئی تھیں۔ وہ مسکرائی :-

"میں یحییٰ برمکی کی بیٹی اور امیر المومنین کے جگری دوست جعفر کی بہن ہوں —— میرا نام دنیا ہے۔"

جب میں نے اس کے خاندان کا نام سُنا تو ایک ساتھ ہزاروں اندیشے ذہن میں کلبلانے لگے۔ میں جان کے خوف سے ہکلایا :-

"مجھے معاف کر دیجئے بانو۔ ایک لاکھ پانچ ہزار کی ہوس مجھے یہاں تک کھینچ لائی۔"

اس نے میری بدحواسی کو اپنے مسرور قہقہے میں اڑانے کی کوشش کی: "تم یہاں کیوں آئے ہو؟ میں جانتی ہوں علی! تمہاری آنکھیں مجھ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتیں۔ خیر کوئی —— مضائقہ نہیں جب تم آ ہی گئے تو پھر میں تم پر احسان کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں بالکل خود مختار ہوں اور چاہتی ہوں کہ ابھی قاضی کو بلا کر تم سے نکاح پڑھوا لوں۔ کہو —— تمہاری کیا مرضی ہے؟"

اندھے کو کیا چاہیئے تھا؟ میں خاموش رہا۔ پھر اس نے تالی بجا کر ایک کنیز کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ ابھی جا کر قاضی کو بلا لائے۔ چنانچہ قاضی آگیا اور ایجاب و قبول کے بعد نکاح کا خطبہ پڑھا۔ میں نے وہی لڑی حق مہر میں پیش کی اور نکاح خوانی کے بعد ہر طرف سے مبارک، سلامت کا غلغلہ بلند ہوا۔ کنیزوں کے پورے طائفے نے ستار سنبھالے اور روح میں ڈوب جانے والی راگنیاں چھڑ گئیں۔

جب تیس پینتیس کنیزیں باری باری اپنے فن کا مظاہرہ کر چکیں تو دنیا نے اچک کر ایک کنیز سے عود لے لیا اور بڑے مزے میں گانا شروع کر دیا۔ اس کے کچھ اشعار مجھے ابھی تک یاد ہیں :۔

پاک ہے وہ خدا جس نے سارے کا سارا حسن صرف تم کو عطا کر دیا۔
میں اپنی خوبئ تقدیر پہ کیوں نہ ناز کروں۔
میں بھی تمہارے گرفتاروں میں شامل ہو گئی۔
اپنی آنکھوں کے جادو سے لوگوں کو گرفتار کرنے والے
کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے چہرے میں
آگ اور پانی کس طرح باہم دگر مل گئے ہیں؟
تو میرے دل کی جلن، میری روح کی ٹھنڈک ہے۔
تو بیک وقت۔ بے انتہا تلخ بھی ہے اور شیریں بھی۔

یہ جشن آدھی رات تک قائم رہا اور پھر ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ———— نہیں ایک دوسرے کے جوان جسموں کا سہارا لیتے خواب گاہ میں داخل ہو گئے۔ میں اس خواب گاہ کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پورا ایک مہینہ ایک پل کی طرح

گزر گیا۔ عزیز و اقارب، دکان، سامان ——— بلکہ زمان و مکان دل سے محو ہو گئے۔

ایک دن دنیا نے حمام کا قصد کیا اور جانے سے پہلے مجھے قسم دے کر بولی: "خبردار اس خواب گاہ سے قدم باہر نہ نکالنا"

میں نے اقرار کیا اور وہ باہر چلی گئی۔ ذرا دیر بعد ایک کہن سال عورت میرے پاس آئی اور بولی:۔

"بیٹا ——— تم کو شہنشاہ بیگم زبیدہ خاتون نے یاد فرمایا ہے۔"

اگرچہ میں شہنشاہ بیگم کی پابوسی کے اعزاز سے محرومی کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا لیکن مجھے معاً دنیا سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا۔ میں نے معذرت کی "قسم کھا چکا ہوں۔ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا" لیکن اس بڑھیا نے نہ مانا اور بولی:۔

"شہنشاہ بیگم کی ناراضی کے مقابلے پر کفارۂ یمیں بہت ہی آسان ہے۔"

اور میرے دل نے کہا:۔ وہ سچ کہتی ہے۔ میں زبیدہ خاتون کے فرمان کی تعمیل پر مجبور ہو گیا۔ اور سرِ تسلیم خم کئے بڑھیا کے ساتھ ہو لیا۔ ذرا دیر بعد شہنشاہ بیگم کے حضور میں پہنچ گئے۔ انھوں نے مجھے دیکھا اور فرمایا:۔

"دنیا کے محبوب تمہی ہو؟"

میں نے زمین بوس ہو کر عرض کیا: "خانہ زاد اپنی بے صبری پہ نادم ہے۔"

شہنشاہ بیگم مجھے بدحواس ——— خوف زدہ دیکھ کر دلاسے دینے لگیں: "تمہارے حسن و جمال کی جتنی تعریف سنی تھی تم اس سے کہیں زیادہ ہو۔ دنیا نے تم سے شادی کر کے غلطی نہیں کی۔ میں نے سنا ہے کہ تم عود بھی بجاتے ہو؟"

اور پھر خاموش ہا کر ایک کنیز کو عود لانے کا اشارہ کیا۔ میرے لئے ایک چوکی بچھ گئی

اور شہنشاہ بیگم نے کوئی تازہ ——— زندہ، روح گرما دینے والی دھن کی فرمائش کی۔ اس وقت میرے جذبات و محسوسات عروج پہ تھے۔ میں نے تار چھیڑنے اور تار میرے جذبات و محسوسات سے ہم آہنگ ہو گئے۔

میری عود نوازی سے شہنشاہ بیگم بہت خوش ہوئیں اور رخصت کرتے وقت دعا دی ”خدا تمہارے قد و قامت اور حسن و شباب کو نظرِ بد سے بچائے۔ اب تم دنیا کی واپسی سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ۔“

پھر وہ بڑھیا مجھے دنیا کے مکان تک چھوڑنے آئی۔ چونکہ میں باہر سے آیا تھا۔ اس لئے خواب آلود خواب گاہ کی تاریکیوں سے مانوس ہونے کی کوشش میں خاصا وقت لگا میں ایک ایک چیز ٹٹولتا ہوا بستر تک پہنچا اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی شخص بستر پہ پڑا سو رہا ہو۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ دنیا تھی۔ میں خوفزدہ ہو کر اس کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے اپنی دونوں ٹانگیں سمیٹیں اور اس زور سے لات ماری کہ مجھے یوں لگا ——— گویا میں عرش سے فرش پہ آگرا ہوں اور غصّے سے کانپتی ہوئی بولی :-

”علی ——— تم نے میری قسم توڑ ڈالی اور میری تاکید کے باوجود شہنشاہ بیگم کے محل میں جا پہنچا ——— خدا کی قسم! اگر مجھے رسوائی کا خوف نہ ہوتا تو قصرِ زبیدہ کو زبیدہ کے سر پہ ڈھا دیتی۔“

پھر اس کی آواز شدّتِ غیض سے کانپنے لگی۔ اس نے اپنے غلام صواب کو بلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی ”اس جھوٹے ——— کمینے کی گردن اڑا دو ——— اب مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“

صواب نے میری مشکیں کس لیں اور آنکھوں پہ پٹی باندھ دی۔ وہ تلوار کھینچ کر مجھ پہ مہلک وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ دنیا کی تمام کنیزیں بیک آواز فریاد کرنے لگیں :۔

"یہ علی کا پہلا قصور ہے۔ آپ کے مزاج سے واقف نہیں تھا۔ وہ اتنی بڑی سزا کا ہرگز مستحق نہیں۔"

چنانچہ کنیزوں کی بروقت سفارش سے دنیا کا جنون قدرے کم ہوا اور میرے قتل کا حکم منسوخ کر دیا۔ بولی :۔

"تمہارے کہنے پر اسے معاف کرتی ہوں۔ لیکن اسے بدعہدی —— بیوفائی کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ اس کے چہرے پر ایسے نشان لگائے جائیں جو عمر بھر تک قائم رہیں۔"

چنانچہ صواب کو حکم دیا :۔ "اس کا چہرہ داغا جائے۔"

میں دل کے زخم —— چہرے کے زخم چھپائے بڑی بے آبروئی کے ساتھ دنیا کے گھر سے باہر نکلا۔ لمحے بھر کے لئے پیچھے مڑ کر صدر دروازے پر نگاہ ڈالی۔ وہ طغرا ابھی تک آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا۔ لیکن میری نظریں صرف دوسرے شعر پہ مرکوز تھیں۔

جب مہمان کو اور کہیں گھر نہیں ملتا
تو تو اس کے لئے نہایت اچھا گھر ثابت ہوتا ہے۔

قدم قدم پر اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا بشکل کے ساتھ آہستہ آہستہ چل کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا۔ چند روز کے علاج کے بعد چہرے کے زخم تو ٹھیک ہو گئے لیکن داغ بدستور قائم ہیں۔

"اور دل کے زخم ——؟" ہارون نے بے تابی سے سوال کیا: "دل کے داغ ؟"

"ان پہ کس کی نگاہ جاتی ہے —— امیرالمومنین !"

"اسی لئے تو تم سے پوچھا جا رہا ہے ——"

"وہ تو ابھی زخم ہیں —— ناسور کی طرح رستے ہوئے زخم۔ نہ جانے انھیں داغ بننے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ ایک سال بیت چکا۔ ایک صدی سے زیادہ طویل سال۔ دل ہے کہ بہلنے ہی میں نہیں آتا۔ اور اب تو یہ بے چینیاں بے قراریاں میری زندگی میں اس طرح رچ بس گئی ہیں کہ ——!"

اور اس کے بعد علی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ہارون نے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور دل جوئی کرتے ہوئے بولا: "علی —— تمہارے فراق کی طویل، کالی رات میں صرف چند گھڑیاں باقی رہ گئی ہیں۔ تم صبح سویرے ندھڑک ہمارے دربار میں پہنچ جانا۔ تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔"

○

اگلے روز دربار میں آتے ہی خلیفہ نے جعفر کو حکم دیا: "علی جوہری اور دنیا کو دربار میں پیش کیا جائے۔"

فوراً تعمیل ہوئی۔ امیرالمومنین نے علی کو اپنے قریب جگہ دی۔ دنیا منہ پہ نقاب ڈالے ایک کونے میں خاموش کھڑی تھی۔ امیرالمومنین نے علی کی طرف اشارہ کر کے دنیا سے

پوچھا:-

"اسے پہچانتی ہو؟"

دنیا نے ادب سے جواب دیا: "امیر المومنین! کیا عورتیں بھی مردوں کو پہچانتی ہیں؟"

امیر المومنین کے چہرے پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بولے "ذرا غور سے دیکھو دنیا۔ شاید تم اس نوجوان کے چہرے کا کوئی نقش، کوئی داغ پہچان سکو؟"

دنیا بھی یحییٰ کی بیٹی ——— جعفر کی بہن ہی تو تھی: تاڑ گئی کہ امیر المومنین کو سب کچھ معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ایک دم سے زمین تک جھک گئی اور بولی: "جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں امیر المومنین اور سزا کی مستحق۔"

"ہم تمہیں واقعی سزا دینا چاہتے ہیں دنیا۔"

"اور یہ لونڈی بخوشی قبول کرے گی امیر المومنین!"

ہارون نے جعفر سے کہا: "قاضی کو بلاؤ۔"

ہارون الرشید کے دربار میں ایک بار پھر دنیا کا علی سے عقد پڑھا گیا اور امیر المومنین نے اسے نور الدین کا خطاب دے کر اپنے احباب کے حلقے میں شامل کر لیا۔

ساتواں باب

بے نام اندیشے

مامون ـــــ امین سے بمشکل ایک آدھ برس بڑا تھا اس لیئے دونوں کی بسم اللہ خوانی ایک ساتھ ہوئی تھی۔ جس طرح مامون کی پیدائش ہی سے جعفر اس کا اتالیق مقرر ہو چکا تھا۔ اسی طرح امین کے پیدا ہوتے ہی جعفر کا بڑا بھائی فضل بن یحییٰ برمکی ـــــ جو ہارون کا رضاعی بھائی بھی تھا ـــــ اتالیق مقرر ہو چکا تھا۔ دونوں اتالیق شہزادوں کی پوری زندگی کے نگران تھے اور جہاں تک مختلف علوم کی تدریس کا تعلق ہے مجتہد زمانہ استاد تعلیم پر مامور کیئے گئے تھے۔

ہارون خود اپنے وقت کا بہت بڑا عالم تھا اور عالموں کا مداح ہی نہیں بلکہ علم دوست بھی۔ یزیدی قرأت اور قرآنی امور میں اور کسائی صرف نحو میں ثقہ مانے جاتے تھے۔ ہارون نے امام مالک سے بھی درخواست کی تھی: "اگر آپ تکلیف کر کے شہزادوں کو گھر پر ہی چند لمحوں کے لیئے فقہ اور حدیث کی تعلیم دے سکیں تو عمر بھر تک آپ کا احسان یاد رکھوں گا۔" لیکن امام مالک نے گھر تک آنے کی زحمت گوارا نہ کی:۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جا سکتا۔ شہزادوں کو میرے درس میں شامل ہونا چاہیئے۔

لیکن شہزادے درس میں شامل نہ ہو سکے۔ یزیدی اور کسائی مقررہ وقت پر قصرِ کرا
ـــــــ زبیدہ کے ذاتی محل میں پہنچ جاتے تھے۔ یا تو شہزادے پہلے ہی سے موجود ہوتے
یا اطلاع پاتے ہی آجاتے۔

ایک روز یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے اُستاد کے آنے کی اطلاع کی مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہو گئی۔ خدمتگاروں نے موقعہ پا کر یزیدی سے شکایت کی:۔

"جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے خدام کو ناحق دق کرتے ہیں۔"

شکایت سُن کر استاد کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ مامون کو دیکھتے ہی کوئی بات کئے بغیر تڑاتڑ پانچ سات بید علی الحساب مارے اور ابھی وہ منہ بسورے آستینوں سے آنکھیں صاف ہی کر رہا تھا کہ جعفر کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ مامون نے تیزی سے آنسو پونچھے اور ایک کونے میں فرش پر جا کر بیٹھ گیا۔ کتاب کھول کر سامنے رکھی اور حکم دیا: "اچھا ـــ آنے دو۔" جعفر حاضر ہوا اور دیر تک کچھ تعلیم و تدریس کے متعلق اور کچھ ادھر ادھر کی عام باتیں کرتا رہا۔ اتالیق اور شہزادہ بالکل زیرِ لب ـــــ سرگوشی کے سے انداز میں گفتگو کر رہے تھے اور یزیدی ڈر رہا تھا۔ کہیں مامون جعفر سے شکایت نہ کر دے۔ جب وہ چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا: "کہیں امیر المومنین کے وزیر سے میری شکایت تو نہیں کی؟"

مامون بالکل سعادت مند ـــــــ فرمانبردار شاگردوں کے سے انداز میں بولا: "میں امیر المومنین سے تو کہنے کا نہیں۔ جعفر سے کیا کہوں گا؟ امیر المومنین نے آج سے بہت عرصہ پہلے یہ شعر سنایا تھا:۔

ایک شہزادے کی بسم اللہ خوانی جب ہوئی۔

اس کو لکھنے کے لئے ایک لوح چاندی کی ملی۔

آبِ زر سے تھا یہ مصرعہ اس کی تختی پر لکھا۔

ہے بھلی ماں باپ کی الفت سے مار استاد کی۔

مجھے یہ شعر ابھی تک یاد ہے اور عمر بھر تک یاد رہے گا۔"

یہ بالکل اور بات ہے کہ مراجل کے بعد وہ ماں کی شفقت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا تھا۔ زبیدہ نے بھی صحیح معنوں میں اسے صرف ایک آدھ مہینہ ماں کا بھرپور پیار دیا اور پھر اسے جیسے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ تو خود اپنے بچّے کی ماں بننے والی ہے تو اس کی شفقت ورحمت کے سارے جذبے صرف ان دیکھے بھالے بچے کے لئے پیشگی وقف ہو گئے اور خوش قسمتی سے زبیدہ نے بھی بیٹا ہی جنا۔ صرف ایک اعتبار سے زبیدہ کا بیٹا مامونؔ پر شرف رکھتا تھا۔ مامون کی ماں کنیز تھی ——— اور یہ کنیز خود زبیدہ ہی نے ہارون کو پیش کی تھی ——— لیکن امین زبیدہ کا بیٹا تھا۔ اور زبیدہ ہارون کے سگے چچا کی بیٹی تھی اس لئے نجیب الطرفین تھی۔ اور امین بھی نجیب الطرفین تھا۔

لیکن اصل انسانی شرف تو صرف علم کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اور ذہانت کے بغیر علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مامون فطری طور پر ذہین تھا۔

ایک بار وہ کسائی کو سبق سنا رہا تھا۔ اس زمانے کے درس وتدریس کے طریقے بھی عجیب وغریب تھے۔ کم از کم کسائی کا طریقہ یہ تھا کہ مامونؔ کو پڑھنے کے لئے کہتا اور آپ سر جھکائے غور سے سنتا رہتا اگر وہ کہیں غلط پڑھ جاتا تو کسائی کی نگاہ فوراً اُٹھ جاتی۔ اور مامون سمجھ جاتا: "غلط پڑھ رہا ہوں۔"

اس لئے دوبارہ ——— سہ بارہ پڑھتا اور حتی الامکان صحیح پڑھنے کی کوشش کرتا۔

جب مامون اس آیت پر پہنچا: "اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔"
تو معاً کسائی کی نظر اٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا: شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی ہوئی
اور جب مکرر پڑھا تو معلوم ہو گیا کہ میں تو بالکل صحیح پڑھ رہا ہوں۔ اس کے بعد کسائی کی
نظر اوپر نہ اٹھی لیکن مامون دیر تک سوچتا رہا: "بات کیا تھی؟"

کسائی کے جانے کے بعد مامون کی حیرت برابر بڑھتی چلی گئی۔ شام کے کھانے پر
جب دونوں شہزادے تھوڑی دیر کے لئے ہارون اور زبیدہ کے پاس بیٹھے تو مامون
صبر نہ کر سکا۔ اور ہارون سے سوال کیا۔

"امیر المومنین نے علامہ کسائی کو کچھ دینے کا وعدہ فرمایا ہے؟"

ہارون ایک دم چونکا: "نہیں تو ـــــ کیوں؟"

مامون بولا: "امیر المومنین نے ان سے یقیناً کوئی وعدہ کیا ہے پر بھول گئے ہیں۔"
مامون کے لہجے میں ناقابلِ تسخیر اعتماد نے ہارون کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور ذرا
دیر بعد اسے ساری بات یاد آ گئی: "او ہاں ـــــ!" وہ بولا: "اس نے قاریوں کے
لئے وظیفے کی درخواست کی تھی۔ جس کو میں نے منظور بھی کر لیا تھا۔ کیا ـــــ اس نے
تم سے کچھ تذکرہ کیا؟"

"بالکل نہیں ـــــ امیر المومنین!"

"تو پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا؟"

مامون نے وہ سارا واقعہ من و عن بیان کر دیا اور ہارون اپنے کمسن بیٹے کی ذہانت
پر اس قدر خوش ہوا کہ بے ساختہ سینے سے لگا کر اس کا منہ چوم لیا۔

ہارون اپنی اس فطری وارفتگی، پدری محبت کا مظاہرہ اس سے ایک بار پہلے بھی

کر چکا تھا۔ اور وہ کچھ اس قسم کی تقریب تھی کہ ایک شام ہارون نے دونوں بیٹوں کی ذہانت کا امتحان لینے کے لئے کچھ سوال پوچھے۔ اگرچہ امین کی برجستگی اور حاضر دماغی کا بھی کوئی جواب نہ تھا لیکن مامون کے جوابوں سے ایک مجتہدانہ پختگی ٹپکتی تھی۔ ہارون خود بہت بڑا فقیہہ اور پایہ شناسِ فن تھا۔ مامون کی علمی وسعت اور بالغ نظری پر جھوم اُٹھا اور اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

لیکن پدری شفقت کا یہ جوش ایک بار بھی امین کے حصے میں نہیں آیا تھا اور اپنے بیٹے کی یہ محرومیاں زبیدہ پر ان گنت مظالم ڈھا دیتیں۔ ہادی اور ہارون کی ساری سیاسی کشمکش اس کے سامنے تھی۔ لیکن ماستا کی اس اندھی خواہش کو کیا جائے کہ وہ زمانہ شناس ہوتے ہوئے بھی اپنے بیٹے کو بلا شرکت غیرے عباسی سلطنت کا فرمانروا دیکھنا چاہتی تھی۔ ہارون ابھی سے اس کی خواہشوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔ امیر المومنین کا مامون سے یہ پیار زبیدہ کے جذبات و محسوسات کی قطعی نفی کر رہا تھا۔ وہ چیخ اٹھی اور جب مامون و امین اپنے اپنے کمروں کو چلے گئے تو بولی :۔

"مامون کو دیکھ کر امیر المومنین کی پدری شفقت بار بار اس لئے جوش تو نہیں مارتی کہ وہ بے ماں کا بچہ ہے ؟"

"یہ بات نہیں زبیدہ۔ بلکہ مامون کے عمل میری محبت کو جوش دلاتے ہیں۔"

"کون سے عمل ؟"

"مثال کے طور پر ——— کسائی والے بالکل تازہ ترین واقعے پر غور کرو۔"

"میرے خیال میں اگر مامون کی جگہ امین کو یہ واقعہ پیش آتا تو وہ بھی بالکل مامون کی سی ذہانت کا مظاہرہ کرتا

"لیکن میرے بیٹے کو تو آپ نے ایک بار بھی سینے سے نہیں لگایا۔"

"تو پھر یقین کر لو بیگم وہ ابھی تک اپنی ذہانت کا مظاہرہ نہیں کر پایا۔"

"یہ ذہانت ــــ ذکاوت ــــ اب تو مجھے اس کے مفہوم سے گھن آنے لگی ہے۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ یہ کہ میرا بیٹا اس کنیز زادے سے کند ذہن ہے؟"

"یہ تو تم خود کہہ رہی ہو بیگم، کبھی میرے منہ سے بھی ایسی بات سُنی؟"

"نہیں ــــ بلکہ آپ مجھے یہ کہنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔"

"نہ ہوا کرو ــــ بیگم"

"کیوں نہ ہوں۔ آپ بات ہی ایسی کرتے ہیں۔ اب تو میں دونوں کا ایک ساتھ امتحان لے کر رہوں گی۔"

"میں نے کہا ــــ امتحان تو صرف محبت کا ہوا کرتا ہے ــــ بیگم۔"

"سب سے پہلے ذہانت کا۔"

"میری یا تمہاری ذہانت کا۔"

"امین اور مامون کا ــــ"

"ممتحن کون ہوگا اور ــــ منصف کون؟"

"آپ ــــ اور کون؟"

"اور اس کام کی اُجرت کون دے گا؟"

ہارون کو توقع تھی کہ زبیدہ معمول کے مطابق آنکھیں بند کر کے اپنا سر اس کے کندھوں پہ رکھ دے گی اور پھر ــــ جیسے کوئی شخص زیرِ لب خواب میں باتیں کرتا ہے۔ بالکل اسی انداز میں کہے گی "میں ــــ اور کون؟" لیکن زبیدہ نے زندگی

میں پہلی بار سنجیدگی کا ثبوت دیا۔ وہ ہارون کو قطعی طور پر نظر انداز کرتی ہوئی اٹھی اور مامون وامین کو آواز دی۔

اب تو ہارون کو بھی مجبوراً سنجیدگی کا سہارا لینا پڑا۔ اس کی سپاہیانہ حِس بہت زود اثر تھی۔ مقابلے کا بہانہ ہونا چاہیئے۔ اس میں فتح پانے کی فطری خواہش ایک دم بے تاب ہو جاتی۔ وہ بہترین کھلاڑیوں ——— شکاریوں کی طرح مقابلے کے نام پر اپنی ہر ایک چیز تج دیتا۔

جتنی دیر میں امین اور مامون آئے وہ شہنشاہ بیگم سے مقابلے کے لئے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ لیکن ساتھ ہی بچوں پر یہ ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ اور ملکہ میں صرف بچوں کے پیار پر ٹھن گئی ہے۔ امین اور مامون بھی حیران تھے کہ یا اللہ اس بے وقت طلبی کا مطلب؟ ہارون باری باری بچوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر گڑی ہوئی زبیدہ کی نظریں بار بار کہہ رہی تھیں۔ اب کس کا انتظار ہے؟ میرے بیٹے کی ذہانت کا امتحان کیوں نہیں لیتے؟

اگر امتحان لیا بھی جائے تو ——— کس چیز کا امتحان لیا جائے؟ اتفاق سے دس بارہ تازہ مسواکوں کا ایک گٹھا سا سامنے رکھا تھا۔ ہارون نے اس طرف اشارہ کر کے امین سے پوچھا:۔

"وہ میرے سامنے کیا رکھا ہے؟"

امین نے مسواکوں پر نظر ڈالی اور بولا:۔ "مساویک۔"

ہارون نے مامون کی طرف رخ پھیرا اور اس انداز میں سر ہلایا جیسے پوچھنا چاہتا ہو:۔ ہاں ——— تم بھی بتاؤ؟

مامون بولا: "مساویک ——— یا امیرالمومنین!"

ہارون نے ایک خاص شان سے زبیدہ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں پوچھ رہی تھیں:۔ کیوں بیگم؟ بالکل معمولی سی بات تھی۔ ذرا خدا لگتی کہنا۔ دونوں میں سے کس کو سینے سے لگاؤں۔ کس کا ماتھا چوموں؟

زبیدہ کی دکھتی خاموشی ہارون کی فتح کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر بچوں کی طرف رخ پھیرا۔ اس کی آنکھیں سکرا رہی تھیں۔ وہ بولا: "بس میرے بچو ——— چھٹی!"

اور جب "بچے" چلے گئے تو زبیدہ بھی ایک طویل آہ کھینچ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔ یہ آہ ایک طرح سے شکست کی آواز تھی۔ لیکن زبیدہ ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے مرتے دم تک شکست تسلیم نہ کی۔ اور ہارون اپنے چچا کی بیٹی ——— اپنی بیوی زبیدہ کی فطرت سے کماحقہٗ آگاہ تھا۔ صرف اس کی فطرت ہی سے نہیں بلکہ عباسی سلطنت کی بساط پر زبیدہ کے سیاسی اثر و رسوخ سے بھی۔ وہ مہدی کے سگے بھائی جعفر کی بیٹی اور منصور السفاح ——— خون آشام منصور عباسی ——— کی پوتی تھی۔ پھر ملکہ خیزران سے تو اس کا دوہرا رشتہ تھا۔ ایک ساتھ بھانجی بھی اور بہو بھی۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مامون کے مقابلے پر ——— جس کی ماں ایرانی کنیز تھی ——— متحدہ عرب امرا کی ہمدردیاں امین ہی کے ساتھ ہوں گی کیونکہ اس کی ماں بھی نجیب الطرفین عرب زادی ——— خالص عباسی ہے یمکن ہے خالص عرب خون کی وجہ سے آل ابوطالب بھی امین ہی کے خیر اندیشوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اور پھر خیزران اور ہادی و ہارون ——— زبیدہ اور امین و مامون۔ پھر لیلۃ الہاشمیہ ——— یعنی ایک خلیفے کی موت، دوسرے کی تخت نشینی اور تیسرے کی ولادت۔

یہاں پہنچ کر ہارون بڑی آسانی سے فلسفے کا فریب کھا جاتا۔ لیکن اسے فریب خوردہ سمجھنے کا کیا جواز ہے؟ وہ تو خود ولی عہدی کی مہر رضا اور رغبت کے ساتھ اپنی انگلی سے اتار کر دجلہ میں پھینک چکا تھا۔ وہ رادی چیزوں کو دیکھنے والی آنکھیں بند کر کے شعور کی —— محسوس کرنے والی آنکھوں سے پہروں شہزادوں کے چہرے گھورتا اور قیافہ شناسی کرتا رہتا۔

مامون کے بھاری بھاری، ٹھہرے ٹھہرے خدوخال بچپن سے ابھرتی ہوئی سنجیدگی، پناتلا ہوا مزاج، بلند حوصلگی، کشادہ ظرفی، وسیع نظری۔ جہاں تک حکومت۔ نام ونمود —— چمک بھڑک کا تعلق ہے مامون بالکل ہارون کی طرح بچپن ہی سے گوشہ نشین سا لگتا تھا۔ اگر ہادی کی جگہ امین آگیا تو مامون اپنی انگوٹھی دجلہ میں پھینک دینے پہ مجبور ہو جائے گا۔ پھر امین کی اولاد —— پھر ہادی اور ہارون۔ پھر امین اور مامون۔

جب ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تو تسکین —— تسکین قلب کے حصول کا صرف ایک دریچہ کھلا رہ جاتا۔ اللہ کی زمین اور ہارون کی جبین۔ یہی وہ لمحات تھے جن میں ہارون کو پہچاننا بہت مشکل ہو جاتا۔ لوگ یقیناً ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے :۔ وہ راگ رنگ کا رسیا —— وہ نبیذ کے زرم رو رہوار کا شہسوار ہارون کہاں ہے؟

وہ باقاعدگی کے ساتھ ہر رات ایک سو رکعت نفل پڑھا کرتا تھا اور جب بد ذات بیگمی اثرات بے نام و نشان اندیشوں کے تاریک بادلوں کا روپ دھار لیتے تو صبح تک یہی کیفیت طاری رہتی۔

الف لیلے کے غیر فانی افسانوں کا ہیرو ہارون دنیا کے ان چند کرداروں میں سے ایک ہے جن کے متعلق کوئی پیش گوئی نہ کی جا سکی۔ وہ بادی خوشیوں، مسرتوں ——

عیش و نشاط کے لیے پری پیکر، میٹھی آواز والی فسوں کار ——— فن کار کنیزوں کے حضور بیٹھ جاتا۔ جلتے ——— دہکتے ہوئے جام گردش میں آتے اور وہ ہونٹوں اور آنکھوں میں اتارتا چلا جاتا۔ وہ عشرتوں کا اتنا حریص خوشہ چین واقع ہوا تھا کہ ہمیشہ تنگیِ داماں کی شکایت کرتا رہا۔

اور پھر اس کا تلون پسند دل ان ہنگاموں سے اچانک بھر جاتا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی کیفیت طاری ہو جاتی جس میں ریشمی شلواروں کی سرسراہٹ سے اس کے ذہن پر خراشیں پڑ جاتی تھیں اور ان کا عذاب صرف ہارون ہی محسوس کر سکتا تھا۔ یہی وہ عذاب تھا جس سے بچنے کے لیے اس نے ہمیشہ روحانیت سے پناہ طلب کی۔

وہ زبیدہ کی سوچ کے دھاروں کو اپنے محسوسات کے بلند ——— مضبوط کناروں سے دور ہٹتا دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا۔ زبیدہ کو اس کی دھندلی سی جھلک دکھانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ نہیں ——— یہ بات نہیں۔ بلکہ زبیدہ اس کے محسوسات کا ساتھ دینے کو تیار ہی نہ تھی۔ وہ ہارون کی بیوی تو تھی ——— ایسی بیوی کہ کوئی دوسری بیوی نے اتنی بے اختیاری کے ساتھ اپنے خاوند سے کم ہی پیار کیا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ امین الرشید کی ماں بھی تھی۔ اور ہارون جانتا تھا: محبت کی طرح مامتا بھی اندھی ہوتی ہے۔

کاش ——— زبیدہ کو آنکھیں مل جاتیں۔ ہارون نے اچانک حج کا قصد کیا۔ کعبہ کے گرد طواف کرتے وقت وہ صرف یہ دعا مانگے گا: "رب کعبہ! زبیدہ کو میری بصیرت عطا کر دے۔" وہ جانتا تھا۔ طواف کرتے وقت جو دعا مانگی جائے۔ مستجاب ہوتی ہے۔

آٹھواں باب

امام موسیٰ کاظم

عالم اسلام کے خلیفہ کی حیثیت سے یہ ہارون کا پہلا حج تھا۔ اس لئے خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا۔ دونوں شہزادے فضل اور جعفر اور وہ تمام بذلہ سنج درباری ساتھ جا رہے تھے جن کے دم قدم سے سفر و حضر میں گوناگوں اور بوقلموں محفلیں گرم ہوتی تھیں اگرچہ زبیدہ ساتھ نہیں جا رہی تھی لیکن وہ ہارون کے پہلے حج کی خوشیوں میں برابر کی شریک تھی۔ اس نے بیت اللہ کے لئے ایک بیش قیمت غلاف تیار کرایا تھا۔ غلاف کو کعبہ تک پہنچانے کے لئے شہنشاہ بیگم کی فرمائش پر جو محمل سجایا گیا تھا وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اور محمل کے ساتھ جلوس کی حیثیت سے اس نے اپنے خرچ پہ پورے پانچ سو حجاج کے قافلے کا بھی انتظام کیا تھا۔

یہ بالکل سچ ہے کہ خلفاء بنو عباس دلی جوش و خروش کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا کرتے تھے۔ انہیں یہ کام کرنا ہی پڑتا تھا کیونکہ انہوں نے بنو امیہ کا تختہ اُلٹتے وقت ان پہ یہ الزام بھی لگایا تھا کہ وہ دینی فرائض کی پابندی نہیں کرتے۔ ہارون اپنے آباد اجداد کی روایت کے مطابق ننگے سر، ننگے پاؤں —— پیدل روانہ ہو رہا تھا یہ بالکل وہی

ہارون تھا جس کے شبستانوں کو سرد رکھنے کے لئے سلطنت کے برفانی علاقوں سے روزانہ ہزاروں دینار خرچ کر کے برف منگایا جاتا تھا۔ یہ وہی ہارون تھا جس کی عیش کوشی اور راحت پرستی کے افسانے پیر و جوان کی زبان پر تھے۔

قید خانے کے قریب سے گزرتے ہی ہارون کو معاً اپنے ان قیدیوں کا خیال آیا جن میں سے ایک ——— ابوالعتاہیہ اپنے عہد کا نامور شاعر تھا اور دوسرا ——— عصر آفریں موسیقار ابراہیم موصلی۔ وہ بچپن ہی سے ان دو بڑی شخصیتوں کے مقام اور مرتبے سے آگاہ ہو چکا تھا۔ ابراہیم کے بغیر راگ رنگ کی کوئی محفل مکمل نہیں سمجھی جا سکتی تھی بالکل اسی طرح ابوالعتاہیہ کے بغیر شعری محفلوں میں بھی کمی سی محسوس ہوتی تھی۔

ہارون سوچنے لگا :۔ بڑا اچھا موقعہ ہے۔ اگر خود دار قیدیوں نے رہائی کی کوشش نہیں کی تو خود مجھے کوئی عذر تلاش کر کے انہیں معاف کر دینا چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں کے بغیر ہارون اپنی زندگی کی محرومیاں بری طرح محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ بھرے بولا۔

"بڑا عمدہ موقعہ ہے۔ ابوالعتاہیہ سے کہو۔ حج کی تہنیت میں کچھ اشعار کہے اور ابراہیم موصلی ان کی دھن تیار کرے۔ میں دونوں کی تالیف قلوب کر کے ——— دونوں کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

ہارون کو یقین تھا کہ نازک احساس شاعر اور زود رنج موسیقار ایک عرصے کی قید کے بعد افہام و تفہیم کے اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ لیکن یہ اس کا ذاتی خیال تھا۔ ابوالعتاہیہ نے جواب دیا :۔ امیرالمومنین نے قید کے پردے میں مجھے ایسی تنہائی، فراغت، یکسوئی اور اطمینان سے متعارف کر دیا ہے جو میرے لئے آسمانی نعمت سے کسی طرح کم نہیں۔ خدا کے لئے عمر بھر تک یہی کیفیت طاری رہنے دیجئے۔ رہی دنیا تک

احسان مند رہوں گا۔

اور ابراہیم موصلی کا جواب بھی کچھ اسی قسم ہی کا تھا۔ ہارون کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے قید خانے کی دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے حکم دیا:" دونوں کمبختوں کو بغداد سے باہر کسی اندھے کنوئیں میں قید کر دیا جائے اور دونوں کے درمیان دیوار کھینچ دی جائے تاکہ ایک دوسرے سے بات بھی نہ کر سکیں۔ تنہائی کی یہ قید ہفتے بھر میں ان کے مزاج درست کر دے گی!"

جعفر کا جی چاہا۔ ہارون سے سفارش کرے۔ زود رنج، زود حس، بے گناہ مجرموں کو ایسی سخت سزا نہ دی جائے۔ لیکن اس کے بغیر صلح صفائی کا کون سا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ کیا امیر المومنین خود جا کر ان سے معافی مانگیں؟ جہاں تک جعفر کی ذات کا تعلق ہے۔ وہ ہارون سے چوری چوری کئی بار دونوں کی منت خوشامد کر چکا تھا۔

چنانچہ جب جعفر ہارون کا حکم نافذ کرنے کے لئے داروغہ زنداں کی طرف جانے لگا تو ہارون نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا:" ذرا ٹھہرو۔ داروغہ زنداں سے اس بات کی خاص تاکید کرنا کہ جہاں تک قیدیوں کی نجی ضروریات ——— کھانے پینے اور آرام و آسائش کا تعلق ہے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

جعفر کے چلے جانے کے بعد ہارون کافی دیر تک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا سوچتا رہا۔ مشرق کے سب سے بڑے سلطان کا ذہن اس وقت مختلف خیالات کی آماجگاہ تھا۔ یہ مشاعرہ باز شاعر اور گلی کوچے میں گانے بجانے والا مغنی اسے کیا سمجھتے ہیں؟ سلطان روم کے جانشین اور شارلیمین ایسے ذی شان یورپی تاجدار جس شخص کی فرمائش پوری کرنے کو زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ ابوالعتاہیہ اور ابراہیم موصلی ایسے لوگ اس کی معصوم خواہشات کو کس بے دردی سے ٹھکرا رہے تھے۔ ایک طویل ٹھنڈی آہ

بھرنے سے پہلے اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس کے دل نے کہا:۔ یہ سلطانی بھی بڑا بے کیف ـــــ دل شکن کاروبار ہے۔

اور وہ سینکڑوں خدام، ہزاروں حجاج کے قافلے کے ساتھ حجاز روانہ ہوگیا۔

قدیم شاہراہ پر میلوں تک قالین بچھا دیئے گئے تھے تاکہ ننگے پیر حج کو جانے والے آرام طلب ہارون کے پاؤں محفوظ رہیں۔ جیسے جیسے قافلہ بڑھتا چلا جاتا، پیچھے سے قالین سمٹتے اور آگے کو بچھتے چلے جاتے۔ لیکن اس کی نظریں صحیح معنوں میں حرم پاک اور مدینۃ الرسولؐ پر جم چکی تھیں اور رقت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے حاجیوں کے ساتھ ـــــ بلغ العلا بکمالہ، کشف الدجا بجمالہ، حسنت جمیع خصالہ، صلو علیہ وآلہ کا ورد کرتا۔ اپنے چہرے کو آنسوؤں سے دھوتا گردوپیش سے بے نیاز آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔

حج میں ہارون کی شرکت کی خبر دُور دُور تک جا پہنچی تھی۔ عرب شیوخ امیر المومنین کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔ صناع اور صنعت کار بھی ایجاد و اختراع کے قدردان خلیفہ کی خوشنودی ـــــ سرپرستی حاصل کرنے کے خیال سے جدت اور بوقلمونی کے مظاہرے پر تل گئے۔ حجاز کی شاہراہ میں منزل منزل پر منڈیاں اور بازار لگ گئے۔ خلیفہ کے دیدار کے مشتاقوں کا یہ عالم تھا کہ سڑک کے دو رویہ ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے۔ مخیر اور اہلِ ثروت اشخاص نے جگہ جگہ پر ٹھنڈے، میٹھے، معطر پانی کی سبیلیں لگا رکھی تھیں اور انواع و اقسام کے کھانے پک رہے تھے۔ جہاں قافلے کی رفتار مدھم ہوتی، ہارون اور ہارون کے مصاحبوں کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کر دیئے جاتے۔

قافلے کے پہنچتے ہی دیارِ حرم کی رونقیں عروج پر پہنچ گئیں۔ شاہی قافلہ بیت اللہ کے

قریب ایک وسیع میدان میں اُترا۔ ایک کونے پر امیر المومنین کا خیمہ تھا۔ دوسرے پر ملکہ زبیدہ کے حاجب کا۔ جو غلاف کعبہ اور محمل غلاف کعبہ کی نگرانی کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ صرف نگرانی ہی کے لیئے نہیں بلکہ وہ اس حج میں ملکہ کی پوری پوری نمائندگی کر رہا تھا۔ تیسری طرف مامون کا خیمہ تھا اور چوتھی سمت امین کا۔

ہارون کے ہم رکاب عرب امرا اور شرفا کے خیموں سے اپنی قسم کا انتہائی حسین شہر خیام آباد ہو گیا تھا۔ پھر ہارون کے مصاحب، علماء، مشائخ، فیلسوف اور شاعر —— اور شہزادوں کے اتالیق فضل اور جعفر کے خیمے۔ اور ان خیموں میں دیناروں کے انبار لگ گئے۔

زبیدہ نے اپنے حاجب کو تاکید کی تھی: "یہ بات نہیں کہ میں سخاوت اور فیاضی کے مظاہرے میں امیر المومنین پر سبقت لے جانا چاہتی ہوں —— واللہ، ہرگز نہیں —— لیکن یہ ضرور چاہتی ہوں کہ اگلے حج تک حجاز کا کوئی حاجتمند کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے۔"

جس ماحول میں اس قسم کے جذبے سرسرا رہے ہوں وہاں ہارون کے دل کا کیا عالم ہو گا؟ یہ اس کا پہلا حج تھا۔ پھر دونوں شہزادے اس کے ساتھ تھے اور طرّہ یہ کہ آلِ عباس کے ساتھ آلِ برمک کے دونوں ممتاز اراکین فضل اور جعفر بھی موجود تھے۔ اس خاندان کی فیاضیوں کے افسانے —— واقعی افسانے معلوم ہوتے تھے۔

اور پھر اچانک بے برگ و گیاہ ریگستان میں سنہری دریا ٹھاٹھیں مارنے لگے۔ درہم و دینار کی موسلا دھار بارش کا یہ عالم تھا کہ حاجت مند بجا طور پر تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگے۔ ایک ساتھ کئی دھارے اُبل رہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے

ہر ایک دھارا دوسرے سے بہت آگے نکل جانا چاہتا تھا۔ ایک طرف ہارون، زبیدہؒ اور ان کے بیٹے تھے اور دوسری طرف یحییٰ برمکی کی اولاد ــــــ اس یحییٰ کی اولاد جس کی فیاضی کے ناقابلِ قیاس افسانوں کے ثبوت میں صرف یہ شعر پیش کر دینا کافی ہے ؎

جب دنیا کا رخ تمہاری طرف پھرا ہوا ہو تو بخل سے کام نہ لے۔
کیونکہ سخاوت سے دولت میں کمی نہیں آسکتی۔
اور جب دنیا منہ موڑ لے تو پھر سخاوت کرنا اور زیادہ مناسب ہے۔
کیونکہ اگر دنیا نہیں تو اس کا شکر تو یقیناً باقی رہے گا۔

اسی ماحول سے متاثر ہو کر ایک اور شاعر کیا بات کہہ گیا ؎

میں نے سخاوت سے پوچھا، تو آزاد ہے ؟ نہیں ! اس نے جواب دیا۔
بلکہ میں تو یحییٰ برمکی کی کنیز ہوں۔
میں نے کہا، اس نے تمہیں خریدا تھا ؟ بولی، نہیں
میں تو اسے باپ دادا سے وراثت میں ملی تھی۔

○

اور پھر حج کی رسمیں ادا کرنے کا وقت آن پہنچا۔

ہارون الرشید کی سخاوت بدو قبائل کا دل موہ چکی تھی۔ انسانوں کا ایک سیلاب تھا کہ تھمنے ہی میں نہ آتا تھا۔ لیکن حرم کو جاتے وقت ہارون کے سامنے اپنے آپ راستہ کھلتا چلا جاتا تھا۔

حرم کے اندر قدم رکھتے ہی ہارون کو سب سے پہلے جس بے آواز تبدیلی کا پتہ چلا وہ یہ تھی کہ تمام مادی وسیلے ایک دم سے معدوم ہو گئے تھے۔ بندہ و آقا کا امتیاز مٹ چکا تھا۔ وجد ——— سرمستی کی سی کیفیت طاری تھی۔ انسان اپنے آپ ——— اپنے ارد گرد کی کیفیت میں گم ہو گیا۔ لیکن مستانہ وار پیش قدمی کی اُمنگ دل کی دھڑکن کا بہانہ بن گئی تھی۔ آگے ——— اور آگے ———

اور پھر گوشت و پوست پگھلے ہوئے دلوں اور لڑکھڑاتی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے ناقابل عبور دیوار کی طرح ہارون کے راستے میں حائل ہو گئے۔ وہ رک گیا۔ گرد و پیش نگاہ ڈالی ذرا دور لوگ جھک جھک راہ بنا رہے تھے۔ اور پھر ایک دم صلواۃ و سلام کا غلغلہ بلند ہوا :۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

ہارون کی نظریں ایک جگہ شل ہو گئیں۔ ایک درویش صفت نوجوان اس کی آنکھوں کا مرکز بن کر رہ گیا۔ لوگ اس کے سامنے جھک جھک کر پکار رہے تھے حبذا یا ابن رسول اللہ

ہارون جعفر کی طرف جھکا "یہ کون ہے؟"

"امام موسیٰ کاظمؑ"

اوہ ——— امام موسیٰ کاظمؑ۔ ہارون سوچنے لگا "کہاں تھے؟ ہماری ملاقات کو بھی نہیں آئے۔"

"کل رات دیر سے اترے ہیں۔ میں موجود تھا۔ آپ کی طرف سے ملاقات کی دعوت دینے کے لئے۔ کہتے تھے۔ حج کیا جا رہا ہے۔ جذب و کیف کا عالم ہے۔ ادائے فرض کی لذت میں کسی قسم کی مداخلت برداشت کرنے کی تاب کہاں؟"

اور پھر ہارون کو ایک ساتھ کئی باتیں یاد آگئیں۔ مدینہ سے کسی خیر اندیش نے ایک بار

اپنے خط میں اشارہ کیا تھا:۔ امام کاظمؑ کے معتقد اپنے اموال کا پانچواں حصہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور انہیں اپنا امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں۔ اس کے تحت الشعور کی تاریکیوں میں ایک مہیب جذبہ کلبلانے لگا۔ اس کے اپنے اندر سے ایک مانوس آواز یہ سوال کرتی سنائی دی:۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ حج کے لئے؟ طواف کرتے وقت یہ دعا مانگنے کے لئے کہ:۔ رب کعبہ! زبیدہ کو میری بصیرت عطا کر دے۔ تم خوب جانتے ہو کہ طواف کرتے وقت جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے۔

ہارون کو ایک اجنبی قہقہے ——— کی مسلسل گونج سنائی دی۔ نہ جانے یہ قہقہہ کس دھات کے گنبد میں لگایا گیا تھا۔ حجاز کا ذرہ ذرہ اس کے ارتعاش سے دھڑکنے لگا۔ قہقہے کی صدائے بازگشت بڑھتی، پھیلتی، گہری ہوتی چلی گئی۔ اور پھر یوں لگا جیسے ہنسنے والا شخص اچانک خاموش ہو جانے کے بعد کہہ رہا ہو۔ تم جانتے ہو نا طواف کرتے وقت جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے؟

تم طواف کرنے آئے ہو؟ بالکل نہیں۔ تم تو دعا کی غرض بھی اپنے ساتھ لائے ہو۔ لیکن مسلمانوں کی رقابت اور خلافت کا یہ تیسرا دعوے دار امام موسیٰ کاظمؑ کہاں جائے گا؟ ہارون ——— تمہیں تو حقیقت میں مدینے والے خیر اندیش کا خط یہاں کھینچ لایا ہے۔ کے اردگرد طواف اور دعا کی باتیں بس باتیں ہی ہیں۔ جب تک موسےٰ کاظمؑ اپنے ٹھکانے نہیں لگتا اس وقت تک نہ تو تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ نہ زبیدہ کو۔

حج ادا کرتے ہی ہارون خود امام سے ملنے آیا اور صحیح معنوں میں اس درویش ہاشمی نوجوان کی روحانی برتری کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے تم سے ملنے میں سبقت کی، صرف اس لئے کہ تمہیں مجھ سے ملنے کی زحمت

نہ اٹھانی پڑے۔ بنی ہاشم اور بنی عباس ـــــ کوئی زیادہ فرق نہیں۔ میں تو تمہیں مامون و امین ہی کی طرح شہزادہ تصوّر کرتا ہوں۔"

حادثۂ کربلا کے بعد اہلبیت کی خاموشی ضرب المثل بن چکی تھی۔ امام خاموش رہا۔ ہارون کے اشارے پر خدّام نے سرخ دیناروں سے لبریز تھیلیاں نذر میں پیش کیں۔ ہارون نے اپنے ہاتھ سے خلعت کندھوں پر آراستہ کیا اور بولا: "عزیز بھتیجے۔ میں تمہیں مامون وامین کا تیسرا بھائی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میرا بس چلتا تو تمہیں اسی وقت بغداد ساتھ لے جاتا۔"

اور امام بخوشی ساتھ جانے کو رضامند ہو گیا۔

واپسی پر شاہانہ قافلے کی رونقیں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ حجاز کی طرف جاتے وقت صرف صلوٰۃ سلام کے ورد تھے۔ اب شعر و ادب کی محفلیں بھی جم جاتیں اور ہارون آنکھ بچا کر راگ رنگ کے جشن بھی مناتا چلا گیا۔ اس نے جس مقصد کے لئے ننگے سر ننگے پاؤں اتنا کٹھن سفر کیا تھا اس سے کامیاب واپس آرہا تھا۔ اب مامون اور امین کی جگہ ان کا تیسرا شہزادہ بھائی امام موسےٰ کاظمؑ بھی ساتھ تھا۔

جب قافلہ بغداد کے قریب پہنچا تو دوسرے مصاحبوں سے آنکھ بچا کر ہارون نے جعفر و مسرور کو ساتھ لیا اور چپ چاپ اس کنوئیں پر پہنچ گیا جس میں ابو العتاہیہ اور ابراہیم موصلی قید تھے اور دونوں کے درمیان خاصی اونچی دیوار کھڑی تھی۔ منڈیر پر کھڑے ہوئے ہارون نے جھانک کر دیکھا۔ کنوئیں میں تاریکی اور تنہائی ـــــ تاریک سکوت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ زندان کا داروغہ ہانپتا کانپتا خلیفے کے سلام کو آیا۔ ہارون نیچے ـــــ کنوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے بولا:۔

"ان کے کھانے پینے میں تنگی تو نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں ——— امیر المومنین!"

"کوئی شکایت؟"

"ایک شکایت امیر المومنین، وہ تو کئی شکائیتیں کریں گے!"

ہارون اور جعفر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ہارون کا تبسم کہہ رہا تھا:۔کیوں جعفر یہ دیوار والی کاری گری کیسی رہی؟ ہارون بولا:۔

"مثلاً؟"

"سب سے پہلے تنہائی کی!" داروغہ بولا۔

"اور ———؟"

داروغہ نے منہ کھولا ہی تھا کہ ہارون نے اپنے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر خاموشی کا اشارہ کیا۔ کنوئیں کی تہ سے ابھرتی ہوئی آواز کی بھنک اس کے کان میں پڑ چکی تھی۔ وہ منڈیر پر جھکا۔ ابوالعتاہیہ ابراہیم سے کہہ رہا تھا:۔

"ہارون کی عمر ہادی سے بہت لمبی دکھائی دیتی ہے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" ادھر سے ابراہیم سرتال کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

"لیکن اب تو جھنجھناتی ہوئی نقرئی آوازوں کے بغیر جینا قطعی ناممکن ہے ابو!"

"اگر سچ پوچھو تو میں کبھی کا مر بھی چکا ہوں۔" ابراہیم بولا:۔"یہ تم جو کچھ سن رہے ہو میری وہ آواز ہے جو ابھی تک دیوار کے ارد گرد بھٹک رہی ہے!"

"ایک بات اچھی طرح سوچ لو۔ آدمیوں کی طرح زندہ رہنے کے لئے وقار کا

جنازہ اٹھانا پڑے گا۔"

"ارے ——— اپنی خاقوں سے اکڑی ہوئی لاش کے مقابلے میں وقار کا جنازہ بہت ہلکا ہوگا۔ اور دونوں مل کر اٹھائیں گے۔ تمہاری قسم بغداد میں یہ جلوس بھی دیکھنے والا ہوگا۔"

"تو پھر میری آواز سے ہم آہنگ ہو کر گاؤ ——— انا للہ وانا علیہ راجعون۔"

"ارے کم بخت یہ آئتیں تو وہ رات میں سو سو بار خود بھی پڑھتا ہے۔" ابراہیم زور سے چلایا: "اگر اپنی آواز ہارون تک پہنچانی ہے تو پھر کوئی کھولتا سا شعر کہو ——— کئی شعر ——— پوری غزل۔ دیکھنا کیسی دھن تیار کرتا ہوں۔"

"اس جہنمی تاریکی نے ذہن کے سارے جھروکے بند کر دیے ہیں ابو۔ سورج کی حرارت کے بغیر کھولتے ہوئے شعروں کا ڈھلنا ناممکن!" اور اس کے ساتھ ہی وہ لمبی ——— ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

ہارون ابھی تک مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ سے ناقابل برداشت اذیت برس رہی تھی۔ وہ جعفر سے بولا: "اب اس سے زیادہ اور کیا منواتے ہو؟ انہیں چھوڑ دو جعفر۔ میں اپنی محفلوں کی افسردگیاں برداشت کر لوں گا۔ لیکن انہیں زندگی بخشنے والے نور سے محروم رکھنا ——— انہیں فوراً آزاد کر دیا جائے۔"

○

ہارون کی واپسی پر بغداد میں رات بھر جشن چراغاں منایا گیا۔ ہارون کو کئی محفلوں میں شرکت کے دعوے نامے آئے۔ لیکن آج وہ اپنی علیحدہ مجلس جمانے کا فیصلہ کر چکا تھا

ابو العتاہیہ اور ابراہیم موصلی ایسے بلند بال طائر ایک عرصے کی کشمکش کے بعد ہاتھ آئے تھے خصوصیت کے ساتھ ابراہیم کا گانا سنے بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ اور موسیقی کے اس مجسمہ کی قربت سے دوری کی بنا پر ہارون یوں محسوس کرتا رہا تھا گویا وہ جس دنیا میں سانس لے رہا ہے اس کا دامن موسیقی سے بالکل خالی ہے۔

وہ مامون اور امین کے تیسرے بھائی امام موسےٰ کاظم کو اپنے ایک معتقد مصاحب سندی بن شاہک کے حوالے کر چکا تھا خبردار۔ یہ ہاشمی نوجوان لمحے بھر کے لئے بھی تمہاری آنکھ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔"

سندی بن شاہک کو اپنا مافی الضمیر سمجھانے کے بعد ہارون بطور خلیفہ اپنی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو گیا ور راگ رنگ کی محفل جمنے لگی۔ سب سے پہلے ابوالعتاہیہ نے قصیدہ پڑھا:۔

خلافت مطیع ہو کر کشاں کشاں اس کے پاس آگئی

بھلا وہ اور کس کے پاس جا سکتی تھی؟

خلافت اس کے شایان شان ہے اور وہ خلافت کے۔

تو رحمت اور سلامتی ہے۔ اللہ تجھے خوشی اور بزرگی عطا کرے۔

مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں!

لیکن میں ایسی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔

کیا ——— میں اس لائق ہوں کہ مجھے دکھ پہنچایا جائے؟

اگر آپ کو میرا خیال ہے تو مجھے آرام پہنچائیں۔

اللہ آپ کو اس کی نیک جزا دے گا۔

ہارون کے خوشامدی ایک ایک شعر پر جھوم جھوم اُٹھتے اور ابوالعتاہیہ کو دل کھول کر داد دیتے۔ لیکن ہارون کے ہاتھ ابھی تک ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ حتےٰ کہ قصیدہ ختم ہوگیا۔ ایک عرصے کی محرومی کے بعد شاعر کو ہارون ایسے فیاض قدردان سے بہت اونچے انعام کی توقع تھی۔ لیکن اس نے آنکھ چرا کر ابراہیم سے اشارہ کیا: "ہاں! اب تمہاری باری ہے۔"

ابراہیم جانتا تھا کہ قید سے رہائی دلانے کے بعد ہارون الرشید ان دونوں کی زندگی کی ساری ضرورتوں سے بے نیاز ہوگیا۔ بغداد ایسے مہنگے شہر میں زندہ رہنے کے لئے بہت سے دینار درکار تھے۔ اور ابوالعتاہیہ کو انعام سے بالکل محروم رکھا گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا:۔ اگر میں بھی محروم رہا تو پھر بغداد کے باہر اسی کنوئیں کے سوا —— جس کی درمیانی دیوار بدستور موجود تھی —— اور کہیں ٹھکانہ ملے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی سب سے بہترین دھن چھیڑی اور جب اس کا فن بام کمال کو چھونے لگا تو اس نے ابونواس کی یہ غزل چھیڑ دی:۔

مجھ سا زمانے میں اور کون ہوگا؟ شراب میرا پانی ہے
اور شراب رنگ رسیلے ہونٹوں کے بوسے میری میوہ
مجھے اس دہکتی آگ سے روکنے والے۔ تم کیا جانو۔
یہ تو اس وقت پسند کرلی گئی تھی کہ ابھی ستارے حرکت میں نہ آئے تھے۔
شراب ایسی خوشبو دینے لگی ہے جس سے میری تاریک رات روشن ہوگئی۔
تو سو گیا میرے دوست۔ لیکن میں جاگ رہا ہوں
مجھے وہ نوجوان پلا۔ جو رحم میں بوڑھی ہوچکی ہے اور
اسے شباب نے اس وقت لبیک کہا جب وہ بوڑھی ہوچکی تھی۔

اس کا بھرپور شباب دیکھنے کی چیز ہے۔

اگر اسے تمہاری طرح، ایک دوسرے سے ہٹی ہوئی کلیوں جیسے

ہونٹ عطا ہو جاتے۔ تو وہ پرانے زمانے کے سارے قصے سنا ڈالتی۔

اس میں وہ ہاتھ پانی ملا رہے ہیں جو صرف جام و قلم کے لئے گھڑے گئے ہیں۔

میرے ندیم شریف سردار ہیں۔ شریف اور فیاض۔

انہیں دنیا بھر کی ہر ایک لذّت میسّر ہے۔

اور اس دمکتے ہوئے چہرے والی شراب کا بھرپور شباب

ان کے رگ و ریشے میں اس طرح نفوذ کر گیا ہے۔

جیسے بیماری میں تندرستی۔

اشعار اور ابراہیم موصلی کی آواز کی شہ پا کر ہاتھوں، جاموں اور ہونٹوں کے فاصلے بالکل نابود ہو گئے تھے۔ جب ابراہیم غزل سنا چکا تو ہارون نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو درہم نکالے اور باری باری ایک درہم ابراہیم اور ایک ابوالعتاہیہ کو پیش کیا۔

لمحے بھر کے لئے دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کرنے کے بعد ابوالعتاہیہ پورے درباری آداب ملحوظ رکھ کر انعام حاصل کرنے کے لئے زمین تک جھکا اور جعفر سے کہا: "صدیوں کی قید کے بعد ضعف اور پریشانی کا یہ عالم ہے کہ اتنا بھاری انعام نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے معزز وزیر میری طرف سے یہ مال و دولت اپنے پاس رکھیں۔ خانہ زاد کو جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہے گی، تھوڑے تھوڑے پیسے آپ سے لیتا رہوں گا۔"

ہارون اور جعفر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ابھی ابراہیم باقی تھا۔ ہارون اس کا

جواب بھی سننا چاہتا تھا۔ وہ بولا:۔

"خانہ زاد کی طرف سے بھی مضمون واحد۔"

ہارون نے بھرپور قہقہہ لگایا اور خدام کو اشارہ کیا: "دونوں کو دس ہزار درہم اور مرصع خلعتیں مرحمت کی جائیں۔"

اب دونوں بے صبری سے اٹھے اور جب دونوں ہاتھوں سے درہم و خلعت وصول کر رہے تھے۔ ہارون بولا:۔

"تم دونوں کو باقاعدگی کے ساتھ دربار میں حاضری دینی پڑے گی۔"

ابوالعتاہیہ اور ابراہیم موصلی سے صلح صفائی کے بعد ہارون کا خیال تھا کہ بعض وہ بے نام اندیشے جو تخت نشین ہوتے ہی اس کے ذہن پر گہرے سائے ڈال رہے تھے ایک دم دور ہو جائیں گے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک ابراہیم موصلی کی آواز کا جادو قائم رہا۔ ہارون ان دیکھی بھالی وادیوں میں حیرت انگیز خواب دیکھتا رہا۔ لیکن موسیقی کا طلسم ٹوٹتے ہی اس کا ذہن مستقبل کی تاریکیوں میں ڈگمگانے لگا۔

خصوصیت کے ساتھ امین و مامون کا تیسرا بھائی —— امام موسیٰ کاظم عباسی سلطنت کے افق پر ایک عجیب تارے کی طرح ابھرا۔ اس کی روشنیاں آلِ عباس کے حق میں مفید ہوں گی یا مضر؟ لیکن وہ ایسا ہیئت داں نہیں تھا جسے صحیح جواب دینے کے لئے کسی اور ماہر فلکیات سے مشورے کی ضرورت پیش آتی۔

وہ بستر پہ پڑا بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کی ساری سوچیں امین اور مامون کے تیسرے بھائی پر مرکوز تھیں۔ وہ خلافت عباسیہ کے اس تیسرے دعویدار کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے مسرور کو بلایا۔

"اسی وقت سندی بن شاہک کے پاس جاؤ اور کہو ——— امیر المومنین چاہتے ہیں کہ جس مہمان کو آج شام تمہارے سپرد کیا گیا تھا۔ اسی وقت اس کا کام تمام کر دیا جائے۔"

اس کا خیال تھا کہ یہ حکم سناتے ہی اسے نیند آ جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ جس شخص کو اپنے خیال میں عباسی سلطنت کا دعوے دار سمجھ چکا تھا۔ اس کی موت کا حکم صادر کر کے اطمینان سے سو نہ سکا۔ ذرا دیر بعد اس نے اپنے تین چار مصاحب بلائے اور انہیں کہا۔ "تم جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھو، سندی بن شاہک ہمارے حکم کی تعمیل کر چکا ہے یا نہیں؟" اور ذرا دیر بعد چاروں معتمد مصاحبوں نے واپس آ کر ہارون کو یقین دلایا:"ہم اپنی آنکھوں سے امام موسےٰ کاظم کی لاش دیکھ آئے ہیں۔" یہ خبر سنتے ہی ہارون نے اطمینان کا سانس لیا۔ مصاحبوں کو رخصت کیا اور پاؤں پسار کر سو گیا۔

نواں باب

متحرک جشن

امام موسے کاظم کو جس سرد مہری، سنگدلی اور رازداری کے ساتھ امین و مامون کے راستے سے ہٹایا گیا، اس کا ردِ عمل بھی تو آخر کچھ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ وہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس معاملے میں ہارون نے ابھی تک کسی کو اپنا رازدار نہیں بنایا تھا۔ ان معاملوں میں وہ کسی کو رازدار بنانا برداشت ہی نہ کر سکتا تھا۔ اُس کا قول تھا:۔ اگر میرا راز میرے قمیص کو معلوم ہو گیا تو میں اسے جلا دوں گا۔"

لیکن ایک بے گناہ ہاشمی کی موت رنگ لائی۔ ہارون زندگی میں پہلی بار پشیمان ہوا ——— زود پشیمان! ——— اپنی پشیمانی سے عاجز آ کر وہ زبیدہ کے دامن میں پناہ لینا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہتا تھا کہ مامون اور امین کی زندگی کے افق پر نمودار ہونے والا خطرہ معدوم ہو چکا۔ لیکن یہ اس کا خیال تھا کیونکہ وہ تو خود دونوں ——— مامون اور امین ——— ایک دوسرے کی زندگی کے لئے اتنا عظیم خطرہ بن چکے تھے کہ ——— اور زبیدہ اس خطرے کو اپنے جذبات و محسوسات کی ہوا دے کر اس کی ہولناکیوں میں بے پناہ اضافہ کر رہی تھی۔

ان حالات میں صرف عباسہ ہی کی محفلیں سکون پہنچا سکتی تھیں۔

جب وہ عباسہ کے پاس گیا تو وہ اپنے سلطان بھائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

بولی :۔

"میں تو خود امیر المومنین کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقعہ ڈھونڈھ رہی تھی۔"

"کوئی خاص بات —— عباسہ؟"

"اب تو آپ ماشاءاللہ الحاج بن گئے۔"

"پھر؟"

"ہدیۂ تبریک پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"تو پھر کس چیز کا انتظار کر رہی ہو؟"

"آپ کی اجازت کا۔"

"اجازت ہے۔ لیکن تمہیں اس بات کا ضرور خیال ہونا چاہیئے کہ میرے احساسات کی لطافت بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔"

"میں جانتی ہوں بھیا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ دیار حرم سے واپس آنے کے بعد آپ ایک دم سے سنجیدہ اور خاموش ہو گئے ہیں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ——؟"

"تمہیں کچھ معلوم کئے بغیر فوراً ہی ایک جشن کا انتظام کرنا چاہیئے عباسہ اور یہ جشن حریم خلافت کی سرحدوں کے پار منایا جائے۔"

"حریم خلافت کی سرحدوں کے پار؟"

ہارون نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے علی جوہری والا سارا واقعہ یاد آ گیا اور بولا۔

"کیوں —— میں نے انھونی فرمائش کی ہے؟"

"بالکل نہیں امیر المومنین۔"

"تو پھر ہم آج رات متحرک جشن منانا چاہتے ہیں۔"

"متحرک جشن؟"

"ہاں — بجرے میں — اور بجرا دجلہ کی لہروں پر۔"

"بہت خوب۔"

"اور اب تم جا سکتی ہو۔"

جب خود امیر المومنین نے "متحرک جشن" کی خواہش ظاہر کی ہو تو عباسہ نے کیا کیا نہ کیا ہوگا سب سے پہلے ایک ایسا بجرا پسند کیا گیا جس سے زیادہ خوبصورت چیز کا عکس صرف دجلہ ہی نے نہیں بلکہ روئے زمین کے کسی پانی پر نہیں پڑا تھا۔ اس پہ ایسے پردے آویزاں کئے گئے جنہیں چاندنی رات اور دجلہ کی سیمابی لہروں سے خاص مناسبت تھی۔ پھر پچاس کنیزوں کا ایسا طائفہ تیار کیا گیا جن کے نیم عریاں لباس حریر دپرنیاں کے تھے۔

عباسہ نے اس ماحول کی خوب پیش بینی کی تھی جس میں جشن منایا جانے والا تھا۔ اس نے پورے تین پہر کی محنت کے بعد ایک خاص دھن تیار کی تھی۔ ایسی دھن جو چاندنی رات، دجلہ کی لہروں اور متحرک جشن کی روح کے لئے بے حد سازگار تھی اور جب ایک پہر کا چاند نوعروس کی طرح بام فلک کے غرفے سے دجلہ کی لہروں کے آئینے میں اپنے جمال کا نظارہ کر رہا تھا، ہارون جعفر کو ساتھ لے کر بجرے میں سوار ہو گیا۔ عباسہ پہلے ہی سے موجود تھی۔ کنیزوں نے بربطوں اور عودوں کی جگہ صندلیں چپو سنبھالے۔ عباسہ نے ستار پہ ہاتھ رکھا اور خواب آباد بجرا کنارے سے ہٹ کر لہروں پر تھرتھرانے لگا۔

شہزادی نے بجرے کو آراستہ کرنے میں ایسے ذوق کا مظاہرہ کیا تھا جسے بادشاہ اور وزیر حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ بجرے کی ساخت، پردوں کے رنگ اور نقوش، قالین

اور کنیزوں کے لباس۔ ہر ایک چیز لاجواب تھی۔ صرف ایک کمی تھی۔ عباسہ ابھی تک جعفر سے جھینپ رہی تھی اور بجرے میں قدم رکھنے کے بعد جعفر بھی دب سا گیا۔ لیکن ہارون کو یقین تھا کہ تکلفات کے یہ پردے بہت جلد اٹھ جائیں گے۔ وہ اپنی مجلس میں تکلف برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے تو اپنی دانست میں جعفر و عباسہ کو اس خیال سے اپنے اردگرد جمع کیا تھا کہ زندگی کا خلا پُر ہو جائے۔ جعفر کے پاس بیٹھ کر عباسہ کی کمی کا احساس مٹ جائے اور عباسہ کی محفل میں بیٹھنے کے بعد جعفر سے ملنے کی تمنا بے تاب نہ رہے۔

ذرا دیر بعد جب بجرا کنارے سے بہت دور نکل گیا تو ہارون نے پتوار پر جھکی ہوئی عباسہ کو اشارہ کیا :۔

"اب اسے دجلہ کی لہروں کے سپرد کر دو اور کنیزوں سے کہو —— کہ ہاں!"

عباسہ کے اشارے پر کنیزوں نے چپّو نیچے رکھ دئیے۔ بربط، دف اور عود سنبھالے اور فرش پر بیٹھ کر بجانے لگیں۔ عباسہ نے واقعی ایسی دھن ایجاد کی تھی کہ ایک ایک تار کے چھیڑتے ہی سو سو خواب بیدار ہونے لگے۔ چاندنی رات، چاندنی کی تڑپتی ہوئی لہریں، نیند میں ڈوبی ہوئی ہوائیں، سویا سویا —— جذبات میں کھویا کھویا ہوا سا نغمہ اور نبیذ کا دور۔ عباسہ نے انتہائی نازک وقت پر کنیزوں کو گانے کا اشارہ کیا۔ اور جب ساز کے ساتھ آواز بھی شامل ہو گئی تو ماحول وجد میں آ گیا۔ چاند لہروں کا منہ چومنے لگا۔ لہریں بجرے سے راز و نیاز کرنے لگیں۔ اور ساز و آواز کا جادو جاگ اٹھا۔

جب ہم صدیوں کے بعد ملتے ہیں تو آنکھیں جھپکنے کا نام بھی نہیں لیتیں۔

اور ہمارے فراق کے طویل زمانے بھی نیند سے قطعی ناآشنا رہتے ہیں۔

میں اقرار کرتی ہوں اس گناہ کا جسے آج تک پہچان نہیں سکی۔

اگر ان کے اشارۂ چشم کی تعمیل گناہ ہے تو پھر میری زندگی گناہ سے عبارت ہے۔

اور میں نے آنسوؤں کو اپنے اُن گناہوں کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے۔

جو مجھ سے بار بار سرزد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے آنسوؤں کے چشمے سدا بہار ہیں۔

جب مجھے اس کی طرف سے ناامیدیاں گھیر لیتی ہیں۔

تو میں اس کے متعلق اپنی سابقہ اُمیدوں کو اسی کی طرف لوٹا دیتی ہوں۔

میری خاموش نگاہی کو دیکھ کر وہ اعراض کرنے لگے ہیں۔

لیکن کاش انہیں معلوم ہوتا ہی آنکھیں تو میری سب سے بڑی کمزوری ہیں۔

صرف دل ہی نے انہیں پسند نہیں کیا۔

بلکہ ان کے انتخاب میں یہ آنکھیں بھی برابر کی مجرم ہیں۔

تمہیں پہلی بار دیکھتے وقت میں نے آنکھوں کے دریچے لاکھ بند کئے۔

لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ محبت سرور کی طرح رگ رگ میں سرایت کر گئی۔

یہ دھن اپنے لاثانی زیر و بم میں جن جذبات و محسوسات کی ترجمانی کر رہی تھی وہ ہارون اور جعفر کو ایسے خواب کی طرح دکھائی دینے لگے۔ جس کے بیشتر حصے بھول چکے تھے لیکن جو کچھ یاد تھا اس کے نقوش بالکل واضح اور انمٹ تھے۔ بادشاہ بے اختیاری کے ساتھ اٹھا۔ ایک کنیز کے ہاتھ سے بربط لیا اور کیف کے عالم میں طرب کر وہی دھن بجانے لگا۔ اور جب اس دھن میں عباسہ کے علاوہ خود ہارون کے جذبات و محسوسات بھی ہم آہنگ ہو گئے۔ تو ایک کیفیت سی طاری ہونے لگی ایسی کیفیت کہ جعفر نے بھی بے خود ہو کر دوسری کنیز کے ہاتھ سے عود اچک لیا اور بجانا شروع کر دیا۔

ہارون اور جعفر کو موسیقی میں کیسی قدرت حاصل تھی؟ عباسہ کو آج معلوم ہوا۔ ہارون کے

علاوہ جعفر کے دل کی دھڑکنوں نے اس دھن کو بے پناہ شباب سے آشنا کر دیا۔ عباسہ جھوم رہی تھی۔ کنیزوں نے اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ اور یوں لگتا تھا جیسے چاند بھی ایک جگہ رک کر شل ہو گیا۔ عباسہ نے ایک ایک کر کے شمعیں بجھا دیں۔ اب چاندنی کی کرنیں عرشے پر عمودی پڑ رہی تھیں۔ اس نے ایک کنیز کو اشارہ کیا: "دف مجھے دو۔"

ہارون اور جعفر کے ساتھ عباسہ نے دف کی سنگت کر کے محفل کا رخ ہی موڑ دیا۔ کنیزیں مل کر گانے لگیں:۔

آہ! وہ نظر، جسے میں نے چوری چھپے سے پا لیا تھا۔

وہ پہلی نظر بھی تھی اور آخری بھی۔

اب اگر وہ لاکھ پردوں میں چھپیں۔ بے سود۔

کیونکہ میری نظریں تو ان کی تلاش کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔

میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطا کار بنا دیتا ہے۔

اور پھر میں ان کی مدافعت آلود نظروں کی شہ پا کر ایک اور گناہ کر بیٹھتی ہوں،

لیکن جب وہ جرم کرتے ہیں

تو میں اس کے لئے فوراً عذر پیش کر دیتی ہوں۔

لیکن وہ اس پر بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور مجھے پھر سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔

اور میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطا کار بنا دیتا ہے۔

غالباً کنیزوں کو اس غزل یا اسی بحر کے اور شعر یاد نہ تھے اس لئے وہ خاموش ہو گئیں۔ اور سچ پوچھیں تو اس وقت ہارون اور جعفر سازوں کی مدد سے دھن کو اس عروج پر لے گئے تھے جہاں صرف تاروں کے ارتعاش ہی روح کو جھنجھوڑنے کے لئے بہت کافی تھے۔ اور عباسہ

کی روح تو پہلے ہی سے دھن کے ساتھ دھڑک رہی تھی۔ نہ جانے اسے کب گنگنانا شروع کر دیا۔ اسے خود اپنی آواز کا احساس تک نہ رہا۔ ذرا دیر بعد اس کے جذبات الفاظ میں ڈھلنے لگے۔ وہ اکیلی گا رہی تھی :۔

"میں نے شکایت کی تو تنک کر بولے :۔ محبت کا نشہ اتر گیا؟

خدا تمہارے دل سے میری محبت کا جنازہ نکال دے۔

اور جب میں محبت کو چھپانے لگی تو جلتا ہوا سا طعنہ مارا :۔

سبحان اللہ! زخمی دل کو بھی قرار آسکتا ہے؟

میں قریب آتی ہوں تو ہاتھ کے اشارے سے دور ہٹاتے ہیں۔

اور جب انہیں راضی رکھنے کی خاطر دور دور سے طواف کرتی ہوں۔

وہ میری اس محرومی کو بھی جرم قرار دیتے ہیں۔

مجھے پھر معذرت پیش کرنی پڑتی ہے۔

اور میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطا کار بنا دیتا ہے۔

میری قربت سے بھی جلتے ہیں اور دوری سے بھی

اور مجھے پھر سے معذرت پیش کرنا پڑتی ہے

اور میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطا کار بنا دیتا ہے۔

اے لوگو! مجھے زندہ رہنے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔

خدا تمہیں جزائے خیر دے۔"

عباسہ کی آواز نے موسیقی کا وہ طلسم توڑ دیا جو ذرا دیر پہلے تک جعفر پر مسلط ہو چکا تھا۔

وہ سوچنے لگا :۔ میں نے یہ آواز پہلے کہاں سنی ہے؟ اور پھر رفتہ رفتہ اسے سارا واقعہ یاد

آتا چلا گیا۔ آج سے بہت روز پہلے جب ہارون اسے ہاتھ سے کھینچ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور منہ سر لپیٹ کر جعفر سے کہا تھا۔ باب الذہب کی ایک ایک کنیز سے پوچھو۔ میرے ساتھ کون سو رہا ہے؟ بالکل اسی روز کا واقعہ ہے۔ ہارون اسے حریم خلافت کے ان تاریک کونوں تک لے گیا جہاں حجروں میں سلگنے والے عود کی مہک کے سوا اور کسی چیز کی رسائی نہ تھی۔ اور پھر یہ معطر، نیم تاریک، نیم خوابیدہ خلوتیں اچانک ساز کی آواز سے گونج اٹھی تھیں۔ ہارون ایک جھری کے ساتھ جعفر کو روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بے شک یہ وہی آواز ہے۔

اور پھر اسے یوں لگا جیسے عباسہ یہ غزل صرف جعفر ہی کے لئے گا رہی ہے۔ اور وہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے لگا:۔

آہ وہ پہلی نظر جسے میں نے چوری چھپے سے پا لیا تھا۔

وہ پہلی نظر بھی تھی اور آخری بھی۔

عباسہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ جعفر کو اپنے دل پر طاری کیفیت بالکل اجنبی سی محسوس ہوئی۔ آج تک اس کی یہ حالت کبھی نہ ہوئی تھی۔ لیکن ہارون کی موجودگی نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہارون خیالات و تصورات کی آواز سن لیتا ہے —— ان کی تصویر دیکھ لیتا ہے۔ مجھے عباسہ کے متعلق یہ سوچنے کا کیا حق ہے؟ میں ان خطوط پر کیوں سوچوں؟

اور وہ پھر سے موسیقی کی کیفیت میں داخل ہونے لگا۔

کنیزوں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ تو آج تک اس زعم میں تھیں کہ ہمارے بغیر شاہی خاندان کے لوگ عیش و نشاط سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ لیکن انہیں پہلی بار معلوم ہوا کہ یہ لوگ موسیقی میں کس مقام پر پہنچ چکے ہیں تو جھوم اٹھیں۔ اس وقت ان کے بدن پر وہ تمام زیورات موجود تھے جو وقتاً بوقتاً انہی لوگوں سے انعامات میں حاصل کئے تھے۔ موسیقی نے

ان پر اتنا اثر کیا کہ فیاضی کے ساتھ باری باری اپنے زیورات مغنیوں کی طرف انعام کے طور پر پھینکنے شروع کر دیئے۔ پہل جعفر سے ہوئی۔ ایک کنیز نے موج میں آکر ایک طلائی کنگن اتارا اور ایک خاص انداز کے ساتھ جعفر کے سامنے پھینک دیا۔

جعفر نے ایک مزاج دان درباری کی طرح اس فیاضی پر انعام دینے والی کا شکریہ ادا کیا۔ اب تو کنیزوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ رات بھر کے لئے "متحرک جشن" نے مصنوعی وقار کی دیواریں ڈھا دیں۔ ایک کنیز نے عباسہ کی خدمت میں ہار پیش کیا تو دوسری نے ہارون کی خدمت میں۔ ہارون دیکھ رہا تھا کہ جس مقصد کے لئے متحرک جشن منایا گیا تھا وہ کماحقہ پورا ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے آپ کو فراموش کر دینا چاہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ تھوڑی دیر کے لئے ساری دنیا اسے فراموش کر دے۔ کم از کم امیر المومنین ہارون الرشید کی حیثیت سے چند لمحوں کے لئے اس کی زندگی معطل ہو جائے۔ اور ان فرصتوں کی آڑ لے کر وہ اس ہارون کا کھوج لگائے جس نے رعنا کا ساز طور پہ اپنی انگلی سے ولی عہدی کی مہر اتار کر خاموشی کے ساتھ دجلہ میں —— انہی لہروں کی تہ میں —— پھینک دی تھی۔ وہ کتنے اچھے دن تھے۔ نہ امین و مامون تھا نہ زبیدہ اور اس کے مامتا بھرے اندیشے۔ نہ امام موسےٰ کاظم تھا اور ——!

ان خیالات کے سامنے اپنے شعور کے جھروکے بند کرنے کے لئے وہ نئے عزم کے ساتھ ساز نوازی میں مصروف ہو گیا۔ اس نے بالکل ابراہیم موصلی کے سے انداز میں کنیز کا تحفہ قبول کر کے شکریہ ادا کیا۔ جعفر اور عباسہ بھی ہارون کے ہمنوا تھے۔ غالباً بہن اپنے بھائی کے محسوسات کی جھلک دیکھ چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک اور غزل چھیڑی:-

مجھے محبت اس مقام پہ کھینچ لائی ہے جہاں تمہارے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں۔

اب نہ میں اکیلی آگے بڑھ سکتی ہوں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتی ہوں۔

ڈرتی ہوں۔ محبت کا یہ والہانہ اعتراف مجھے تمہاری نظروں سے گرا نہ دے۔

اگر ایسا ہو گیا تو پھر میں اپنی نظروں سے بھی گر جاؤں گی۔

کیونکہ جو شے تمہاری نظروں میں نہ سما سکی۔ میں اس کی تعظیم کیوں کروں؟

تم مجھ سے بالکل دشمنوں کا سا سلوک کر رہے ہو۔ اور

جب سے تم دشمن ہوئے ہو۔ مجھے سارے دشمنوں سے محبت ہو گئی ہے۔

مجھے لوگ تیری محبت میں ملامت کرتے ہیں اور میں بے پناہ مسرت محسوس کرتی ہوں

مسرت اس لئے کہ تمہارا ذکر بھی مسرت انگیز ہے۔

عباسہ ابھی تک پتوار کے ساتھ سمٹی بیٹھی تھی۔ ہر ایک چیز دم بخود تھی۔ دجلہ کی لہریں چاندنی تلے

سو رہی تھیں۔ بجرا لہروں کے کشادہ سینے سے لپٹا دکھائی دیتا تھا۔ الہڑ لہروں کے ہونٹ

ایک حسین ساحل کنارے اس طرح گھل گئے تھے جیسے وہ ازل سے بوسے کے پیاسے ہوں۔

رات بھر کا جاگا، تھکا ہارا زرد رو چاند مغربی افق پر اٹکا ہوا تھا۔ ڈھلتی ہوئی سنہری کرنوں

اور عباسہ کے زرد چہرے کے درمیان پتوار کے سائے حائل تھے جب جعفر نے اس پر نگاہ ڈالی تو

عباسہ کے متحرک سائے نے ماحول کو ایسے نئے عنصر سے آباد کر دیا۔ جس کی تفسیر و تاویل کم از کم

اس وقت بالکل ناممکن تھی۔ الجھی ہوئی سی دو لٹیں، ابرو کی ٹوٹی ہوئی کمان کا ذرا سا کونا، پلکوں کے

ایک دو تیروں کی مڑی ہوئی نوکیں اور ہونٹوں کی دو ادھوری قوسیں۔

عباسہ کے تیزی سے دھک دھک کرتے ہوئے سینے کی دھڑکنیں —— الہٰی توبہ ——

مدوّر متحرک سائے۔ متحرک بجرا، متحرک جشن، دھندلی زرد، بیمار روشنیاں اور گہرے، متحرک

سائے۔

جعفر کو یوں لگا جیسے اس کے خون کی روانی نے اچانک طوفان کی سی شدت اختیار کر لی۔ اس کی انگلیاں تاروں پر تیرنے، پھسلنے لگیں۔ وہ ہارون سے بہت آگے نکل گیا۔ وہ عباسہ کو بھی اپنے ساتھ بہا نالے گیا تھا۔ اپنی اس تبدیلی نے اسے ایک دم سے چونکا دیا۔ وہ سنبھلا۔ عباسہ قدم قدم پہ اس کے ساتھ تھی۔ اسے ——— سمجھنے کی کوشش میں مصروف۔ دونوں کی نظروں کے تار افہام و تفہیم کا حیرت انگیز ذریعہ بن گئے۔ جعفر نے اپنے آپ کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ وہ خود آگاہ شعور کی زد میں الجھ گیا تھا۔ بہت بُری طرح۔

چنانچہ اس نے اپنے آپ کو روکا۔ ہارون بولا:۔

"کیوں ——— تھک گئے جعفر؟"

"آپ نے تو حد کر دی امیر المومنین"

"ایمان سے کہنا۔ تمہاری روح کا کیا عالم ہے؟"

"ایسا عالم جس کے کیف سے فرشتے بھی محروم ہیں ——— امیر المومنین"

"اور میں تو تمہیں اس سے بھی آگے لے جانا چاہتا ہوں جعفر۔ لیکن تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ سب عباسہ کے فن کا خلوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں زیادہ دیر تک اس خلوص سے محرومی برداشت نہیں کر سکتا۔"

عباسہ کے سامنے نبیذ کے چھلکیلے آنچلوں پہ سوار ہارون ہوا کے جھونکوں کی طرح بہک رہا تھا۔ اس نے کنیزوں کو "محفل برخاست" کا اشارہ کیا۔ ہارون حجرے کی دیوار سے ٹیک لگائے کہہ رہا تھا:۔

"اکیلے تمہی نہیں بلکہ عباسہ بھی سوچتی ہو گی۔ میں کیا کر رہا ہوں؟ خود میں نے اپنے طور پر کتنا سوچا ہو گا۔ تم اس کا اندازہ لگا سکتے ہو جعفر ——— اور عباسہ! میں اپنی محبت کا اس سے

زیادہ بڑا ثبوت اور کیا دے سکتا ہوں کہ تم دونوں کو بیک وقت اپنی مسرتوں ——— اپنی خواہشوں، اپنے ارمانوں میں شامل کر رہا ہوں۔" وہ لمحے بھر کے لئے بجرے کی دیوار سے جست گیا۔ اپنی نظریں مشتری پہ گاڑ دیں اور پھر اچانک جعفر کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے بولا "سمجھ ——— ! میں تمہاری محفل میں جو لطف محسوس کرتا ہوں اس کا کچھ حصہ عباسہ کو بھی دینا چاہتا ہوں اور پھر عباسہ کی موجودگی مجھے جس سکون سے آشنا کرتی ہے اس سے تمہیں بھی محروم کرنا نہیں چاہتا ——— دیکھا! میری خواہشیں بھی کتنی عجیب ہیں۔"

عباسہ نے یوں محسوس کیا جیسے جعفر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ہونٹ اس کا ساتھ نہ دے سکے۔ وہ بولی :۔

"امیر المومنین کے محسوسات میرے افتخار کا سرمایہ ہیں۔ کاش! میں ثابت کر سکتی کہ اپنے سلطان بھائی کو صحیح معنوں میں مسرور دیکھ کر مجھے کتنی خوشی محسوس ہوتی ہے!"

"لیکن جعفر۔ تم یوں دبے دبے رہنے کا کیا جواز پیش کرتے ہو؟"

"یہ امیر المومنین کا ذاتی خیال ہے۔ جس سے کم از کم مجھے ہرگز اتفاق نہیں۔" جعفر نے اچانک اپنا سر جھکا لیا اور بولا: "شہزادی صاحبہ اس بات کی گواہ ہیں کہ میں نے قدم قدم پہ آپ کا ساتھ دیا ہے۔"

"یہ عباسہ کی دُھن تھی یہ رُخے جو تمہیں ساتھ ساتھ کھینچتی چلی گئی۔"

"میں کب انکار کرتا ہوں۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ دبے دبے رہنے کا جرم ثابت نہیں ہوا۔"

"ہم ثابت کرنا نہیں چاہتے جعفر ——— اور صرف اس لئے کہ ہم ثابت کرنا نہیں چاہتے"

"خانہ زاد اس کرم خسروانہ پہ خراج تحسین پیش کرتا ہے حضور!" جعفر ایک خاص شادمانی

سے جھک گیا۔ عباسہ دیکھ رہی تھی۔ وہ اب آہستہ آہستہ کھلنے لگا تھا۔

"اور ہم صرف اس شرط پہ وصول کرتے ہیں کہ آنے والے جشن میں تمہارا کوئی عذر قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔"

"کس چیز کا عذر ——— امیر المومنین؟"

ہارون نے خاموشی سے بربط سنبھالا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر وہی دھن چھیڑنے لگا جس کی صدائے بازگشت نے ہواؤں کی ڈگمگاہٹ میں ترتیب سی پیدا کر دی تھی۔ اور ساتھ اسی غزل کے اشعار گنگنانے لگا:۔

"میرا عذر مجھے اُس کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔

اور پھر میں اس کی ندامت آلود نظروں کی ڈھارس پا کر ایک اور گناہ کر بیٹھتا ہوں۔

لیکن جب وہ جرم کرتی ہے تو میں فوراً عذر پیش کرتا ہوں۔

اور وہ اس پر بھی ناراض ہو جاتی ہے اور مجھے پھر سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔

اور میرا عذر مجھے اس کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔"

ہارون کی آواز پھر سے محفل پر کیفیت طاری کرنے لگی۔ اس نے مڑ کر جعفر کو دیکھا، اور تاروں کو آہستہ آہستہ چھیڑتے ہوئے بولا:۔" اسی غزل کے چند بے ساختہ سے اشعار۔"

"کس کس شعر کی تعریف کی جائے امیر المومنین۔"

"تمہارے اعتبار سے چند اچھوتے اشعار ——— جعفر ——— اور تمہاری آواز میں!"

جعفر کو یوں محسوس ہوا جیسے عباسہ کی نظریں عاجزی سے کہہ رہی ہوں:۔" ہم بھی سفارش کرتے ہیں۔" جعفر نے عود سنبھالا اور گنگنانے لگا:۔

"میں قریب آتا ہوں تو ہاتھ کے اشارے سے دور ہٹاتے ہیں۔

اور جب انہیں راضی رکھنے کی خاطر دور دور سے طواف کرتا ہوں۔

تو وہ میری اس محرومی کو بھی جرم قرار دیتے ہیں۔

مجھے پھر معذرت پیش کرنی پڑتی ہے۔

اور میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔

میری شکایت سے بھی انہیں تکلیف پہنچی ہے اور میرے صبر سے بھی۔

میری قربت سے بھی جلتے ہیں اور دوری سے بھی۔

اور مجھے پھر سے معذرت پیش کرنی پڑتی ہے

اور میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔

اے لوگو! مجھے زندہ رہنے کی تدبیر بتاؤ۔

"خدا تمہیں جزائے خیر دے!"

"بھئی زندہ باد جعفر ——— زندہ باد۔" ہارون نے مسرت کا والہانہ نعرہ مارا۔ اور عباسہ کی طرف رخ پھیر کر بولا: "کیوں ——— کیا خیال ہے؟"

عباسہ کہنا تو چاہتی تھی کہ اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں لیکن اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا اور بولی "آپ کے خیال سے مکمل اتفاق ——— امیر المومنین!" عباسہ کی نظریں دجلہ میں ڈوبتے ہوئے چاند پر مرکوز تھیں۔

"میرے کس خیال سے؟"

"اس خیال سے کہ ——— وزیر کے متعلق آپ کے انتخاب کی داد کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہ دل سے کہہ رہی ہو نا؟"

امیر المومنین اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں داد دینے کے معاملے میں سخت محتاط واقع ہوئی ہوں۔"

"ہم جانتے ہیں عباسہ ــــــ خوب جانتے ہیں اور تمہارے اسی فقرے کے ساتھ آج کی محفل ختم کرتے ہیں۔ یار زندہ صحبت باقی!"

دسواں باب

آخری تیر

خیزران کی طبیعت راج دربار کی طرف کتنی مائل تھی؟ ہادی کے ایک منہ لگے شاعر نے اس کی بہت عُمدہ تصویر کھینچی ہے۔ اس نے سر دربار کہا تھا:۔

"خیزران! اب بس کر اپنے بیٹے کو بھی حکومت کرنے دے"

اگرچہ ہادی نے شاعر کو ہزاروں دینار بطور انعام پیش کئے لیکن یہ شعر طمانچے کی طرح ہادی کے رخسار پہ لگا اور اس کی اذیت سے بلبلا کر ہادی نے ایک روز تمام اُمراء سے پوچھا:۔

"ہم سب میں سے کس کی ماں زیادہ معزز اور محترم ہے؟"

"آپ کی ماں —— امیرالمومنین"

"تو پھر یہ عبرت کا مقام ہے کہ دربار میں میری ماں کے سوا اور کسی کا نام تک نہیں لیا جاتا۔"

ہادی نے بالکل سچ کہا تھا۔ خیزران مہدی کے زمانے ہی سے حکومت کے کاروبار پر چھائی ہوئی تھی۔ چھوٹے بڑے سارے افسر اپنے مسائل خیزران کے سامنے پیش کرتے تھے۔ کیونکہ مہدی کی چہیتی بیگم نے ان کی ناکوں میں سنہری ڈوریاں باندھ رکھی تھیں۔ اس کی جاگیر

بے جا تو اُن کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ مہدی کے بعد ہادی تخت نشین ہو چکا تھا لیکن اصل دربار خیزران کے محل میں لگتا تھا۔ ہادی نے اپنے اختیارات استعمال کئے اور سرِ دربار اعلان کیا :۔" اگر آج کے بعد کسی شخص نے میری والدہ کے محل کی دہلیز پہ قدم رکھا تو مجھ سے زیادہ بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

لیکن ہارون کے زمانۂ خلافت میں خیزران بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے تخت پہ بیٹھتے ہی یحییٰ سے کہہ دیا تھا :۔

" میں تمہارے نیک مشوروں اور بے مثال قربانیوں سے تخت پہ بیٹھنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ آپ نے میری خاطر جتنی تکلیفیں اٹھائیں ان کا بدلہ دینے کے لئے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ سلطنت کی ساری ذمہ داریاں تمہارے کندھوں پہ ڈال دوں۔ اور تم جس طرح مناسب سمجھو۔ حکومت کا کاروبار چلاؤ۔ تم جس شخص کو چاہو عہدہ دو۔ جس شخص کو چاہو معزول کر دو۔"

اس کی غالباً سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہارون ـــــ یحییٰ کو حکومت کی گاڑی کے آگے جوت کر اپنی پوری زندگی راگ رنگ کے لئے وقف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہارون کو اپنے باپ کا وارث بنانے کے لئے خیزران کو جس قدر جدو جہد کرنی پڑی تھی۔ ہارون نے اس کا شکریہ تک ادا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ الفاظ کی بہ نسبت عمل کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے۔ ہارون اپنی ماں کے مزاج سے واقف تھا۔ وہ غالباً ہادی کے وزیر فضل بن ربیع سے مہرِ وزارت لے کر یحییٰ کے حوالے کرتے وقت اپنے دل میں فیصلہ کر رہا تھا کہ اسے اپنا نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ملکہ خیزران ہی کا وزیر مقرر کر رہا ہے۔ خیزران نے بھی اپنا حق ثابت کرنے کے پہلے موقعے ہی سے فائدہ اٹھایا ابھی یحییٰ نے مہرِ وزارت

اپنی انگلی میں ڈالی ہی تھی کہ محل سے ایک کنیز ملکہ کا حکم لے کر دربار میں پہنچی :۔

"ملکہ معظمہ فرماتی ہیں :۔ فضل بن ربیع کو نئی حکومت میں کسی قسم کا عہدہ نہ دیا جائے"

اور ہارون نے سر تسلیم خم کر کے بھرے دربار میں ثابت کر دیا تھا کہ وہ ملکہ کے معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتا۔ آگے چل کر بارہا ایسے موقعے پیش آئے۔ جب ہارون نے ملکہ کی خواہشات پر اپنی خواہشات قربان کر دیں۔ خیزران ہارون ہی کی مرضی سے یحییٰ کے ساتھ مل کر حکومت کے جہاز کو چلاتی رہی۔ یہ اور بات ہے کہ ہارون نے ماں کی اقتدار پرستی کے سامنے بادل ناخواستہ سر تسلیم خم کیا تھا۔ خیزران ہارون اور یحییٰ نے انتہائی تیز ——— نازک، نکیلی تکون کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور اگر یحییٰ نے اس تکون میں اپنا مقام اور مرتبہ محفوظ رکھا تو یہ محض اس کے سیاسی تدبر، معاملہ فہمی اور واقعات کی قبل از وقت پیش بینی کا کمال تھا۔ کیونکہ ہارون کے فیاضانہ اعلان کے باوجود یحییٰ نے امیر المومنین اور ملکہ خیزران کی خواہشات کو ہمیشہ سامنے رکھا۔ وہ ابھی تک اتالیق کی حیثیت سے ہارون کی نگرانی کر رہا تھا اور ہارون اپنے لئے جو راستہ مقرر کر چکا تھا۔ یحییٰ بڑے خلوص کے ساتھ رہبری کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس کی رہبری کا طریقہ انتہائی بے ضرر تھا۔ اس نے کبھی پند و نصیحت یا ممانعت کا حربہ استعمال نہ کیا۔

ہارون جب کبھی کسی ایسے کام پر آمادہ ہوا جو یحییٰ کو پسند نہیں تھا تو ایسے اشعار، ضرب الامثال اور قصے کہانیاں بیان کرتا۔ جن کو سننے کے بعد ہارون خود بخود اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ یحییٰ کہا کرتا تھا "ممانعت اشتعال کی ماں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تک خود سر بادشاہ ہو اور شہزادوں کا تعلق ہے۔ اگر تم انہیں کسی خاص کام سے روکنے کی کوشش کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا گویا تم انہیں اسی کام کے لئے اکسا رہے ہو۔"

اور اس طرح خیزران یحییٰ کے مشوروں سے حکومت کا جہاز چلاتی رہی۔ جس سال ہارون حج پر روانہ ہوا۔ اسی سال خیزران بھی حج پہ جانے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اسے حجاز کی سرزمین سے گہرا تعلق تھا۔ وہ خود اسی علاقے میں پیدا ہوئی تھی۔

جب اس نے مہدی کے ساتھ پہلا حج کیا تو اس کی حیثیت محض ایک کنیز کی تھی۔ ایسی کنیز جس کا جمال و شباب سست رفتار زہر کی طرح مہدی کے اعصاب میں سرایت کر رہا تھا۔ پھر مہدی کی موت کے بعد خیزران کے اقتدار کا آفتاب گہن میں آگیا۔ لیکن اب ہارون کے عہد میں وہ عالم اسلام پہ صحیح معنوں میں فرمانروائی کر رہی تھی۔

اس نے ہارون کو حج سے روکنا مناسب نہ سمجھا لیکن اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور دوسرے برس بڑی شان کے ساتھ روانہ ہوئی۔ ہارون، یحییٰ، مامون اور امین پچھلے سال حجاز میں جس دریا دلی کا مظاہرہ کر چکے تھے خیزران پورے ایک برس تک اس کی تفصیلات کا مطالعہ کرتی رہی تھی۔ بڑھاپے نے اس میں قدامت پرستی — آثار قدیمہ کے احترام و تحفظ کا شوق پیدا کر دیا تھا اور وہ اپنے اس شوق سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

مسجد الحرام پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں اور مسجد نبوی پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد صاحب ثروت مسلمانوں کیلئے ایسے مقامات مقدسہ کا درجہ اختیار کر چکی تھیں جن کی توسیع، آرائش اور زیبائش سعادت کا باعث قرار دی گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ مقتدر سلاطین اور عام لوگوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق دونوں مسجدوں کی توسیع و تزئین میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن پیغمبر اسلام کے آبائی مکان کو خرید کر وقف کر دینے کی سعادت غالباً ازل ہی سے خیزران کی قسمت میں لکھی جا چکی تھی۔ صرف پیغمبر اسلام کا آبائی گھر ہی نہیں بلکہ وہ گمنام مکان بھی اس کے ذہن میں تھا جہاں سرور کائنات حلقہ اسلام میں شامل ہونے والے نادار مسلمانوں کو توحید کا درس دیا کرتے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے باوجود مکہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس چار دیواری کا سراغ لگانے میں کسی غلطی کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے جہاں عبداللہ کے یتیم بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین کی سب سے زیادہ خوش نصیب بیوہ خاتون ــــ حضرت آمنہؓ کی گود میں آنکھ کھولی۔

مدینہ کی طرف ہجرت والی رات آپ اپنے آبائی مکان کی ملکیت اپنے چچیرے بھائی حضرت عقیل بن ابو طالب کو عطا کر گئے تھے اور یہ مکان حضرت عقیل کی اولاد کے قبضے میں رہا۔ لیکن امویوں کے زمانے میں حجاج بن یوسف ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف نے نہ صرف یہ مکان بلکہ اسکے آس پاس کی زمین خرید کر یہاں "قصر ابیض" کے نام سے ایک شاندار محل تعمیر کرایا تھا۔

خیزران نے یہ سارا قصر خرید کر اسکی چار دیواری ــــ جو پیغمبر اسلام کا آبائی گھر تھا ــــ باقی ماندہ محل سے بالکل جُدا کر کے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور یہ مسجد آج تک موجود ہے۔

اس کے علاوہ خیزران نے حضرت ارقمؓ ابو ارقم کا وہ مکان بھی خرید لیا جہاں پیغمبر اسلام قریش مکہ سے چوری چھپے نو مسلموں سے ملا کرتے تھے۔

خیزران نے مکہ میں کنوئیں کھدوائے اور تالاب بنوائے۔ اس نے فلسطین کے شہر رملہ میں بھی ایک تالاب بنوایا تھا۔ اسکی سالانہ آمدنی سولہ کروڑ درہم سے کچھ اوپر ہی تھی۔ دولت کے اعتبار سے اس وقت ہارون اسلامی دنیا کا سب سے دولتمند شخص تھا اور خیزران اس سے کسی طرح پیچھے نہ تھی لیکن وہ دولت جمع رکھنے کی قائل نہ تھی۔ ہاں ــــ موت کے بعد وہ ایسے بیس ہزار قیمتی جوڑے پیچھے چھوڑ گئی جس ابھی تک اس نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ملبوسات کی یہ تعداد پہلی نظر میں بالکل افسانوی لگتی ہے لیکن کسی شخص کو خیزران ایسی ملکہ کی ضروریات کا اندازہ لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

لیکن خیزران اپنے عروج سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکی اور موت نے اسکی زندگی کے دروازے پر اس وقت دستک دی جبکہ اس کی عمر بمشکل پچاس برس تھی۔ جس روز باب الذہب سے اسکا جنازہ اٹھا، بغداد پر خزاں کی پہلی بارش پڑ رہی تھی۔ ہارون ڈھیلے ڈھالے سیاہ جبے میں ملبوس تھا جس کے اوپر ایک پرانا کمر بند کسا ہوا تھا۔ وہ باب الذہب سے قبرستان تک ننگے پاؤں

جنازے کے ایک کونے کو کندھے پر اٹھائے آنسو بہاتا گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنستا خاموش چلا جا رہا تھا۔ اس نے خود ماں کا جنازہ پڑھا اور اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا۔

لیکن ماتمی صف سے اٹھتے ہی ہارون نے سب سے پہلے اپنی ماں کی سیاسی حکمت عملی کی نفی کی۔ وہ اپنے پیچھے جتنی دولت چھوڑ گئی ہارون اسے راگ رنگ میں بیدریغ جھونکنے لگا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے ماں کی موت کے فوراً بعد اس کے بعض محسوسات ایک دم سے آزاد ہو گئے ہوں یحییٰ نے بھی ملکہ کے تسلط سے رہائی کے بعد اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ ہارون کے بالکل برعکس اپنی دلی خوشی کے اظہار میں بہت محتاط واقع ہوا تھا۔ ہادی اور ہارون ایسے دو عباسی خلفا کی ماں خیزران حریم خلافت ہی نہیں بلکہ سرکاری حلقوں میں بھی بہت جلد فراموش ہونے لگی۔ یہ اور بات ہے کہ جب بعض اوقات ہادی کی اچانک —— پراسرار موت کا ذکر آتا تو خیزران کے نام کی سرگوشیوں سے ماحول میں ایک سرسراہٹ سی پیدا ہو جاتی اور —— بس!

زمانہ خیزران کو بھلانے کی بے وقت کوشش کرتے وقت اتنا بھی یاد نہ رکھ سکا کہ ہوس البلاد کی خلوتوں میں خیزران اپنی تصویروں کے ایسے مرقعے چھوڑ گئی ہے جو نظروں سے تو اوجھل ہو سکتے ہیں لیکن ذہن انہیں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور اس مرقعے کی سب سے پہلی تصویر ایک ایسی حقیر کنیز کی ہے جو بید کی طرح سیدھی اور لچکیلی —— اور جنوں کار نسائی جمال، پامال کرتے ہوئے شباب کا جادو ہے۔ اس کی خواب آلود نگاہوں سے جوانی کے طویل خیالات منعکس ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک خیزران کا تعلق ہے۔ خیالات کا یہ طویل سلسلہ اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے بہت کافی ہے جو ایک عام کنیز۔ اور خلفا کی معزز و مقتدر ماں کے درمیان حائل تھا۔ دوسری تصویر میں وہ کنیزوں کی اس منڈی کے افق پر بالکل نئے —— عصر آفریں تارے کی طرح ابھرتی ہے جو شاہی خاندان کی "ضروریات" پوری کرنے کیلئے مخصوص تھا۔ اپنی زندگی کے اس عظیم موقعے سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے اپنے تمام دلفریب فطری تحفوں، حلاوتوں، لذتوں کی فراوانیاں بڑے سلیقے سے استعمال کیں۔ جس طرح عصر جدید میں سکرین یا سٹیج کے افق پر نئے ابھرنے والے ستارے اپنی کامیابی

کا ڈنکہ بجانے ـــــ دولت، شہرت، اور عظمت کے زینے پہ اپنے پاؤں کی جگہ محفوظ کرانے کو بے تاب ہوتے ہیں۔ خیزران ان سے کہیں زیادہ بے قرار تھی۔ اور اگر موقعہ ایک آدھ جھوٹ ـــــ خواہ وہ سفید ہو یا سیاہ ـــــ کا تقاضا بھی کرے تو خیزران ـــــ عصر جدید کی دولت و شہرت کی پیاسی عورتوں کی طرح ایسا کر گزرنے کو بھی تیار تھی قسمت اس کا ساتھ دیتی ہے۔ اس کے شباب کا جادو منصور کی آنکھوں میں سرایت کرتا ہے اور اسکے چھے تلے الفاظ منصور کا انتخاب جیت جاتے ہیں۔ اس کی نیک قسمت کے جھنڈے گڑ جاتے ہیں اور بالکل دوسرے منظر ہی ہیں وہ منصور کے ولیعہد مہدی کے دل کو اپنی مٹھی میں لے لیتی ہے۔ اب وہ بے شمار دولت اور اسی کے برابر بے پناہ رومان سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ ذاتی کامیابی کے گوناگوں پھلوں کے ذائقے چکھنے کے لئے اسے طویل فراغتیں نصیب ہوئیں۔ وہ پر اشتیاق آنکھوں سے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیتی ہے اور دربار آداب، کچھ دیکھنے، سمجھنے کیلئے شعور کے دریچے کھولتی ہے۔ اور حرم کے حریفوں کے لئے ایسا مقام مقرر کرتی ہے جسکے وہ حقدار تھے۔ اسے بھی رقابت کی زہریلی ناگنوں سے کئی بار لڑنا پڑا۔ ہر میدان میں کامیابی اس کے پاؤں چومتی۔ ہر بار اسکی خود اعتمادی بڑھتی چلی گئی۔ اور اسے اپنی قوت کا اندازہ ہوتا چلا گیا جس کے معمولی سے اشارے پر وہ محبت کے مارے ہوئے مہدی کو جھکا لیا کرتی تھی اور پھر جب اس نے مہدی کو یکے بعد دیگرے عباسی سلطنت کے دو وارث پیدا کر دیئے تو اسکے بعد خیزران کی انسانی مسرتوں کا پیالہ بڑی تیزی سے لبوں تک بھرنے لگا لیکن آہستہ آہستہ پہلی محبت کے سفید شعلے پر شوق کی سرخ "آب" چڑھتی گئی یا منگو ہر زندگی کا طویل زمانہ اس پر بکھرنے لگا۔ خیزران کے دل میں شخصی اقتدار کا جذبہ بیدار ہوتا چلا گیا۔ کنیز خیزران کا بندۂ بے دام مہدی جو اب خود خلیفہ بن بیٹھا ہے، اس سے باقاعدہ شادی کر کے شرعی بیوی کا قابل رشک درجہ عطا کر دیتا ہے اور اسکے دونوں بیٹے یکے بعد دیگرے تخت کے وارث قرار پاتے ہیں تو خیزران کے جذبے کو پر لگ جاتے ہیں۔ وہ اس تصویر میں ایک طرف تو مسرور بیوی اور ماں، اور دوسری طرف پوری طرح کامیاب اور اقتدار کی پیاسی عورت دکھائی دیتی ہے جب تک مہدی زندہ رہا خیزران

حریم خلافت ہی نہیں بلکہ اس کے پار بھی درباری سیاست اور سلطنتی امور کے انتہائی دلچسپ میدانوں میں کوئی چیز خیزران کے آڑے نہ آسکی۔

لیکن جیسے ہی دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہوتا ہے تو خیزران کے نیلے افق پر خود اس کے اپنے پہلے بیٹے موسیٰ الہادی ــــ تخت کے پہلے وارث کے پیکر میں ایک چھوٹا سا دھبہ نمودار ہوتا ہے اور یہ بدنصیب ہادی صرف اس بات کا مجرم ہے کہ ہارون کے مقابلے پر اسکی شکل وصورت کسی طرح گوارا نہیں کی جاتی۔ ہادی اپنے ماں باپ سے نفرت کی بو سونگھ کر دُور دُور رہنا شروع کر دیتا ہے اور جب کمسن وارث شباب کی سرحد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ایسے انفرادی ذہن کا اظہار کرتا ہے جو اسکی خودی کے شدید احساس سے ہم آہنگ ہے۔ اقتدار کی پیاسی ماں فوراً ہی اسکی بو سونگھ لیتی ہے اور آرام پسند مہدی کے برعکس نفرت اور کراہت سے منہ پھیر لیتی ہے۔ لیکن جیسے جیسے یہ ابھرتا تارا نصف النہار کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اس کی سرحدیں پھیلتی چلی جاتی ہیں حتٰے کہ باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور خیزران مہدی کو مجبور کر دیتی ہے۔ ہادی کو معزول کرکے ہارون کو وارث تخت وتاج نامزد کرو لیکن یہاں تقدیر آڑے آتی ہے ہادی تک پہنچنے سے پہلے مہدی راستے ہی میں دم توڑ دیتا ہے۔

اور جب اگلے منظر سے پردہ اٹھتا ہے تو شاہی محاذ پر سکوت طاری ہے۔ سرکش ہادی یوں لگتا ہے جیسے اپنا ذہن اور دل بدل چکا ہو۔ اقتدار کی پیاسی ماں معمول کے مطابق دربار لگاتی ہے اور حسین وجمیل بھائی ہارون اپنی چہیتی زبیدہ کے شبستان میں بیٹھا محبت کی خاطر تخت قربان کرنے پر مطمئن اور مسرور نظر آتا ہے۔ لیکن خاموشی کی دیوار اچانک چکنا چور ہو جاتی ہے اور شاہانہ کارزار کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ کنیز سے ایک دم ملکہ بن جانے والی خیزران لامتناہی قوت کے استعمال میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتی ہے ہادی کی نوجوان خودی اور بے تاب خواہش میدان

عمل میں کود پڑتی ہے اور ہارون کی شاہانہ امنگ کبھی محبت کے ساتھ کھیلنے لگتی ہے کبھی تخت کے ساتھ۔ مادری شفقت برادرانہ محبت اور فرض شناسی کے ارفع جذبات پر انسان کی ناپاک ہوس کے تاریک پردے پڑ جاتے ہیں۔

اور جب جنگ کی بھٹیوں کے سرد پڑتے ہی کامیاب ہادی مہدی کے تخت پر متمکن نظر آتا ہے۔ خیزران اپنے زخموں کی مرہم پٹی کے لئے زندہ بچ جاتی ہے اور ہارون یحییٰ کے اشارے پر سیر و شکار کے بہانے کالے کوسوں دور شکار گاہوں میں پناہ لیتا ہے۔

اب اعصابی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور گلے کے سرطان میں مبتلا ہادی جانبر نہیں ہو سکتا۔ خیزران —— جسے ابھی تک شکست و ندامت کے عذاب سے پوری طرح چھٹکارا حاصل نہیں ہوا۔ ہادی کی محبت کو محسوسات سے خالی دل کے ساتھ دیکھتی ہے اور اس کا ذہن آگے دوڑ رہا ہے اور وہ بیقراری کے ساتھ ایسے منصوبے بنا رہی ہے جن کے ذریعے ایک بار پھر اقتدار کی لگام اس کے ہاتھ میں آجائے۔

اب وہی ہارون مسندِ خلافت پر متمکن ہے جسے کل تک موت دیوانہ وار ڈھونڈ رہی تھی۔ اور وہ سلطنت کی ساری ذمہ داریاں رضاکارانہ طور پر اپنے باپ یحییٰ اور ماں کو سونپ دیتا ہے۔ اور خیزران مزید تین برسوں تک راج دربار کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

اس دوران میں اس کی نجی زندگی اور خیالات کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ کیا جا سکا لیکن اس کے باوجود ذہن یہ سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ کیا خیزران مہدی کے ساتھ گزرے ہوئے اس مسرور زمانے کو یاد نہ کرتی ہوگی جب اس نے طاقت کے اقتدار کی یہ بلندیاں ابھی طے نہیں کی تھیں؟ جب ہادی کی موت کا المناک منظر اس کے سامنے آتا ہوگا تو ندامت سے

شل نہ کردیتی ہوگی؟ جب وہ محسوس کرتی ہوگی کہ ہارون آہستہ آہستہ اس سے دور اور اپنی بھتیجی ملکہ زبیدہ کی طرف تیزی سے سرک رہا ہے تو اندرونی تنہائی کی گرفت اس کے دل پر مضبوط نہ ہوجاتی ہوگی؟ جب یہی زبیدہ ــــــ جو اس کی سگی بھانجی بھی تھی ــــــ خیزران کو پیچھے چھوڑتی بڑی تیزی کے ساتھ سامنے ابھرتی چلی آرہی تھی اس وقت خیزران زفابت کی ناقابل برداشت کسک محسوس نہ کرتی ہوگی؟

لیکن یہ اور اسی قسم کے وہ تمام سوالات جو ذہن کو جکڑ دیتے ہیں جواب طلب چھوڑ دئے جائیں تو بہتر ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ خیزران رومان اور اقتدار کی جن منزلوں سے گزر چکی تھی وہ اب زبیدہ کو دعوت دے رہی تھیں۔

○

زبیدہ کے مقابلے میں خیزران کئی اعتبار سے زیادہ خوش قسمت تھی۔ وہ ایک کنیز سے ترقی کر کے ملکہ بنی تھی۔ لیکن زبیدہ تو پیدائشی ملکہ تھی۔ اس کا باپ ہارون کا سگا چچا تھا۔ اور اس کی ماں ہارون کی سگی خالہ۔ پھر لطف کی بات یہ ہے زبیدہ کا دادا وہی منصور تھا جس کا تخت ہارون کو ورثے میں ملا۔ بچپنے میں اگر ہارون منصور کے ایک پہلو میں بیٹھتا تھا تو دوسرے میں زبیدہ ضرور ہوتی تھی۔

اور ان مراعات کے باوجود جب متلون ــــــ جدت پسند بے صبر اور بے قرار

دل کا مالک ہارون یکے بعد دیگرے دو دو ——— تین تین راتیں زبیدہ کے شبستانوں کو ویران چھوڑ کر کنیزوں کے ساتھ شبانہ جشن مناتا رہتا تو زبیدہ کے شاہانہ وقار کو ناقابل برداشت ٹھیسیں لگتیں۔ لیکن ہارون کی محبت کے صدقے میں وہ یہ صدمے برداشت کرتی۔ زبیدہ نے خاتون حرم ——— ملکہ زبیدہ کی حیثیت سے اپنی ان کنیزوں کی رقابت کے صدمے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیے جنہیں وہ خود ہارون کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لیے وقت بوقت پیش کیا کرتی تھی۔

اسے اپنی محبت کے راستے میں حاصل ہونے والی ناکامیوں سے ہم آہنگ ہونے کا سلیقہ آگیا تھا لیکن ممتا کے راستے میں ——— اپنے اکلوتے ——— نازپروردہ بیٹے امین کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہ کر سکی۔ اب اس کی ایک شکایت کو لاکھوں شکایتوں کے سہارے نصیب ہو چکے تھے۔ علی جوہری والے واقعے کی صدائے بازگشت کے نتیجے میں اس نے یحییٰ کو حریم خلافت کے دروازے بند کرنے کے لیے کنجیوں کے گچھے اپنے کمر بند میں اڑستے دیکھا تھا۔ جعفر مامون کا اتالیق تھا اور امین کے مقابلے پر مامون کی وکالت کے کسی موقعے سے اغماض برتنے کا عادی نہیں تھا۔ اور جعفر کو ہارون کے مزاج میں کتنا اثر و رسوخ حاصل تھا؟

خالہ ملکہ کی موت سے جہاں زبیدہ کی شاہانہ اُمنگوں کو بعض بیکراں جولانگاہیں نصیب ہو گئی تھیں، وہاں ممتا کے انتہائی نازک محسوسات کو کچھ بے نام اندیشے ——— ناقابل ختم غم بھی عطا ہو گئے تھے۔ ایرانی کنیز مراجل کے بیٹے مامون کے مقابلے میں خیزران کی ہمدردیاں اپنی سگی بہن کی بیٹی ——— زبیدہ ——— کے خالص عرب ——— نجیب الطرفین بیٹے امین ہی کے ساتھ ہوں گی۔ لیکن خیزران کی موت کے بعد دربار خلافت اس عجمی خاندان کی نذر

میں تھا جس کی ذہانت، معاملہ شناسی اور دور اندیشی ضرب المثل بن چکی تھی ——— یحییٰ، فضل اور جعفر۔ تینوں کے تینوں مراجل کے ہم وطن اور ہم زبان تھے۔ خود زبیدہ سے ہارون کی محبت اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ وہ پہروں ——— بلکہ دنوں زبیدہ کو دکھائی بھی نہ دیتا۔ اس سے پہلے کہ ایک سے دوسری ملاقات کے درمیانی وقفے ہفتوں بلکہ مہینوں تک طویل ہو جائیں۔ تخت کی وراثت، ولی عہدی کا معاملہ ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ امین کے متعلق زبیدہ کی وکالت میں جتنی شدت اور زور پیدا ہوتا چلا گیا ہارون کا دل مامون کی طرف جھکتا چلا گیا اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک روز جب ہارون اس بحث کی یکسانیت سے بدمزہ ہو کر اٹھنے لگا تو زبیدہ نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ حرم میں ایسی عورتیں تو ضرور موجود ہوں گی جو دل موہ لینے والے ناز و غمزے، ساز و آواز، ناقابلِ تسخیر حسن و شباب، ہونٹوں اور آنکھوں کے استعمال سے تو ہارون کے جذبات و محسوسات کی نگاہیں روک لیتی ہوں گی لیکن ہارون کے دامن کو ہاتھ سے پکڑنا صرف زبیدہ ہی کا حصہ تھا وہ تو اسے گریبان سے پکڑتی چلی آئی تھی۔ اب اگر اس نے صرف دامن تھام لینے پر قناعت کی تو یہ معاملہ فہمی کا تقاضا تھا۔

"تم اس وقت تک معاملے کے ہر ایک پہلو پر غور کر چکے ہو گے۔"

"کس معاملے پر؟"

"تمہارے بعد تخت کا وارث کون ہو گا؟"

"لیکن تم مجھے اتنی جلدی مارنا کیوں چاہتی ہو زبیدہ؟"

زبیدہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ ہارون بولا: "امین کو تخت نشین کرنے کی خوشی میں؟"

"تمہیں یاد ہو گا ——— ہارون! خالہ بی چچا حضور کی زندگی ہی میں تمہاری تخت نشینی

کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"تو پھر جس چیز کو تم نے اپنی ماں کے لئے پسند کیا اسے امین کی ماں کے لئے ناپسند کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا؟"

ہارون مجبوراً دیوان پہ بیٹھ گیا۔ محرابوں کے پار مجمروں سے اٹھنے والا دھواں خوشبوؤں کے بوجھ سے ڈگمگا رہا تھا۔ ہارون کی نظریں اس کے اُلجھتے ہوئے خطوط پہ مرکوز تھیں۔

زبیدہ بولی:۔ "تو پھر امین کو ولی عہد نامزد کیوں نہیں کرتے؟"

"میری اقلیم محبت کی ملکہ ——— زبیدہ۔ تم سیاست کے ویرانوں میں قدم رکھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"میں اپنی زندگی امین کی کامیابی کے لئے وقف کر چکی ہوں۔"

ہارون کی نظریں زبیدہ کے چہرے پہ گڑ گئیں۔ اب کچھ اور کہنے سننے کی کیا گنجائش تھی؟ زبیدہ کو اپنے اوپر جھکا دیکھ کر ہارون تاڑ گیا کہ وہ کوئی جواب دئے بغیر باہر نہیں نکل سکے گا لیکن وہ کیا جواب دیتا۔ خاموش، سرنگوں بیٹھا رہا۔ زبیدہ بولی:۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"تو گویا تم اس معاملے پر سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے؟"

"میں چاہتا ہوں ——— تم سوچو۔"

"میں تو سوچ چکی ہوں۔"

"گیا — ؟ یہی کہ بڑے بیٹے — جائز حق دار کو محروم کر کے امین کو —؟"

ہارون اچانک خاموش ہو گیا۔ زبیدہ تیزی سے بولی: "عالم اسلام کی خلافت صرف پیغمبر اسلام کے قرابت داروں کا حق ہے ہارون۔ اگر میرے بیٹے کے مقابلے پر تم نے کنیز کے بیٹے —؟"

"زبیدہ —!" ہارون چیخا: "تم میرے سامنے خود میرے بیٹے کو بار بار کنیز کا بیٹا پکارتی ہو، میں زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اور تم میرے سامنے بار بار مامون کو سینے سے لگاتے ہو۔ میں بھی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

"یہ میرا ایک اپنا انداز ہے زبیدہ — مامون کی خداداد ذہانت کو خراج تحسین ادا کرنے کا انداز۔"

"ذہانت — ذہانت!" زبیدہ چیخ اٹھی:۔

"اب تو مجھے اس لفظ سے گھن آتی ہے ہارون۔ اور اس سے پہلے کہ مجھے اس کی جگہ کوئی اور لغت ایجاد کرنا پڑے میں آخری بار امین اور مامون کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"اور مجھے بھی۔"

"اور یاد رکھو۔ یہ آخری امتحان ہو گا۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ کوئی نئی بات کرو ہارون۔"

"نئی بات یہ کہ — اب جو نتیجہ نکلے گا وہ قطعی ہو گا۔"

"یقیناً قطعی ہو گا۔"

"بہت بہتر۔" ہارون نے دو غلام بلائے اور ایک کو حکم دیا:۔

"تم اسی وقت امین کے پاس جاؤ اور پوچھو:۔ اگر تم امیرالمومنین کے بعد خلیفہ بن گئے تو مجھے کیا انعام دو گے؟" اور دوسرے کو حکم دیا:۔

"تم مامون سے یہی سوال کرو۔ اور دونوں شہزادوں کے جواب سے ہمیں فوراً اطلاع دو۔"

دونوں غلاموں کے انتظار میں زبیدہ کی بے قراریاں اعتدال کی سرحدیں پار کر گئیں۔ ہارون نے آج تک اپنے جذبات و محسوسات کی ملکہ کا یہ انداز پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بے نام اندیشوں کے گہرے سایوں نے اس کے حسن میں ایسا وقار پیدا کر دیا جس کے سامنے ہارون کو اپنی بے بسی کا جلتا ہوا احساس پریشان کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد غلام گردشیں تیز، بے ترتیب آہٹوں سے گونج اٹھیں اور امین کی طرف جانے والا غلام امیرالمومنین کے سامنے جھک گیا:۔

جب میں نے شہزادے سے کہا کہ اگر آپ امیرالمومنین بن گئے تو خانہ زاد کو کیا انعام ملے گا؟"

غلام لمحے بھر کو خاموش ہو گیا۔ گو اس کی نظریں ابھی تک اپنے قدموں پر گڑی ہوئی تھیں لیکن اس نے محل کے دردناک سکوت میں ملکہ زبیدہ کی تیز رفتاری سے لباس کی بے ترتیب سرسراہٹیں سن لی تھیں۔ وہ سوچنے لگا: شاید ملکہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کے جواب کی مشتاق ہیں۔ اور جب یہ سرسراہٹیں سکوت میں آسودہ ہو گئیں تو غلام نے رک رک کر سلسلہ کلام جاری کیا:۔

"شہزادہ میری بات سن کر خوشی سے اچھلا اور بدحواس ہو کر بولا: خدا کی قسم

تمہارا منہ ہیروں سے بھر دوں گا۔"

ہارون دیوان کا کونا ٹٹولتا ہوا بیٹھ گیا۔ زبیدہ نے بھی پردے کو تھامنے کی کوشش کی اور غلام کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے ہارون کے چہرے کی کیفیات کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن نظروں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

ذرا دیر بعد وہ غلام دروازے پر نمودار ہوا جو مامون کی طرف گیا تھا۔ لیکن ہارون اور زبیدہ اسے پہلی نظر میں پہچان نہ سکے۔ اس نے اپنا سارا چہرہ رومال میں چھپا رکھا تھا اور ایک ہاتھ سے اپنا نچلا جبڑا سہلا رہا تھا۔ زبیدہ اسے دیکھتے ہی بے اختیاری سے بولی :۔

"ہاں!"

غلام کے موٹے، بھدے ہونٹوں کو الفاظ کا ساتھ دیتے وقت خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا :۔

جب میں شہزادہ ماموں کے کمرے میں داخل ہوا وہ دیوان پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ میں دہلیز میں رک گیا اور کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس نے کام سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا :۔ اجازت ہے۔ میں بولا : حضور! اگر میں آپ کو خوشخبری سناؤں کہ آپ امیرالمومنین بن گئے تو خانہ زاد کو کیا انعام ملے گا؟ شہزادے کے ہاتھ رک گئے۔ ان کی نظریں میری طرف اٹھیں اور ہاتھ سے دوات ٹٹولنے لگے اور پھر اچانک دوات میرے منہ پر دے ماری اور بولے :۔

"اللہ تمہیں غرق کر دے منحوس انسان۔ جب امیرالمومنین ہی نہیں رہیں گے تو ہم کہاں ہوں گے؟ ہم ان پر قربان ہو جائیں گے!"

ہارون نے سنبھالا لیا اور غلام کو چلے جانے کا اشارہ کر کے زبیدہ کو دیکھا۔ وہ ابھی تک پردہ تھامے بت کی طرح خاموش کھڑی تھی۔ ہارون نے کچھ کہنا مناسب خیال نہ کیا۔ لیکن جب وہ زبیدہ کے قریب سے گزرنے لگا تو وہ بولی:۔

"مامون اپنے عجمی اتالیق کی طرح خوشامدی ہے۔"

"تمہاری قسم خوشامد تو خدا کو بھی پسند ہے۔"

"لیکن مجھے خوشامدیوں سے نفرت ہے۔"

"یہ بالکل مختلف موضوع ہے ——— بیگم۔"

"تم نے خوب یاد دلایا ہارون۔ ہم امین کی ولی عہدی پر بحث کر رہے تھے ——— پھر؟"

"میرے خیال میں مامون نے اس کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نہیں جانتا ——— زبیدہ۔"

"میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"ضد نہ کرو۔ ہر بات کے فیصلے کا موزوں وقت ہوتا ہے۔"

"میں امین کی ولی عہدی کے راستے میں وقت کی پابندی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"سلطنت کے امور میں بے تاب جذبوں کا خلوص کوئی مفید خدمات انجام نہیں دیتا زبیدہ۔ تم بھی موجودہ سطح سے بلند ہو کر غور کرو اور مجھے بھی سوچنے کا موقعہ دو۔"

"کوئی مضائقہ نہیں۔" زبیدہ دیوان کی طرف بڑھی "لیکن موجودہ سطح سے بلند ہونے کے بعد بھی میرا فیصلہ یہی ہو گا۔"

ہارون دہلیز پار کرتے وقت اچانک رک گیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ "کیا؟"

"یہی کہ عباسی سلطنت کا تخت صرف امین کے حصے میں آئے گا۔"

○

زبیدہ اپنے اکلوتے بیٹے کی حمایت میں شیرنی کی طرح بپھر گئی اور ہارون کو یقین ہو گیا کہ اب مامون کی حق تلفی اور امین کو ولی عہد نامزد کرنے کے سوا سکون کے دوسرے سارے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے جعفر سے مشورہ لیا:۔

"زبیدہ کے سامنے مجھے ایک نہ ایک دن ہتھیار ڈالنے پڑیں گے جعفر۔ میں وقت تو ٹال سکتا ہوں لیکن زبیدہ کی خواہش رد نہیں کی جا سکتی بتاؤ میں کیا کروں؟"

اور جعفر جانتا تھا کہ زبیدہ کے شبستان کے بغیر ہارون کو اور کہیں تسکین حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ زبیدہ کی خواہش ٹال نہیں سکتا تو پھر وقت گزارنے کا فائدہ؟ جعفر بولا:۔

"تو پھر امین کو ولی عہد نامزد کر دیجئے امیر المومنین۔"

اور ساتھ ہی مجھے وہ ٹھکانہ بھی بتا دو جہاں امین کو ولی عہد نامزد کرنے کے بعد میں اپنی بقیہ زندگی مامون کی آنکھوں سے دور بسر کر سکوں۔

"ہارون بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ جعفر بولا:۔

"کچھ عرض کر دوں ــــ امیرالمومنین؟"

"فوراً۔"

"مامون کو امین کا ولی عہد نامزد کر دیجئے۔"

اگرچہ یہ نامزدگی مامون کی زخمی خواہشوں کا مداوا تو نہیں بن سکتی تھی لیکن ہارون کسی نہ کسی حد تک اپنے جذبات کو فریب دے سکتا تھا۔ وہ بولا:-

"مجھے تمہارا مشورہ پسند آیا۔ اگر زبیدہ خاتون اسے تسلیم کر لے تو میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر امین کو تخت و تاج کا وارث نامزد کر سکتا ہوں۔"

اور جب اس نے زبیدہ کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو لمحے بھر کے لئے اس کے ماتھے پر شکنوں کے باریک سے خط ابھرے اور پھر فوراً ہی مٹ گئے۔ وہ بولی:-

"میں اس شخص کی ذہانت کو سلام کرتی ہوں جس نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے۔"

زبیدہ کا خیال تھا کہ ہارون بڑے فخر کیساتھ اپنے مشیر کا نام بتا دے گا۔ اور اگرچہ اسکی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ وہ اس کے مشیر کو اچھی طرح جانتی تھی لیکن نہ جانے وہ ہارون کے منہ سے جعفر کا نام سننا چاہتی تھی۔ ہارون خاموش رہا۔ زبیدہ بولی:-

"ایسا نیک اور منصفانہ مشورہ جعفر کے بغیر اور کون دے سکتا ہے؟"

"تم اس مشورے کو نیک اور منصفانہ سمجھتی ہو ــــ بیگم؟"

"میں ہر محفل میں اس کی افادیت کا اعتراف کرنے کو تیار ہوں۔"

"تو پھر تمہیں جعفر کے خلوص کی داد دینی چاہیئے۔"

اور ہارون کے منہ سے جعفر کا نام سنتے ہی زبیدہ کے اعصاب چٹخنے لگے۔ وہ خلافت کو امین کی اولاد میں محفوظ کرنے کا جو خواب دیکھ چکی تھی۔ جعفر نے اسے بری طرح پریشان کر

کی ہرگز کوئی امید نہ تھی۔ وہ بولی :-

"مجھے امیر المومنین کی شرط منظور ہے۔"

اور اسکے فوراً بعد ہارون نے زبیدہ کو قول دیدیا۔ "میرے بعد امین تخت و تاج کا وارث ہوگا اور پھر مامون"۔

ہارون کو یقین تھا کہ زبیدہ اس فیصلے پر خوشی کا برملا اظہار کرے گی۔ لیکن اسے برہم دیکھ کر ہارون حیرت میں ڈوب گیا۔ یہ ہارون کی عادت تھی کہ زبیدہ کی برہمی کے وقت ذرا کنارا کر جاتا تھا۔ زبیدہ بھی یہی کیا کرتی تھی۔ لیکن ہارون زبیدہ کی برہمی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اس کی وجہ شاید یہ تو نہیں کہ زبیدہ امین کے بعد بھی مامون کو اپنے حق سے محروم رکھنا چاہتی ہے اور پھر اسکے فوراً بعد اسے دجلہ کی وہ اداس شام یاد آگئی جس کے اثرات سے خوفزدہ ہو کر اس نے خود اپنے ہاتھ سے ولی عہدی کی انگوٹھی اتار کر دریا میں پھینک دی تھی۔

کہیں امین اور زبیدہ دونوں مل کر مامون کو اس حد تک مجبور نہ کر دیں کہ وہ ولی عہدی کی انگوٹھی انگلی سے اتار کر دریا میں پھینک دے؟ نہیں! اسکے دل نے جواب دیا۔ امین بالکل اپنے مرحوم چچا ہادی کیطرح آرام طلب اور عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اسکے خلاف مامون کی طبیعت میں ایسی سنجیدگی، استقلال اور عزم کی چوٹیاں ابھی سے چمک رہی تھیں۔

لیکن یہ چیزیں ہارون کو مطمئن نہ کر سکیں۔ امین کو وارثِ تخت نامزد کرنے کے بعد اس نے یہ امید لگا رکھی تھی کہ اب اسے زبیدہ کے شبستان میں ایسا سکون مل جائے گا۔ جس میں دنیا کا کوئی حادثہ شکن تک پیدا نہیں کر سکے گا۔ لیکن یہ اس کا خیال تھا ـــــ خام خیال۔

امین کو ولی عہد نامزد کرتے ہی یوں معلوم ہوا جیسے اس نے اپنے سکون کی مدافعت کے لئے جو آخری تیر ترکش میں چھپا رکھا تھا وہ کمان سے نکل کر جنگلوں میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

گیارھواں باب

ہارون اور زبیدہ

اپنی خالہ اور ساس ---- ملکہ خیزران کی موت کے بعد زبیدہ کو "خاتونِ حرم" کے مقام تک پہنچنے کے لئے رشک و رقابت کی کن خوف ناک وادیوں سے گزرنا پڑا ، اس کی داستان جتنی طویل ہے اس سے کہیں زیادہ دلچسپ اور دردناک بھی۔ کیونکہ خیزران کے دلدادہ مہدی کے مقابلے میں زبیدہ کا رنگیلا ہارون انتہائی پیچیدہ ---- عجیب و غریب شے تھا۔

اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہارون جب کبھی زبیدہ کی اُمنگوں کے آڑے آیا۔ خاندان برامکہ کے کسی نہ کسی فرد کا سایہ ہمیشہ اس کے اردگرد منڈلاتا دیکھا گیا۔ ہارون سے شادی کے فوراً بعد زبیدہ کو ایک ساتھ دو محاذوں پر پوری قوت کے ساتھ برسرِپیکار ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک طرف وہ شادی کے بعد گزرنے والے ایک ایک پل کا شمار کرتی رہی کیونکہ وہ ابھی تک ہارون کو تخت کا وارث بنانے میں کامیاب نہ ہوئی تھی ---- اور وہ اس محرومی کے نتیجے سے پوری طرح باخبر تھی ---- اور دوسری طرف حریم خلافت میں ہارون کی ان دو سو کنیزوں کی صفیں آراستہ تھیں جن میں سے ہر ایک لڑکی حسن و جمال

شباب وگداز، لذت وحلاوت، ذہانت ومتانت سخنوری، سخن فہمی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی، شعر، ادب اور موسیقی میں اپنی نظیر آپ تھی۔ وہ بارہ عورتیں ان کے علاوہ تھیں جنھیں ہارون نے مختلف اوقات میں کنیزوں کی منڈیوں سے منہ مانگے داموں خریدا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نسانی حسن وجمال کا یہ چشمہ سدا بہار سا تھا۔ مختلف صوبوں کے گورنر، اُمرا اور ہارون کی خوشنودی حاصل کرنے والے سینکڑوں لوگ "اس قسم کے غنچے" بعض اوقات مرقعوں کی صورت میں ہارون کو پیش کرتے رہتے تھے۔ اور ان میں سے کئی پھولوں نے ہارون کے انتخاب وپسندیدگی کی نظر کو اپنی طرف کھینچا۔

سب سے پہلی عورت، جسے بجا طور پر شہزادہ ہارون کی پہلی محبت کا درجہ دیا جا سکتا تھا یحییٰ برمکی کی یورپی کنیز ہلینا ——— ہیلن ——— تھی۔ ہیلن غالباً اس زمانے میں ہارون کی توجہ کا مرکز بنی جب وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یحییٰ کے گھر کثرت سے آتا جاتا تھا۔ یہ ہیلن ہی تھی جس نے شہزادے کی نظر التفات سے شہ پاکر درخواست کی تھی:۔ "مجھے بوڑھے یحییٰ کی غلامی سے نجات دلایئے!" چنانچہ ہارون نے یحییٰ سے فرمائش کی:۔

"ہیلن مجھے بخش دیجئے۔"

اور یحییٰ نے تعمیل کی۔ لیکن ہارون ہیلن کی آنکھوں اور ہونٹوں کے کیف چھلکاتے ہوئے پیالوں سے پیار کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی پیاس زیادہ دیر تک نہ بجھا سکا۔ غالباً وہ ہارون کے حرم میں داخل ہونے کے دوسرے برس مر گئی۔ ہارون نے اس کی موت پر مرثیہ کہا۔ یہ زبیدہ کے ساتھ شادی سے پہلے کی بات ہے۔

زبیدہ سے شادی کے بعد ——— چچا کی بیٹی نے ہارون پر ایسا جادو کیا کہ وہ تخت وتاج سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گیا:۔

"میں اپنی بقیہ زندگی زبیدہ کی زلفوں کے سائے میں بسر کرنا چاہتا ہوں"۔ لیکن یحییٰ آڑے آیا۔ غالباً یہی واقعہ ہوگا جس نے زبیدہ کے دل میں آلِ برمک سے نفرت کا بیج بو دیا۔ اگلے چند برسوں نے شاہی جوڑے کی نجی زندگی پر طرح طرح کے گہرے، تاریک سائے ڈالے ——— کیونکہ زبیدہ ابھی تک تخت و تاج کے وارث کی ماں نہ بن سکی تھی۔

لیکن ان کی محبت کی نرم و مرمریں زندگی کے راستے میں کچھ اور رکاوٹیں بھی پیدا ہونے لگی تھیں۔ یحییٰ کی ایک کنیز زبیدہ کے شاہانہ پیار کی شاہراہ پر اچانک نمودار ہوئی ——— اس دیناروں کی طرح زرد رو ساحرہ کا نام دنانیر تھا ——— دنانیر برمکی۔ وہ آلِ برمک سے اپنی عقیدت و خلوص کی بنا پر برمکی کہلاتی تھی۔ یحییٰ نے اسے اپنے وقت کے نامور موسیقاروں ——— عورتوں اور مردوں ——— سے گانے اور ساز بجانے کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ اس زمانے میں مدینہ موسیقی کی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ موسیقی کی تعلیم ——— نے دنانیر کو جن خوبیوں سے مالا مال کیا تھا۔ یحییٰ ایسا فن پرست انسان اس کی صحیح قدریں پہچان چکا تھا۔

جب وہ فارغ التحصیل ہو کر واپس آئی۔ تو یحییٰ نے ابراہیم الموصلی سے کہا:۔ "ذرا اس کا امتحان تو لو"۔

دنانیر نے گانا شروع کیا موصلی نے ایک بار پھر گانے کی فرمائش کی اور جب تیسری بار گانا سننے کے بعد بھی ابراہیم دنانیر کے فن میں کوئی عیب دریافت نہ کر سکا تو برملا یحییٰ کے انتخاب کی تعریف کی اور اسے یقین دلایا:۔ "دنانیر اوّل درجے کی مغنیہ ہے اور ایسی نایاب چیز کی ملکیت پر خانہ زاد کی طرف سے ہدیۂ تبریک قبول کیجئے"۔

ہارون نے نفرِ برامکہ ہی کی کسی محفل میں پہلی بار دنانیر کی آواز سنی۔ اور پھر جیسے جیسے

اس آواز کے جادو کی تاثیر بڑھتی چلی گئی۔ یحییٰ کی محفلوں میں ہارون کی شرکت کے لمحات طویل ہوتے چلے گئے۔ ایک رات وہ اس قدر مست ہوا کہ اپنے گلے کا وہ ہار بطور ہدیہ پیش کر دیا جس کی قیمت تیس ہزار دینار تھی۔ حالات کے اس اچانک پلٹے نے زبیدہ کو ایک دم سے جھنجھوڑا۔ وہ فوراً ہارون اور اپنے سگے چچا ابراہیم العباسی کے پاس گئی اور ہارون کی "زیادتیوں" کا رونا رویا۔ اور جب ابراہیم ہارون سے ان زیادتیوں کی وجہ دریافت کرنے لگا۔ تو وہ بولا: "دنانیر نہیں —— بلکہ دنانیر کی آواز۔ میری روح میں ٹوٹے ہوئے نیزے کی انی کی طرح اٹک کر رہ گئی ہے۔ خدا کے لئے ایک بار آپ بھی اس کی آواز سنیں۔ کیونکہ اس کے بغیر میری بے گناہی —— بے بسی ثابت نہیں ہو سکتی۔"

ہارون کے اشارے پر یحییٰ کے گھر موسیقی کی عظیم محفل آراستہ ہوئی جس میں اپنے عہد کے امام موسیقی —— ابراہیم عباسی کے علاوہ شاہی خاندان کے دوسرے شہزادوں نے بھی شرکت کی۔ دنانیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ آج اس نے عالم اسلام کے سب سے بڑے سلطان —— ہارون کی بے گناہی ثابت کرنی تھی۔ لیکن یہ کہ خود ہارون پر اس کی آواز کیسا جادو چلا چکی تھی؛ دنانیر کے سوا اور کوئی شخص اس کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ اسے دونوں صورتوں سے عہدہ برآ ہونا تھا۔ اپنے جادو کے متعلق ہارون کے دل میں محبت کا وقار بھی بحال رکھنا تھا اور ہارون کے علاوہ دوسرے تمام معزز سامعین پر ہارون کی بے بسی، وارفتگی بھی ثابت کرنی تھی۔ انتہائی مشکل کام تھا۔ لیکن دنانیر کو ایسی مکمل فتح حاصل ہوئی کہ ابراہیم زبیدہ کے پاس آیا۔

"دنانیر کے متعلق ہارون کو پریشان کرنا چھوڑ دو۔" ابراہیم العباسی نے زبیدہ کو مشورہ دیا: "کیونکہ فائدے کی بجائے نقصان کی توقع زیادہ ہے۔"

زبیدہ نے حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اپنی بے بنیاد رقابت کی معافی مانگنے کے لئے ہارون کو اپنی دس کنیزیں پیش کیں۔ ان میں سے مامون کی ماں ——— مراجل ——— کے علاوہ وہ کنیز بھی شامل تھی جو ہارون کے تیسرے بیٹے موتمن کی ماں بنی۔

اپنے خاوند کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا یہ طریقہ ——— جو خواہ کتنا ہی اجنبی اور افسوسناک دکھائی کیوں نہ دے ——— اس وقت کے بغداد کی معاشرت میں رچ بس گیا تھا سچ تو یہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کے لئے شمشیر و سناں اور طاوس و رباب کے اصول کو بڑے سلیقے سے استعمال کر رہی تھی۔ اور دیکھنے والی نظریں دیکھ رہی تھیں۔ روم کے کھنڈروں میں دفن ہونے والی ثقافت کا بیج بابل کی بنیادوں سے پھوٹ رہا تھا۔ اس وقت کا اسلامی ذہن اس مفروضے کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ——— عمدہ تحفہ تو وہ ہے جو لینے والے کے دل کی آرزو اور دینے والے کی روح کا ناسور بن جائے۔

اس مفروضے کی معقولیت کا اندازہ لگاتے وقت زبیدہ نے بار بار اپنا دل ٹٹولا ہوگا:۔ کیا ——— خاتون حرم کے پاس ایسی کنیز ہونی چاہیئے جس کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بادشاہ کی خواہش کو سکون سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ اور پھر ——— کیا یہ خاتون حرم کا فرض ہے کہ وہ اس کنیز کو قیمتی زیورات اور ریشمی لباس سے آراستہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دے؟ اور اگر وہ یہ قربانی دے سکتی ہو تو کیا بادشاہ حرم کی دوسری تمام عورتوں کے مقابلے پر اپنے دل میں امتیازی مقام عطا کرے گا کیونکہ بادشاہ کو محسوس کرنا ہوگا کہ خاتون حرم نے بادشاہ کی آرزوں پر اپنی حسرتیں قربان کر دیں ہیں

ایثار ــــــ اور بے غرضی کا مظاہرہ کیا ہے جس سے صرف چند عورتوں کے سوا حوا کی پوری جنس محروم ہے۔"

حرم میں مریدہ نامی ایک ایسی کنیز بھی تھی جس کی بذلہ سنجی، حاضر دماغی اور حاضر جوابی نے ہارون کے پاؤں میں طوق ڈال دئے تھے لیکن کنیز اور شہنشاہ کے اس انوکھے پیار میں کئی بار پیار کی جنگ کے بازار گرم ہوئے۔ رقہ کے عارضی قیام میں اسی قسم کی ایک عاشقانہ جھڑپ سے باغی ہو کر ہارون مریدہ کو پیچھے چھوڑ تا بغداد میں آ بیٹھا۔ لیکن مریدہ کی جدائی رنگ لائی۔ تنہائی میں طبیعت موزوں ہوئی اور ہارون نے غالباً زندگی میں پہلی مرتبہ چار شعر کہے اور ابراہیم الموصلی کو حکم دیا:۔

ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے اشعار کے لئے کوئی موزوں دھن تیار کرو۔"

ابراہیم نے ایک ساتھ بیس دھنیں تیار کیں اور ان میں سے ایک ہارون کو بہت پسند آئی ــــــ اور ابراہیم سے کہا:۔"یہ دھن اور میرے اشعار۔ گاؤ ابراہیم ــــــ گاتے چلے جاؤ۔"

اس دھن اور اشعار کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اسی رات بغداد کے ایک نائٹ کلب میں صبح تک گونجتے رہے۔ اور جب ان کی گونج مریدہ کے کانوں میں پہنچی تو اس نے ہارون کے عہد کے ممتاز شاعر ابوحفص الشطرنجی کو طلب کیا۔ ابوحفص ہارون کی دوسری بہن علیہ کا پسندیدہ شاعر تھا ــــــ مریدہ کی فرمائش پر ابوحفص نے ہارون کے جواب میں آٹھ شعر کہے جن میں ہارون کے قول اور فعل کے تضاد پر حیرت ظاہر کرنے کے بعد ناراض ہو جانے والے عاشق سے پوچھا گیا تھا کہ اگر تمہیں واقعی ہجر کی آگ پھونک رہی ہے تو رقہ سے بھاگ گئے کیوں؟ کیا تم بغداد کے شبستانوں میں دوسری عورتوں کے ساتھ اپنا دل نہیں

بہلا رہے ؟

اور جب یہ اشعار ہارون نے سنے تو اسی وقت اپنے ایک معتمد غلام کو رقہ روانہ کیا :-

"تم میری طرف سے معذرت کرو اور مریدہ سے کہو۔ اسی وقت بغداد کوچ کر آئے ۔"

لیکن ان کی ایک اور جھڑپ پہلی کے مقابلے میں قدرے خوف ناک دکھائی دیتی ہے۔ اصل بات کیا تھی؟ معلوم نہ ہو سکی لیکن ناراض ہو جانے کے بعد ہارون کی پشمانیاں اور بے چینیاں اعتدال کی حدود سے گزر گئیں اور مریدہ کی یاد میں آہیں بھرنے لگا لیکن اب شاہانہ وقار آڑے آگیا اور مریدہ سے معافی مانگنے پر دل کو آمادہ نہ کر سکا۔ ہارون کی حالت بھانپ کر جعفر برمکی نے عباس بن احنف ——— ہارون کے ایک درباری شاعر سے فرمائش کی :-

ایسے اشعار کہو کہ یا تو مریدہ بے اختیار ہو کر امیر المومنین کے پاس یا امیر المومنین اس کے پاس پہنچ جائیں۔ شاعر نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر کہے :-

"اپنے ان دوستوں کی طرف لوٹ آؤ"

جنہیں روتا چھوڑ کر چلے گئے ہو۔

محبت کا غلام اپنی ملکہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہے ؟

اگر وقت کی رفتار کے ساتھ تمہارے فراق کے لمحے طویل ہوتے گئے تو دونوں کے دلوں میں اختلافات کی خلیج بڑھتی جائے گی اور پھر روٹھے ہوئے پیار کو منانا مشکل ہو جائے گا ۔"

جعفر کو یہ اشعار پسند آئے اور ابراہیم الموصلی سے کہا: "انہیں کسی پیاری دھن میں امیر المومنین کے سامنے گاؤ۔"

ابراہیم نے فوراً تعمیل کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہارون اپنے سارے شاہانہ وقار، تقدس اور احترام کو روندتا ہوا مریدہ کی بارگاہ ناز تک پہنچا اور دونوں خوشی کے آنسوؤں کی برسات میں ایک دوسرے کے سینے سے لپٹ گئے۔

شاہی رومانوں کی ان الف لیلوی مثالوں نے ہارون کی چند اور منظور نظر کنیزوں کو بھی ملکہ زبیدہ اور مریدہ سے مقابلہ کرنے پر اکسایا ہوگا۔ ہارون خود بھی اور ہارونی عہد کے سارے شاعر یک زبان ہو کر کنیزوں کے ایک ایسے تکونے طلسمات کی تعریف کرتے ہیں جن میں ذات الخال — تل والی خاتون — ضیا اور سحر نامی کنیزیں شامل تھیں۔

جیسے کہ ذات الخال — تل والی خاتون — کے نام سے ظاہر ہے اس کے بالائی ہونٹ یا شاید رخسار پر ایک تل تھا اور اس زمانے کے معیار جمال کے مطابق ذات الخال کے حسن میں بے پناہ دلکشی کا موجب تھا۔ وہ اپنے زمانے کی مانی ہوئی مغنیہ تھی اور ایک ایسے بردہ فروش کی ملکیت تھی جو عباسہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ذات الخال ابراہیم الموصلی کی آنکھوں میں سما گئی اور اس نے ذات الخال کے حسن کی تعریف میں ایسے گانے گائے جنہیں سن کر ہارون جھوم جھوم اٹھا اور ستر ہزار دینار کے عوض ذات الخال کو خرید لیا۔

لیکن اسے اپنی بیگم بنانے سے پہلے ہارون کا وقار از تسکین قلب ذات الخال سے بعض سوالوں کا جواب لینا چاہتی تھی۔

"ابراہیم کے ساتھ تمہارے تعلقات کہاں تک پہنچے ہیں؟" اس نے ذات الخال سے پوچھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں ابراہیم سے بھی پوچھوں گا۔ اور اگر تم نے غلط بیانی سے کام لیا تو تمہاری خیر نہیں۔ ذات الخال نے خوفزدگی میں سب کچھ بیان کر دیا اور حقیقت

حال معلوم کرنے کے بعد ہارون کی محبت ایک دم نفرت میں بدل گئی اور ذات الخال کو اسی رات اپنے غلام حماویہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن ذات الخال اور اس کی آواز سے محرومی محسوس کرنے کے بعد ہارون نے حماویہ کو تاکید کی: "خبردار۔ اس کی آواز تمہارے سوا اور کوئی نہ سنے۔"

حماویہ نے اپنے آقا کو یقین دلایا: "میں ذات الخال کو امانت کی طرح اپنے پاس رکھوں گا امیر المومنین!"

غلام کی بات سن کر ہارون کی محرومی ایک دم انتہا پہ پہنچ گئی۔ وہ بولا: "کل رات تمہارے گھر آؤں گا۔"

دوسرے روز حماویہ صبح سویرے بغداد کے ایک جوہری کے پاس پہنچا: "مجھے کچھ قیمتی زیور ادھار دو۔"

اور اس نے ذات الخال کو بنا سنوار کر ہارون کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہارون نے ذات الخال کے لباس اور زیورات کی چمک بھڑک کو دیکھ کر حیرت سے دریافت کیا:-

"یہ چیزیں کہاں سے ہاتھ آئیں؟"

اور جب حماویہ نے ساری کہانی بیان کی تو ہارون خوش ہوا۔ اس نے جوہری کا بل اسی وقت چکا کر زیورات ذات الخال کو بخش دئے اور ذات الخال کے سامنے قسم کھائی:-

"آج تم جو خواہش بیان کرو گی۔ فوراً پوری کی جائے گی!"

امیر المومنین کی نظروں میں سما جانے والی مسرور اور احسان مند کنیز نے اچی

کی:-

"حماویہ کو پورے سات برس کے لئے ایران کے کسی صوبے کا گورنر نامزد کر دیا جائے۔"

ہارون نے اسی وقت حماویہ کو گورنر نامزد کرنے کے بعد یہ وصیت نامہ تحریر کیا کہ اگر میں سات برس کے اندر مر جاؤں تو میرا جانشین میرے معاہدے کی پابندی کرے گا۔

تاریخ نے ہارون اور ذات الخال کا ایک اور واقعہ بھی محفوظ رکھا ہے۔ اسی قسم کی کسی ملاقات میں ہارون نے ذات الخال سے وعدہ کیا:-

"میں کل بھی آؤں گا۔"

لیکن راستے ہی میں حرم کی کسی اور ساحرہ کا ایسا جادو چل گیا کہ ہارون کو ذات الخال کا خیال تک نہ آیا۔ اور ہارون کے تغافل نے ذات الخال پر اتنا اثر کیا کہ اس نے ہارون کی محبت سے انتقام لینے کی خاطر رخسار کا وہ حصہ ہی نوچ لیا جہاں تل تھا۔ مقابلت کے اس شدید دورے میں ذات الخال کو یہ بات یاد رہی تھی کہ اس کا یہی تل ہارون کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جب ہارون کو پتہ چلا تو وہ اپنے دربار کے چند ممتاز شاعروں اور ابراہیم الموصلی کو ساتھ لے کر ذات الخال کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ابراہیم کے مسحور کر دینے والے نغموں سے دیر تک اس کی دلجوئی اور معذرت کرتا رہا۔

یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ زبیدہ کے نقطۂ نگاہ سے مریدہ اور ذات الخال حریم خلافت کے انتہائی خوفناک رقیبوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔

لیکن تاریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہے کہ ان دونوں کے ساتھ زبیدہ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ جس طرح حرم میں ایک ساتھ رہنے والیوں کا دستور ہے زبیدہ دونوں کے ساتھ ملتی جلتی تھی یا بادشاہ خاوند کے ساتھ خاتون حرم کی ان تاریخی جھڑپوں میں —— جن کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے —— مریدہ اور ذات الخال کی رقابت کارفرما تھی۔

مریدہ اور ذات الخال کے علاوہ نطفی کی ایک اور کنیز مغنیہ عنان —— پر بھی ہارون کی بڑھتی ہوئی نظر التفات نے زبیدہ کو سر سے پاؤں تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اس کی خداداد شاعرانہ صلاحیتیں ہارون کا دل موہ چکی تھیں۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں حرم کی کوئی خاتون اس کا لگا نہ کھا سکی۔ اور جہاں تک فی البدیہہ اشعار کا تعلق ہے۔ ہارونی دربار کا کوئی شاعر اس کے مقابلے میں کامیاب ہونے کی سعادت حاصل نہ کر سکا وہ الف لیلے کے شہرت یافتہ شاعر حسن ابن ہانی المعروف ابونواس کے اعصاب پر سوار ہو گئی۔ اگرچہ اس نے شعر اور سخن کی اقلیم میں ابونواس سے نوک جھونک کا کوئی موقعہ خالی نہ جانے دیا لیکن جب وہ اس سے اپنے عشق و وارفتگی کا اظہار کرتا تو عنان کو سخت اذیت ہوتی۔ ابونواس کے علاوہ اس کے مداحوں اور قدر دانوں کی کوئی کمی نہ تھی لیکن نہ جانے وہ کیوں نا آشنا محبت رہنے کو ترجیح دیتی تھی۔

ہارون ایک روز شعر و شاعری کی محفل جمائے بیٹھا تھا کہ اموی دور کے نامور شاعر جریر کے بعض اشعار اس کے لبوں پر ناچنے لگے اور اس نے محفل میں موجود ہر ایک شاعر سے فرمائش کی "تم میں سے کوئی شخص جریر کے معیار کے شعر کہہ سکتا ہے؟" لیکن کوئی شخص اس مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہارون نے ایک خدمتگار کے ہاتھ جریر کے چند

شعر نطفی کے پاس بھیجے عنان نے اسی وقت تین فی البدیہہ شعر کہہ کر خدمتگار کو واپس بھیج دیا۔ یہ تینوں شعر ہارون کو اتنے پسند آئے کہ عنان کو اسی رات تیس ہزار دینار میں خرید لیا۔ لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق عنان کا آقا ایک لاکھ دینار سے کم قیمت پر راضی نہ ہوا۔ ہارون اس پر بھی راضی ہو گیا اور سات درہم فی دینار کی شرح پر قیمت ادا کرنا چاہی جسے نطفی نے ایک بار پھر رد کر دیا اور ہارون کو مجبوراً سودا توڑنا پڑا۔ لیکن نہ تو وہ عنان کو بھول سکا۔ نہ عنان اسے۔ کیونکہ آغانی میں عنان کے وہ اشعار ابھی تک محفوظ ہیں جو اس نے ہارون کے فراق میں ہارون کو مخاطب کر کے کہے۔

نطفی کی موت کے فوراً بعد ہارون نے مسرور کو حکم دیا:۔ عنان کو ہر قیمت پر خرید لو۔ لیکن خراسان کے ایک غیر معروف سوداگر نے ایک، دم ڈھائی لاکھ درہم کی بولی دے کر عنان کا سودا طے کر لیا اور اسے اپنے ساتھ خراسان لے گیا۔

اگرچہ حسین وجمیل عورتوں کے موزوں ——— گداز جسم اور فن کارانہ صلاحیتیں ہارون کے دل کے لئے کھل جا سم سم کا درجہ رکھتی تھیں۔ لیکن ہارون کی زندگی میں ایسے لمحات بھی اکثر آئے۔ جب علم و ثقافت کی کارفرمائیوں نے حسن وجمال کے طلسمات کی دھجیاں اڑا دیں۔ ایک مرتبہ رقہ ہی کے قیام میں ہارون نے دو ایسی کنیزیں خریدیں جن کی علمی شہرت کے ڈنکے بج رہے تھے اور ان کا امتحان لینے کے لئے اپنے وقت کے فاضلِ اجل علامہ اصمعی کو بغداد سے بلایا۔

اصمعی اپنے سامنے دل میں کھب جانے والی لڑکیوں کے جوڑے کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ اس نے سب سے تیز لڑکی کی طرف منہ پھیرا:۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے علم کی کن شاخوں کا مطالعہ کیا ہے؟"

"سب سے پہلے اس علم کا ـــــ جسے حاصل کرنے کے لئے اللہ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے"۔ کنیز نے جواب دیا: "اور پھر ان علوم کا جو انسانی ذہن کو شاعری، زبان، ادب اور تاریخی مطالعہ پر اکساتے ہیں"۔

پھر اصمعی نے کسی قدر اعتماد کے ساتھ قرآن، صرف نحو، ایام العرب، شاعری اور تاریخ کے متعلق چند مخصوص سوالات پوچھے اور کنیز کو ہر ایک علم میں یکتا پایا۔ اس کنیز کے تاثر کا یہ عالم تھا کہ علامہ اصمعی جوش سے بے خود ہو کر بولا:۔

"خدا کی قسم! آج تک میری نظروں سے ایسی کوئی عورت نہیں گذری جس نے اس دوشیزہ کی طرح مردانہ وار استقلال کے ساتھ علم حاصل کیا ہو"۔

"اور پھر دوسری لڑکی کا امتحان لینے کے بعد بولا": "اگرچہ یہ پہلی کنیز کے پائے کی نہیں لیکن مناسب تعلیم اور تربیت کے بعد اس سے پیچھے نہ رہے گی"۔

چنانچہ ہارون نے حکم دیا کہ پہلی کنیز کو آج رات اس کے شبستان کے لئے تیار کیا جائے۔

لیکن متعدد شرعی بیویوں، داشتہ بیگموں اور فسوں کار گانے والی عورتوں کے باوجود ہارون کی اقلیم محبت میں زبیدہ سب سے اونچے مقام پر فائز رہی اور دوسری تمام عورتوں کے مقابلے میں ہارون کی قربت کے طویل ترین "لمحات" سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ اکثر یہ بھی ہوتا کہ بچپنے کے محب اور محبوب ایک دوسرے کو چھیڑتے۔ نوک جھونک کے بغیر محبت بے کیف سی چیز دکھائی دیتی ہے۔ زبیدہ کا صحیح نام امۃ العزیز ہے۔ اور خاندانی نام ام جعفر۔ چونکہ وہ بچپنے میں بالکل مکھن کے پیڑے کی طرح سفید، گداز اور چکنی چپڑی سی تھی اس لئے بوڑھا دادا ـــــ منصور اسے اپنی گود میں کھلاتے

وقت زبیدہ ـــــ مکھن کا پیڑا ـــــ کہا کرتا تھا اس لئے وہ اسی نام سے مشہور ہو گئی ـــــ خصوصیت کے ساتھ جب سے ہارون نے اسے زبیدہ کے نام سے پکارنا شروع کیا تھا ـــــ اور چونکہ اس وقت سے پکارنا شروع کیا تھا جب کہ پہلی محبت کی حلاوت بھی ہارون کی آواز میں شامل ہو چکی تھی ـــــ اس لئے زبیدہ کو یہ نام اتنا پسند آیا کہ امتہ العزیزہ اور ام جعفر ایسے بھاری بوجھل نام خود اس کے اپنے ذہن سے بھی اتر گئے۔ ہارون جانتا تھا کہ اگر زبیدہ کو ام جعفر کے نام سے پکارا جائے تو فوراً چڑ جاتی ہے۔ اس لئے بعض اوقات اسے چھیڑنے، اچڑانے کے لئے ام جعفر بھی پکارا کرتا تھا ـــــ صرف یہ بات دیکھنے کے لئے کہ بگڑی، چڑی ہوئی زبیدہ کا چہرہ پہلے سے کتنا دلکش، کتنا فروزاں ہو جاتا ہے۔

ایک روز ـــــ جب زبیدہ کے خیال میں ہارون بالکل فارغ تھا۔ اس نے ایک کنیز کی معرفت ہارون کو یاد دلایا کہ تمہیں دیکھے بغیر پہاڑ ایسا تیسرا دن بھی گزرنے والا ہے۔ اس لئے ملاقات کا کوئی بہانہ نکالو۔

ہارون نے کنیز کے ہاتھ جواب بھیجا: "آج مشکل ہے۔ میں موسیقار ابن جامع کی محفل رچائے بیٹھا ہوں۔"

کنیز ایک بار پھر ہارون کی خدمت میں باریاب ہوئی۔ زبیدہ نے کہلا بھیجا تھا:

"تم جانتے ہو۔ میں آج تک ایسی کسی محفل سے لطف اندوز نہ ہو سکی جس میں تم برابر کے حصے دار نہ ہو۔ اس وقت تم جو محفل رچائے بیٹھے ہو اگر میں اس میں شریک ہو جاؤں تو تمہارا کیا بگڑے گا؟"

ہارون ـــــ زبیدہ کو اپنی محفل میں شامل کرنے پہ آمادہ ہو گیا۔ اس نے کنیز

سے کہا: "خاتون حرم سے کہو۔ ہم ابن جامع کے ساتھ سیدھے تمہارے پاس آرہے ہیں"۔

اور پھر ابن جامع کو ساتھ لے کر زبیدہ کے ذاتی محل ——— "قصر کرار" میں پہنچ گیا۔ امیر المومنین کے ساتھ ایک اجنبی کی غیر متوقع اور اچانک آمد سے محل میں لمحے بھر کے لئے حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کیا گیا۔ ہارون اسے ایسی جگہ پر لے آیا جہاں سے اس کی آواز تو سنی جا سکتی تھی لیکن اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔

اور جب خاتون حرم اپنے بادشاہ خاوند کو خوش آمدید کہنے آئی تو ہارون بیتابی کے ساتھ اس سے لپٹ گیا۔ ہارون کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تین دن کے ہجر کی پیاس بجھا رہا ہے۔ کافی دیر تک دونوں کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست رہے اور پھر اس نے زبیدہ کو اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ابن جامع سے کہا:۔

"کوئی بھڑکتی ہوئی سی غزل"۔

ابن جامع نے سب سے پہلے اس اچانک اور غیر متوقع محفل کے پس منظر کی وضاحت کے لئے چار شعر گائے اور خاتون حرم کو اتنے پسند آئے کہ زبیدہ کی سخاوت کے جذبات میں طوفان برپا ہو گیا۔ شہنشاہ بیگم نے جس تیز رفتار فیاضی کے ساتھ ہارون کے ذاتی مہمان اور ندیم شاعر کو انعام و اکرام سے نوازا۔ ہارون نے اس کی تعریف بھی کی اور اشاروں کنایوں میں مذمت بھی۔ اور محفل برخواست ہوتے ہی ہارون نے زبیدہ کے خرچ ہونے والے ایک ایک درہم کے عوض دینار بھیجے۔ بادشاہ خاوند اور شاہی میزبان نے اپنی فوقیت کا حق ثابت کرانے کا سنہری طریقہ استعمال کیا۔

ہارون کی فیاضی کے دھارے زبیدہ کی طرف کس طوفانی رفتار سے بہہ رہے تھے اس عہد کی تاریخ نے اس کی بھی بہت عمدہ مثال پیش کی ہے۔

ایک روز ہارون قہقہے لگاتا ہوا زبیدہ کے محل سے نکلا۔ کسی درباری نے جرأت کر کے یوں بے ساختہ قہقہے لگانے کا سبب دریافت کیا۔ ہارون بولا:۔

آج تیسرا روز ہے میں نے مصر کا سارا اخراج جو تین لاکھ دینار کے قریب تھا زبیدہ کو پیش کیا۔ لیکن اس نے آج مجھ سے سخت الفاظ میں شکایت کی:۔

"تم نے میرے لئے کیا کیا؟"

ہارون زبیدہ پر کتنا مہربان تھا؟ اس پر زور دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ملکہ خیزران کے بعد زبیدہ اسلامی دنیا کی سب سے مالدار عورت تصور کی جاتی ہے۔ غالباً دولت کی فراوانی اور ہارون کی نازبرداری نے اسے اس حد تک مغرور کر دیا تھا کہ بعض اوقات اپنے شہنشاہ خاوند سے ناحق الجھ بیٹھتی۔

ایک روز باتوں باتوں میں ہارون بگڑ گیا۔ لیکن چونکہ اس کی زود پشیمانیاں ضرب المثل تھیں اس لئے چند لمحے بعد اسے اپنی زیادتی کا سخت افسوس ہوا اور زبیدہ کو منانے کی خاطر اس کے محل میں جا پہنچا لیکن زبیدہ نے راضی ہونے سے صاف انکار کر دیا۔

عاشقانہ جنگ کے اسی دوران میں جب ایک رات زبیدہ کی یاد نے ہارون کی بے چینیاں عروج پر پہنچا دی تھیں اور وہ بستر پہ دراز تارے گن رہا تھا تو ایک نغمے کی صدائے بازگشت اچانک فضا میں گونج اٹھی۔ یہ ایسے دریا کا نغمہ تھا جو بل کھاتا ہوا محبوب کی وادیوں کو جا رہا تھا ——— رومانی دجلہ کا رومان انگیز نغمہ!

ہارون دیر تک اس جھونپڑی کو دیکھتا رہا جہاں سے نغمے کی آواز آ رہی تھی اور جب گانا گانے والے نے گانا ختم کیا تو ہارون نے فوراً ایک غلام بھیجا:۔

"گانے والے کو یہاں لے آؤ"

اور جب بدو ہارون کی خدمت میں باریاب ہوا تو امیر المومنین نے دریافت کیا:۔

"یہ کس کی غزل ہے؟"

"امیر المومنین کے درباری شاعر عباس ابن الاحنف کی!"

ہارون نے اسی غلام کو عباس ابن الاحنف کے پاس بھیجا۔ اور پو پھٹنے تک بار بار عباس کے اشعار اور بدو کی آواز سے سر دھنتا رہا۔ اور انہیں رخصت کرتے ہی زبیدہ کے لئے اتنا بے تاب ہو گیا کہ شاہانہ وقار نظر انداز کرتا ہوا زبیدہ کی جبینِ ناز پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔

تاریخ ایسے دو ایک طوفانی واقعات کی نشان دہی کرتی ہے جب ہارون نے غصّے کی شدّت سے مغلوب ہو کر زبیدہ سے نہ ملنے کی قسم کھائی۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ زبیدہ ہارون کی کسی بات پر اتنی برہم ہوئی کہ اسے "جہنمی" کہہ دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ہارون اپنے اس نئے خطاب پر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا ہو گا اور مغلوب الغضب ہو کر زبیدہ کو اسی وقت تین طلاقیں دے دیں۔

لیکن جب غصّہ فرو ہونے کے بعد حالات کی سنجیدگی کا جائزہ لینے لگا تو اپنے انتہائی اقدام، پر سخت نادم ہوا۔ اسی وقت بغداد کے تمام ممتاز فقہا کو طلب کیا اور ان سے مشورہ لیا:۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

فقیہہ ایک دوسرے سے سر جوڑے مشورے کرنے لگے اور ہارون بے صبری سے چلایا:۔

کوئی ایسا راستہ نکالو کہ میری مشکل آسان ہو جائے۔ چنانچہ دوسرے فقہا کے علاوہ

بغداد کے مشہور و معروف قاضی ابو یوسف نے بھی شاہی جوڑے کی صلح صفائی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور بڑی شکل سے زبیدہ اور ہارون کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عام حالات میں زبیدہ اپنے رنگ رنگیلے خاوند کے جذبات و محسوسات کا بے حد خیال رکھتی۔ اس نے ہارون کی سرگرمیوں پہ نظر رکھنے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ ایک بار کسی جاسوس نے زبیدہ کو اطلاع دی کہ امیرالمومنین نے موج میں آکر کسی شاعر کو اپنی وہ انگوٹھی بخش دی ہے جو صرف قیمتی ہی نہیں بلکہ ہارون کو بے حد پسند تھی۔

زبیدہ نے اسی جاسوس کی معرفت وہی انگوٹھی منہ مانگے داموں پہ شاعر سے خرید لی اور جب اگلے روز ہارون زبیدہ سے ملنے آیا تو اسے پیش کر دی۔ ہارون خوش تو ضرور ہوا ہوگا لیکن اس کی فیاضی اس انگوٹھی کو دوبارہ اس کی انگلی میں برداشت نہ کر سکی۔ اور دوبارہ اسی شاعر کو عطا کر دی جو زبیدہ سے اس کی منہ مانگی قیمت بھی وصول کر چکا تھا۔

خاتون حرم کو جب کبھی ہارون کی علالت کی اطلاع ملتی تو امیرالمومنین کی عیادت کو آنے والے لوگوں میں زبیدہ کی کنیزیں سب سے آگے موجود ہوتیں۔ ایک مرتبہ کسی حوصلہ مند درباری نے ہارون کی علالت اور امیرالمومنین کی صحت کے متعلق خاتون حرم کی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر خاصی دولت جمع کی۔ وہ اس طرح کہ دوسری بیگمات کی تمام کنیزوں کو روک کر اس نے زبیدہ بیگم کی کنیز کو سب سے پہلے ہارون کی عیادت کا موقعہ دیا۔

اس شان و شوکت، پیار و اخلاص اور ناز و نیاز کے باوجود زبیدہ کو اپنی زندگی

ہیں ایسے موقعوں سے بارہا دوچار ہونا پڑا جب کہ اس نے بڑی دیانت داری کے ساتھ محسوس کیا کہ وہ دوسری بہ انوالہ ——— فسوں کار، نئی نویلی کنیز کے مقابلے میں ہارون کو اپنی طرف کھینچنے کی اہلیت سے محروم ہو چکی ہے۔ اور ایسے نازک موقعوں پر اسے ہمیشہ اپنی سسرال کے قریبی رشتہ دار دل ——— علیہ سے مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ اور اس فخر روزگار شہزادی نے ہارون کو پورے دربار سمیت اپنی خواہش کے سامنے جھکانے کے لئے حسن خداداد، شیریں زبانی، ذہانت اور شاہانہ حوصلے کے مختلف حربوں سے ایک ساتھ کام لیا۔

ہارون کے کسی ہم عصر بادشاہ نے ایک بار اسلامی دُنیا کے سب سے بڑے سلطان کی خدمت میں ایسی کنیز بطور تحفہ بھیجی جس کے حسن و شباب کے سامنے حریم خلافت کے سارے پرانے فانوس اور نئی ——— لپکتی ہوئی شمعوں کے التہاب سرد پڑ گئے۔ اور ہارون نے اس نئی کنیز کے اعزاز میں ایک شاندار جشن منانے کا حکم دیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ جشن زبیدہ ہی کے محل میں منایا گیا۔

رقابت کی آگ میں جلتی ہوئی زبیدہ اس جشن کو خاموش تماشائی کی طرح دیکھنا برداشت نہ کر سکی اور علیہ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ علیہ نے اپنی بھابی کو تسلّی دی:-

"پریشان ہونے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں بھابی! انشاءاللہ میں اپنے بھائی کو آپ کے شبستان تک کھینچ لانے میں ضرور کامیاب ہوں گی!"

اور پھر اس نے خاتونِ حرم کو اپنے منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا:-

"میں اسی وقت حسب حال اشعار موزوں کرتی ہوں اور پھر ان کی حسب حال

دھن تیار کروں گی۔ یہ دھن اور اشعار اپنی تمام کنیزوں کو یاد کراؤں گی۔ تم بھی اپنی ساری خوش آواز کنیزیں میرے پاس بھیج دو۔"

جب شام کے قریب ہارون جھروکے میں بیٹھا تازہ ہوا سے دل اور ذہن کو سرور پہنچا رہا تھا۔ زبیدہ اور علیہ اپنی اپنی کنیزوں کے ان طائفوں کی —— جو دلفریب، دلکش پوشاکوں میں ملبوس تھیں —— قیادت کرتی ہوئی ہارون کے سامنے صف آرا ہوگئیں تو ہارون انہیں دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ حیرت کی بات صرف یہ تھی کہ وہ ان سب کے متحرک ہونٹ تو دیکھ رہا تھا لیکن یہ دونوں طائفے کچھ ایسی ہم آہنگی سے گا رہے تھے کہ مختلف آوازیں ساز کے طوفان میں حل ہو کر صرف ایک آواز کی طرح سنائی دیتی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دجلہ اور فرات کی خواب میں ڈوبی ہوئی لہریں ایک دوسرے میں اس طرح حل ہوگئیں کہ دونوں میں امتیازی خط کھینچنا ناممکن ہوگیا۔

زبیدہ اور علیہ کے علاوہ تمام کنیزیں یک آواز ہو کر ایک ہی شعر بار بار دہرا رہی تھیں :-

"مجھ سے بچھڑنے والے محبوب کو شاید اتنا بھی معلوم نہیں کہ میرا دل تم سے جدا نہیں ہو سکتا۔"

ہارون خوشی کی فراوانی سے بے خود ہو کر اٹھا اور رقص و سرود کے سمندر کی نرم رو موجوں پر ہچکولے کھانے لگا۔ نئی نویلی کنیز —— جس کے اعزاز میں جشن منایا جا رہا تھا۔ ہارون کے ذہن سے محو ہوگئی اور علیہ کے آراستہ کئے ہوئے جشن موسیقی میں شامل ہونے کے بعد ہارون کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس کی زندگی میں ایسا مسرور روز نہ پہلے کبھی آیا نہ آئندہ آئے گا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس جشن میں شرکت کرنے

والے دوسرے لوگوں نے ایسا دن پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ زبیدہ اور علیہ کے اشاروں پہ کنیزیں زر و جواہرات اور سنہری دیناروں سے بھری ہوئی کشتیاں لاتیں اور خوشی سے جھومتے ہوئے ہارون، زبیدہ اور علیہ کے سر سے نچھاور کرتیں۔

جشن کے ختم ہونے تک قصرِ کرار کی وسعتوں میں موتیوں اور دیناروں کے ڈھیر لگ گئے۔

دل کے ذاتی معاملات کے علاوہ بعض اوقات حریم خلافت کے جائز اور ناجائز رومان بھی زبیدہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتے۔ مثال کے طور پہ خود علیہ ہارون کے دو غلمان صفت نوخیز غلام چھوکروں پہ اس قدر فریفتہ ہوگئی کہ ان کی محبت کے سرور میں انہیں اشعار سے مخاطب کرنے لگی ـــــــ ایسے اشعار جن کے پردوں کے اندر سے علیہ کی محبت کے شعلے بھڑکتے نظر آتے تھے۔ جب یہ اشعار ہارون نے سنے تو اسی وقت ایک غلام کو حریم سے کہیں باہر بھیج دیا اور علیہ سے تاکید کی کہ وہ آئندہ اس کی زبان سے دوسرے غلام کا نام سننا بھی پسند نہ کرے گا۔

غالباً اسی موقعے پہ ہارون اپنی فخرِ روزگار چھوٹی بہن علیہ سے اس قدر ناراض ہوا کہ شہزادی کو بھائی سے راضی نامے کے لئے اندھے شاعر ابو حفص کی ـــــــ جو علیہ کا پسندیدہ شاعر تھا ـــــــ خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ ابو حفص نے موقعے کے حسب حال چند اشعار کہے اور علیہ نے ان کی دھن تیار کر کے ہارون کی منظور نظر کنیز سے درخواست کی:۔

"تم کوئی موزوں موقعہ پا کر یہی اشعار اسی دھن میں امیر المومنین کو سناؤ۔"

ان اشعار اور اشعار کے پس منظر سے آگاہ ہونے کے بعد ہارون اس قدر متاثر

ہوا کہ اسی وقت اپنی پیاری بہن علیہ کو بلایا۔ اسے گلے سے لگا کر اس کا قصور معاف کر دیا اور اس سے فرمائش کی:-

"یہی اشعار، یہی دھن اور تمہاری آواز۔"

علیہ نے اسی وقت تعمیل کی اور کچھ اس انداز سے غزل گائی کہ ہارون کی آنکھیں بھیگ گئیں اور اس نے وعدہ کیا:-

"آئندہ میں اپنی پیاری بہن سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔"

یہ وہی علیہ ہے جس نے اپنے ماتھے کا تل چھپانے کے لئے جھومر ایجاد کیا تھا۔ وہ خوش شکل، خوش پوش اور خوش آواز ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کی انتہائی پڑھی لکھی، سخنور اور سخن فہم خاتون تھی۔ موسیقی میں اس کا مذاق بہت ہی اونچا تھا اور موسیقی سے اس کے والہانہ شغف کا یہ عالم تھا کہ ہارونی عہد کا کوئی مغنی یا مغنیہ اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ ہارون اور علیہ کا سوتیلا بھائی ابراہیم بن مہدی عباسی اور ابراہیم الموصلی اپنے وقت میں موسیقی کے شہنشاہ تسلیم کئے جاتے تھے لیکن علیہ انہیں بہت پیچھے چھوڑ گئی تھی۔

اور پھر عباسہ تو علیہ پر بھی چھائی ہوئی تھی۔ حسن اور ذہانت نے عباسہ کو ایسے عروج سے آشنا کیا کہ زبیدہ بھی —— خواہ رشک سے نہ سہی لیکن حیرت سے ضرور دیکھا کرتی تھی۔

عباسہ ہارون سے بڑی تھی اور تین بار بیوہ ہو چکی تھی۔ اگرچہ اسے جسمانی اعتبار سے نوجوان نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کا دل، دماغ اور روح بھرپور شباب کی وادیوں میں گزر رہے تھے۔ ہارون اس کی بذلہ سنجیوں کا فریفتہ تھا اور جس طرح جعفر کے بغیر اسے زندگی

بھیانک دکھائی دیتی تھی بالکل اسی طرح عباسہ کے بغیر بھی سکون سے نا آشنا رہا کرتا تھا۔

ایک ایسا وقت بھی آیا جب ہارون محسوس کرنے لگا کہ عباسہ کی معیت میں گزرنے والا وقت حقیقت میں جعفر کی محفل سے چرائے ہوئے وقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ ہارون دو ایک بار جعفر کو عباسہ کی محفلوں میں شامل کر چکا تھا لیکن اس نے دونوں یا عباسہ اور جعفر کے انداز سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ جہاں ایک طرف جعفر دبا دبا رہتا ہے وہاں عباسہ کا بلند مقام اور مرتبہ بھی نامحرم جعفر کی موجودگی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

ہارون کوئی ایسی درمیانی شاہراہ ہموار کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعے وہ ایک ساتھ —— ایک ہی محفل میں عباسہ اور جعفر کی قربت سے لطف اندوز ہو سکے۔

بارھواں باب

نصف النہار

الف لیلےٰ کا ہیرو ہارون تہذیب و ثقافت کا ایسا لاثانی تجربہ ہے جسے فطرت مقررہ وقت سے پورے ایک ہزار سال پہلے عمل میں لا رہی تھی۔

پہردں، دنوں بلکہ ہفتوں کے غور و فکر کے بعد ہارون کا ذہن رسا اس شاہراہ کو ہموار کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا جو اس کے ذہنی سکون کے لئے بڑی اہمیت اختیار کر چکی تھی۔

اس نے فوراً جعفر کو طلب کیا:۔

"میں ایک عرصے سے سوچ رہا تھا ——— !"

جعفر کی نظریں بے اختیارانہ ہارون ——— کے چہرے پر گڑ گئیں ہارون ایک عرصے سے کیا سوچ رہا ہے؟ جعفر فوراً دریافت کرنا چاہتا تھا کیونکہ خود اس کے دل میں بعض ایسی خلشیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی تسکین کے لئے اس نے بھی زندگی میں پہلی بار سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

ہارون رک رک کر ——— اپنا ایک ایک لفظ بار بار تول کر بولا:۔

"کوئی ایسا درمیانی راستہ تلاش کیا جاتا جس کی بدولت ——!"

ہارون پھر رک گیا اور آنکھوں آنکھوں میں جعفر کے چہرے کا مدوجزر دیکھنے لگا۔ جعفر کو یوں معلوم ہوا جیسے وہ ایک چور کی طرح پولیس کے بیدار مغز افسر کے سامنے بیٹھا ان چوریوں کا اعتراف کر رہا ہے جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکیں۔

"میں دیکھ چکا ہوں" ہارون معمول کے مطابق بالکل رک رک کر بولا: "کہ تم عباسہ کی موجودگی میں اور وہ تمہارے سامنے جذبات و محسوسات کی ان بلندیوں کو کبھی نہیں چھو سکے جنہیں میں اپنی دانست میں تمہاری پرواز کی پہلی منزلیں قرار دیتا ہوں"

جعفر بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اس نے جب سے عباسہ کو دیکھا تھا اور اسے پہچان لیا تھا کہ یہ وہی خاتون ہے جس کی آواز اس نے پہلی بار رباب کے ساتھ حریم خلافت کی ان نیم تاریک وسعتوں میں گونجتی سنی تھی جہاں خوشبوؤں کے قافلے بھی اپنے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو واقعی چور —— تصور کرنے لگا تھا۔ ہارون نے اسے مزید سوچنے کی مہلت نہ دی:-

"تم خاموش کیوں ہو جعفر؟ کچھ تو بولو"

"میں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی امیرالمومنین نے اپنی بات ختم نہیں کی"

"تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن میں کب تک بولتا رہوں گا جعفر۔ بات کرنے کی برنسبت بات سننے —— خصوصیت کے ساتھ تمہاری اور عباسہ کی باتیں سننے میں بڑا لطف آتا ہے اور اس لطف کی روانی کے راستے کی سب سے پہلی اور اتنہائی ناگوار رکاوٹ دور کرنے کے لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ——!"

ہارون یہاں پہنچ کر رک گیا۔ امیرالمومنین کی گفتگو کے اس بالکل اجنبی انداز نے

جعفر کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ کہیں ہارون نے اس کے دل میں جھانک کر جذبات و محسوسات کے ان ہیولوں کی جھلک تو نہیں دیکھ لی جو ایک ایک پل میں لاکھ لاکھ روپ دھار لیتے تھے؟

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کو عقد نکاح میں منسلک کر دیا جائے۔" ہارون کہہ رہا تھا۔ "اس طرح تم دونوں کا بے حجابانہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنا ——— ایک دوسرے کو دیکھنا مباح ہو جائے گا۔"

جعفر کو اپنا دل اچانک اتنے زور سے دھڑکتا محسوس ہوا کہ ڈھیلا ڈھالا جبہ بھی اس پر پردہ نہ ڈال سکا۔ اتنا آسان رومان تو ہارون ایسے بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ عباسہ سے جعفر کا عقد، آفتاب سے ذرّے کا رشتہ۔ جعفر اپنی خوبیٔ قسمت پر ناز کرنے لگا۔ وہ بیخودی کے عالم میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جذبات کی فراوانی سے ہارون کے ہونٹ لرزنے لگے۔ جعفر کے دل نے کہا:۔ امیر المومنین غالباً تاریخ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور وہ ایک دم سنبھل گیا۔ ہارون بولا:۔

"لیکن تمہارے اور عباسہ کے سوا اور کسی شخص کو معلوم نہ ہونے پائے۔ میں اس راز کو خاتون حرم ——— زبیدہ سے بھی چھپانا چاہتا ہوں کیونکہ ———!"

ہارون ایک بار پھر رک گیا اور ایسی جگہ پر آ کر رکا جہاں اس کی خاموشی سے جعفر کو اپنا دم گھٹتا معلوم ہوا۔ اس کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ ساری آرزوئیں سمٹ کر آنکھوں میں سما گئیں اور یہ آنکھیں عجیب وارفتگی کے ساتھ ہارون کی آنکھوں میں ڈوب کر نہ جانے کس گوہر کے لئے غواصی کرنے لگیں۔

"یہ محض فرضی شادی ہے ——— جعفر۔" جعفر کو ہارون کی آواز یوں سنائی دی

جیسے وہ میلوں نیچے ——— زمین کے عمق میں رینگ رہی ہو:" تم دونوں کے ایک ساتھ ایک ہی محفل میں بے حجابانہ آمنے سامنے بیٹھنے کا شرعی جواز ——— اور بس!"

ہارون ——— خود مختار شہنشاہ کی حیثیت سے جعفر کے ہوش وحواس، عقل وخرد، جذبات ومحسوسات، آرزوؤں اور امنگوں کو کیسی سخت، ناقابلِ شکست فولادی زنجیروں میں جکڑ رہا تھا؟ جعفر کے سوا اور کوئی شخص اس کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ اس کا جی چاہا اسی وقت ہارون کو گریبان سے پکڑ کر کہے:۔ خودغرض سلطان نے میرے خاندان کے ایثار وخلوص کا خوب بدلہ دیا۔ میں نے ایسی کون سی خطا کی ہے جس کی یہ وحشیانہ، ظالمانہ سزا دی جا رہی ہے۔ لیکن ذرا دیر بعد اس کے خیالات میں رقت پیدا ہونے لگی۔ وہ خاموشی کی زبان میں کہہ رہا تھا:" امیرالمومنین! آپ کے مجھ پر کتنے احسانات ہیں؟ میں جانتا ہوں اور اسی بندہ پروری کے نام پر اُمید کرتا ہوں کہ آپ میری جان اور مال اور میرے خاندان کی تباہی کبھی پسند نہ فرمائیں گے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی غلام زادے اور خدمتگار نے اپنے آقا ——— ولی نعمت کے خاندان میں شادی نہیں کی۔ اور اگر کسی نے ایسا خیال بھی کیا تو وہ ہلاک ——— ذلیل اور خانماں برباد ہوا۔ اور قیامت تک رسوائی اور بدنامی کی بھٹی میں جلتا رہا۔ میں نے ایسا کیا گناہ کیا ہے کہ امیرالمومنین میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ کیا میری خدمت گزاری کا یہی صلہ ہے کہ خاندان برامکہ تباہ وبرباد ہو جائے؟ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک آتش پرست ——— عجمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور اسلام قبول کر لینے کے باوجود کسی طرح عباسہ سے شادی کے قابل نہیں ہوں۔ میرے ماں باپ بھائی بہن جب اس خبر کو سنیں گے تو صفِ ماتم بچھ جائے گی۔ میرے دشمن خوش ہوں گے۔ کیونکہ یہ رشتہ میرے زوال کا

پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ امیرالمومنین ـــــ خدا کے لئے قدیم تاریخ پر غور فرمایئے۔ اور نہیں تو کم از کم شاہانِ عجم کے واقعات کا جائزہ لیں۔ ایسا کون سا فیاض، روادار، فراخ دل سلطان گزرا ہے جس نے انسانی مساوات کے ثبوت میں اپنی بہن یا بیٹی کا عقد اپنے ادنٰے غلام سے کر دیا ہو؟ اور اگر کسی غلام نے حرم میں دست درازی کی ہے تو وہ نمک حرام کہلایا اور تباہ ہوگیا۔"

ہارون کی نظریں جعفر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اس کے اتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جعفر کے خیالات کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن جعفر بھی ہارون سے کم ذہین نہیں تھا۔ اس نے کسی اضطراری حرکت سے اپنی دلی حالت ظاہر نہ ہونے دی اور ہارون کو مجبوراً اس سے پوچھنا پڑا:۔

"کہاں اٹک گئے ہو جعفر ـــــ؟"

اور جعفر کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے بے اختیاری کے ساتھ ہارون کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اس کے دل سے ایک طویل ـــــ سرد آہ نکلی:۔ امیرالمومنین!"

ہارون نے تڑپ کر اپنے پاؤں ایک طرف ہٹائے، جعفر کا سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:" میں تمہارے اس بے نابانہ اظہار کا مفہوم نہیں سمجھ سکا جعفر۔ یہ انکار ہے یا اقرار؟"

"میں اپنی ساری زندگی آپ کے اشارۂ چشم کی تعمیل کے لئے وقف کر چکا ہوں خانہ زاد پر رحم کیجئے امیرالمومنین! مجھے ہلاکت اور تباہی، ذلت اور رسوائی، لعنت اور ملامت سے بچا لیجئے!"

ہارون جعفر کا مفہوم سمجھ کر اپنا قہقہہ ضبط نہ کر سکا۔

"ارے ـــــ تم تو بوکھلا اُٹھے ہو جعفر۔ میں جانتا ہوں ـــــ جانتا ہوں۔ لیکن تمہاری سوچ کا زاویہ اصلاح طلب ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ تم بدحواسی میں مبتلا ہو۔ میں اسی وقت جا کر عباسہ سے بات کرتا ہوں۔"

○

ہارون سے الگ ہوتے ہی جعفر کو یوں لگا جیسے وہ کسی بہت بڑے جادوگر کے حلقۂ سحر سے دُور ہٹ گیا۔ اس کے کھنچتے ہوئے اعصاب معمول پر آ گئے۔ اس کے دل سے پہاڑ سا بوجھ اچانک اتر گیا اور اسے اپنی حالت پر ہنسی آئی۔ وہ سوچنے لگا:۔ اگر عباسہ مجھے اس حال میں دیکھ لیتی ـــــ میرا مطلب ہے ـــــ ہارون کے سامنے ـــــ تو میرے متعلق کیا خیال کرتی؟ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ میں اپنی زندگی کو اس کے پیار پر ترجیح دیتا ہوں تو عباسی شہزادی کی کنواری محبت نفرت میں تبدیل ہو جائے گی اور ـــــ

عباسہ ایسی خاتون سے شادی کا خیال اچھوتے سرور کی طرح جعفر کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا تھا۔ اس فخرِ زمانہ شہزادی سے محبت کرنے کا تصور ایک اجنبی غرور بن کر اس کے جذبات و محسوسات کو ایسے عروج سے ہمکنار کرنے لگا جس کی عظمتیں اس کے ادراک کی رسائی سے ماورا تھیں۔ وہ جانتا تھا اس وقت ہارون موج میں آ کر اخوت و مساوات کی وہ شمع جلانا چاہتا ہے جو عربوں کے عروج ـــــ بنی اُمیہ کے زمانے میں بڑی سرد مہری سے بجھائی جا چکی تھی۔ ہو سکتا ہے اس شمع کی روشنی ـــــ معطر رشنی ـــــ میں اسے اپنی غلطی کا احساس ستانے لگا۔ لیکن شرعی نکاح کے بعد کیا وہ جعفر کو مجبور کر

سکے گا کہ عباسہ کو طلاق دے دی جائے؟

عباسہ کو حسن، شباب، نسائیت، علم، آواز سوز اور ساز، شعر اور ادب کی تمام خوبیوں نے مل کر ایسا سحر کار مرقع بنا دیا تھا کہ اس کی خاطر رسوائی باعثِ فخر اور موت زندگی ——— کی نقیب بن سکتی تھی۔ عین ممکن ہے ہارون اپنی وفادار بہن کی خوشیوں کا احترام کرے۔ عباسہ کی خوشیوں کا احترام؟ کیا وہ واقعی جعفر سے شادی کے بعد خوش ہو گی؟ یقیناً خوش ہو گی۔ پوری اسلامی سلطنت میں جعفر کی خوبیوں والے نوجوان خال خال ہوں گے۔ اس "متحرک جشن" والی رات وہ پتوار کی آوٹ سے کیسی نظروں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ کیا وہ ان آنکھوں کی زبان کو سمجھنے میں دھوکا کھا سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو ان آنکھوں کے چاندنی سے ہم آہنگ ہونے والے عمل کو بھی دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ یہی وہ طلسمات تھا جو ماحول پہ طاری ہونے کے بعد جعفر کو محبت کی اجنبی ——— دکھائی دینے میں آسان لیکن حقیقت میں دشوار گزار وادیوں سے متعارف کرا رہا تھا۔

وہ محبت کی حقیقت پر سابقہ تمام علماء کی بہ نسبت بلند پایہ مقالات لکھ سکتا تھا خطبے دے سکتا تھا لیکن اب جس طرح محبت خود اس کے اپنے راستے میں آکھڑی ہوئی اس کی حقیقت و اہمیت بہت ہی مختلف تھی۔ وہ جان بچانے کے فرض کی ماہیت بھی سمجھتا تھا اور عباسہ کی محبت کی قیمت بھی۔ وہ تو صرف پیدا ہی عباسہ کی محبت کے لئے ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی سے کیسے منہ پھیر لیتا؟

وہ سیدھا گھر آیا تاکہ اس معاملے میں اپنے باپ اور بھائی سے مشورہ لے یہ مشورہ اس کے شعور کی الجھن تھی ——— ایسی الجھن جسے تحت الشعور سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا یحییٰ اور فضل ایسے لوگ ——— جو زمانے کی نبض پہچانتے تھے

جو زمانے کی رفتار دیکھ کر سو فیصد سچی پیشگوئیاں کرتے تھے، اس شادی پہ ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ تو پھر مشورہ کیسا؟ اور اس کے بعد ہر ایک چیز تحت الشعور کی کمان میں آ جاتی۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ امیر المومنین یہ چاہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ امیر المومنین جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ نہیں —— جہاں تک جعفر کا تعلق ہے یا شاید فضل کا بھی امیر المومنین ہارون اپنی مرضی کر گزرتے لیکن یحییٰ اڑ جائے تو ہارون کو ہتھیار پھینکنے پڑیں گے۔ کئی بار ایسا ہو چکا۔ مثال کے طور پر وہ ایک لاکھ دینار پر بکنے والی کنیز کا واقعہ —— وہ امیر المومنین کو بے حد پسند تھی۔ لیکن یحییٰ اسے پسند نہ کر سکا۔ کنیز کو نہیں —— بلکہ اس سارے سودے کو —— اور قیمت کے ڈھیر اس جگہ لگوائے جہاں امیر المومنین ان سرخ ڈھیروں کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ اور واقعی ہارون کی نظر ان پہ جا پڑی۔ پوچھا: "یہ دولت کے انبار کیسے ہیں؟"

"اس کنیز کی قیمت —— امیر المومنین!"

اور ہارون کو صحیح معنوں میں کنیز کی قیمت —— قیمت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ بولا:۔

"رقم خزانے میں داخل کر دو۔ ہم کنیز کی خرید سے باز آئے۔"

لیکن عباسہ کے سامنے اس واقعے کی مثال ہی کیوں پیش کی جائے؟ یہ جعفر اور ہارون کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ کسی سے مشورہ لینا پسند نہ کرے گا۔ وہ صرف یحییٰ اور فضل سے کہے گا:۔

"یہ امیر المومنین کا حکم ہے۔"

لیکن جعفر کی توقعات کے بالکل خلاف فضل بھڑک کر بولا:۔

"امیر المومنین ہمارے دلوں پہ حکومت کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک ہماری گھریلو ـــــــ ذاتی زندگی کا تعلق ہے جب تک مجرم بن کر ہم آزادی سے محروم نہ کئے جائیں اس وقت تک امیر المومنین کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں "

جعفر بالکل خاموش رہا۔ اسے یقین تھا کہ فضل جو کچھ کہہ رہا ہے۔ بالکل بے غرض اور بے لوث ہو کر کہہ رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود شکست کے گرد و غبار جعفر کے چہرے پر اڑنے لگے۔ اور فضل اس رنگ کو اپنے جائزے میں شامل کرتا ہوا بولا:۔

"یوں نہ سہی۔ میں مانے لیتا ہوں کہ امیر المومنین جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ فطرت کے خلاف ایسی بغاوت کر رہے ہیں جو کبھی معاف نہیں کی جا سکے گی "

"فطرت کے خلاف بغاوت ـــــــ ؟ یعنی اس کا بھائی فضل بھی اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ یہ شادی صرف دونوں کو ایک ہی محفل میں شریک رکھنے کے شرعی جواز کے سوا اور کچھ نہیں تھی ؟

"میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں جعفر کہ یہ بات اس قابل ہی نہیں کہ ابا جان کے کان تک پہنچائی جائے ـــــــ ایک مجذوب کی بڑ، کسی ذود فراموش کا خواب۔ اور اسے سن کر انہیں دکھ کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا "

لیکن کیوں ؟ اور جعفر اس کیوں کا جواب معلوم نہ کر سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ عباسہ کی محبت کو بڑی چابکدستی سے ایک طرف ہٹا کر ہارون اور فضل کی اس کشمکش میں بالکل غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا۔ لیکن فضل کی یہ بات اسے تیزاب کی طرح کھائے چلی جا رہی تھی :۔ فطرت کے خلاف بغاوت ـــــــ ایسی بغاوت جو کبھی معاف نہیں کی جائے گی۔ اگر ہارون کی بات پہ اڑنے کی کوشش کی جائے ـــــــ اور حدود کی

جائے کیونکہ ہارون بے مقصد بات کرنے والوں میں سے نہیں تھا ـــــ تو پھر یہ واقعی قدرت کے خلاف بغاوت تھی۔ یقیناً ایسی بغاوت جو کبھی معاف نہیں کی جائے گی اور اس پورے جرم کی سزا صرف جعفر ہی کو بھگتنی پڑے گی۔

جرم اور سزا کا فلسفہ وقتی طور پر اپنے جھنڈے گاڑنے لگا اور اس کے نتیجے میں جعفر غروب آفتاب کے بعد ہارون سے آنکھیں چرانے لگا۔ لیکن کب تک۔ وہ تو بغداد کے ان تمام اڈوں سے واقف تھا جہاں جعفر کے اٹھنے بیٹھنے کی توقع کی جا سکتی تھی چنانچہ یہی ہوا۔ ایک روز ہارون اسے پکڑ کر لے گیا۔ اور سچ پوچھیں تو اس گرفتاری میں خود جعفر کے اپنے ارادے کا بڑا دخل ہے، کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بام حرم کے کبوتروں میں شامل ہو چکا تھا۔ ہارون کو دیکھتے ہی پوری بام حرم اپنی تابانیوں ـــــ نعمتوں، لذتوں سمیت اس کے سامنے آ گئی اور اس نے پر تک پھڑپھڑانے کی کوشش نہ کی۔ ہارون اسے پکڑ کر کہاں لے جائے گا، وہ جانتا تھا۔ اب تو اس کا دل محض اِسی آرزو کے زیر و بم سے دھڑک رہا تھا۔

اس کے پر ابھی تک ہارون کے ہاتھ میں تھے اور وہ اچانک عباسہ کی بزم ناز میں پہنچ گیا اور ماحول کی تابانیوں نے اس کے حواس کو شل کر دیا۔ وہ بُت کی طرح پوری محفل کا جائزہ لینے لگا۔ یہ روشنیاں ہارون کے مزاج کے بالکل خلاف تھیں۔ اس کے دل نے کہا:۔ اس محفل میں رقص و سرود کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تو پھر آخر اسے یہاں لایا کیوں گیا؟

ہارون نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور بولا:۔ تم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتے ہو؟ میں تو تمہارے فرار کے سارے راستے بند کر رہا ہوں جعفر؟

اور جعفر کوئی جواب نہ دے سکا لیکن ایک بے پناہ سی مسکراہٹ نہ جانے کہاں سے سرک کر اس کے چہرے پر رنگ چھڑکنے لگی۔

"اور اب ذرا ہمیں فوراً سنجیدہ ہو جانا چاہیئے" اس نے عباسہ سے خطاب کیا: "نہ جانے میں نے کیا سوچا ——— عباسہ۔ آخر سوچ ہی تو ہے۔ تم اسے میری خواہش بھی کہہ سکتی ہو۔ میں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہارے قرب میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ حقیقت میں جعفر ہی کی محفل سے بڑی بے دردی کے ساتھ چرالاتا ہوں۔ لیکن میں زیادہ دیر تک اس خیانت کو روا نہیں رکھ سکتا۔ میں یہ بھی دیکھ چکا ہوں کہ میری شہزادی بہن بھی اپنے خونی تقدس کی فریب خوردہ ہے۔ اگر میں جعفر کی محفل میں شرکت پر فخر محسوس کر سکتا ہوں تو پھر شہزادی کو بھی جعفر کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسا آج تک تو کبھی نہ ہوا۔ میں نے تم دونوں کو بے تکلف کرنے کے لیئے ایک عجیب، تجویز سوچی ہے ———!"

اور یہاں پہنچ کر ہارون معاً خاموش ہو گیا۔ وہ عباسہ سے نظریں نہ ملا سکا۔ اور اس کی آنکھیں جعفر کی آنکھوں میں پناہ ڈھونڈھنے لگیں۔ وہ اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے کوئی شخص خواب بیان کر رہا ہو: "میں تم دونوں میں شرعی نکاح کا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں لیکن سچ پوچھو تو مجھے خود اس کی سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیسا رشتہ ہوگا۔ میں ایک طرح سے تم دونوں پر ایک دوسرے کا بے محابا دیکھنا مباح کر رہا ہوں ——— صرف اتنا ——— اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک تم ایک دوسرے کو بے محابا نہ دیکھ سکو ——— تم دونوں ایک دوسرے کے جذبات و محسوسات سے ——— اور میں تم دونوں کی موجودگی سے لطف اندوز نہ ہو سکوں گا۔"

عباسہ اور جعفر کی نظریں بیک وقت ہارون کے چہرے پر مرکوز تھیں اور اس کی

نظریں بچا کر ایک دوسرے سے اُلجھنے کی بے تابانہ کوشش کرتیں۔ ہارون نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ کم از کم جعفر کو اس کا کوئی ہوش نہ رہا۔

اور جب یہ خبر یحییٰ نے سُنی تو قصر برامکہ میں صفِ ماتم بچھ گئی جس میں آلِ برمک نے سیاہ پوش ہو کر ایک دوسرے کو پُرسا دیا۔ یحییٰ نے جعفر کو تو کچھ نہ کہا۔ کیونکہ اب کچھ کہنے کا فائدہ ہی کیا تھا۔ مقدر کا تیر ہارون کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ لیکن اس نے پورے خاندان کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ ”آلِ برمک کا عروج میرے دادا جعفر سے شروع ہوا اور میرے بیٹے جعفر کے زمانے میں ہمارے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ امیر المومنین نے جعفر کے ساتھ عباسہ کی شادی کر کے روئے زمین میں ہماری شہرت کے ڈنکے بجا دئے۔ ہماری سخاوت پہلے ہی سے عالمِ اسلام کو گھیر چکی تھی۔ اب صرف اس بات کا انتظار ہے۔ امیر المومنین ہم سے بدگمان ہو جائیں اور ہماری جاگیریں اور جائدادیں ضبط کر کے ہمیں دانے دانے کو محتاج کر دیں۔ عین ممکن ہے ہمارا عروج جس قدر طربیہ ہے انجام اس سے کہیں زیادہ عظیم المیہ ثابت ہو۔ جعفر جس چیز کو زندگی سے تعبیر کر رہا ہے میں اس پر تخریب و تباہی کے گھنے سائے دیکھ رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں انا للہ و انا علیہ راجعون کہنے پر مجبور ہوں۔“

تیرھواں باب

واہمِ خیال

عباسہ کی محبت کا تیر اپنی جگہ پہ ناقابلِ مدافعت تھا لیکن فضل و یحیٰی کی اداسیاں اور پورے خاندان کی سیاہ پوشی نے جعفر کے دل پہ اتنا اثر ڈالا کہ ہارون اور عباسہ کی محفل میں شرکت کے تصوّر ہی سے اس کی روح کانپ اٹھتی اور وہ ایسے مجرم کی طرح بغداد میں چھپتا پھرتا جسے پولیس تلاش کر رہی ہو۔

لیکن جعفر ایسا شخص کبھی تنہا نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے اپنے دوستوں اور مداحوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ جب سے ہارون، جعفر اور عباسہ کی ذاتی محفلیں گرم ہونے لگی تھیں۔ وہ اپنے حلقے میں عید کا چاند بن گیا تھا۔ ہارون ہی نہیں بلکہ پورا بغداد اس کی تلاش میں تھا۔

ایک روز وہ کسی پرانے ندیم ——— ہم نوالا، ہم پیالہ دوست کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ بچنے کی لاکھ کوشش کی لیکن اس نے جعفر کا بازو تھام لیا:۔

"اب کہاں جاؤ گے ؟"

اور جعفر نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ اسے تنہائیاں تو نصیب نہ ہو سکی تھیں لیکن اس نے اپنی تنہائیاں آباد کرنے کے لئے جو جو باتیں سوچ رکھی تھیں وہ ابھی تک

اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ اس کے ذہن پر سایہ ڈال رہی تھیں۔ تنہائیوں کا خیال ــــ تنہائیوں کی تلاش ہی اپنی جگہ پر بہت بڑا اضطراب ہے ــــ ایسا اضطراب جو چھپانے کی ہر کوشش پر اپنے انتہائی اوج کی طرف لپکتا ہے۔

وہ جعفر سے بولا:۔

"اسی وقت محفل جمے گی۔ تمہاری قسم، تمہیں اور شراب کو دیکھے صدیاں گزر چکی ہیں ــــ طویل صدیاں۔ آج تو اسی وقت محفل جمے گی۔"

لیکن محفل جمنے سے پہلے ہارون کا سایہ بھی منڈلاتا نظر آرہا تھا۔ جعفر بولا:۔

"کہاں؟"

"جہاں تم کہو۔"

"کسی ویران سی جگہ۔"

"تمہارے قربان ــــ سارا بغداد ویرانے کو ترس رہا ہے۔ اب ان کم بخت چیختی، دندناتی ہوئی آبادیوں سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن تنہائی ــــ ویرانے کا نام تک نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو جعفر ہم گھر کے نام سے کسی چار دیواری کی قید کے کبھی قائل نہ ہو سکے۔ اس لیے تم بغداد کے جس حصے کو کہو۔ ابھی ویرانے میں بدل دیتے ہیں۔"

"تم بہت مشکل کام کا ذمہ لے رہے ہو دوست۔" جعفر کے دل کی آنکھیں اس شہر کے ذرے ذرے میں ڈوبی ہوئی تھیں جس کا نام بغداد تھا اور وہ ایک دبی دبی آہ بھر کر بولا:۔

"بغداد کے ویرانوں میں بھی ماضی کی حسین یادیں آنے والی کئی صدیوں تک گونجتی رہیں گی۔"

دوست کی نظریں پہلی بار غم انگیز سنجیدگی کے ساتھ جعفر کے پاؤں پر گڑ گئیں اور وہ انہیں دیکھنے کے ساتھ ایک ایک انچ کی مقدار سے اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ کچھ دیر تک اس کے

چہرے پر رکیں اور پھر اس کی بڑی بڑی ——— خوابیدہ سی، لیکن ہر چیز کے سینے تک دھنس جاتے والی آنکھوں میں ڈوب گئیں۔

"تو پھر مجبوراً آبادیوں ہی سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔"

"مجبوراً۔" جعفر مسکرایا۔

"لیکن کہاں؟"

"میرے گھر ———!"

"تمہارا وہ گھر جس میں غم سے داخل نہ ہونے کی التجا کی گئی ہے؟"

جعفر نے اسی مسکراہٹ کو کچھ دیر اور بحال رکھنے کی کوشش کی اور اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دوست بولا:۔

"بالکل ٹھیک۔ جب میرے ایسے مستقل مہمان کو اور کہیں مکان نہیں ملتا تو وہ بہت عمدہ گھر ثابت ہوتا ہے۔"

گھر آتے آتے جعفر کے وسیع حلقہ احباب میں سے صرف دو ایک کڑیاں ابھی تک نہیں ملی تھیں۔ باقی سب اس کے ساتھ ہونے گئے اور ہر شخص کو یقین تھا کہ وہ دو ایک کڑیاں بھی بہت مل جائیں گی۔

ذرا دیر بعد ہارون کا بھائی اور اپنے وقت کا نامور موسیقار ——— ساز و آواز کے افق کا چمکتا ہوا تارا ابراہیم بن مہدی عباسی بھی شامل ہو گیا۔ اور جعفر کے کہنے پہ قصرِ برامکہ میں مخصوص محفل جم گئی۔

خدمتگاروں نے دستور کے مطابق مہمانوں کو مجلسی لباس پیش کیا ——— یہ عام طور پہ حریر کے گہرے سرخ، سبز، نیلے اور پیلے جبے ہوتے تھے ——— پھر ان کے اوپر مختلف پھولوں

کے عطر چھڑکے، مجمروں میں خوشبوؤں کے بوجھل دھوئیں پلکنے، بل کھانے لگے۔ دسترخوان پر پُر تکلّف کھانے چنے گئے اور فراغت کے بعد مغنیوں ——— جورو ش کنیزوں نے صندلیں ساز چھیڑے۔

آہستہ آہستہ ——— میٹھے، لطیف، بے وزن، بے آواز سکر کی طرح کیفیت طاری ہونے لگی۔ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے شہزادے ابراہیم کو جھومتے دیکھا اور گنگناتے سُنا۔ محفل پر سناٹا چھا گیا اور ذرا دیر بعد ابراہیم نے گانا شروع کیا۔ اس کی آواز یوں سنائی دے رہی تھی جیسے میلوں دور رات کے وقت آبشار کا ترنم۔

تم نے تو میری اس جانِ ناتواں پر ———
جو خود میری زندگی کے بوجھ تلے پسی جا رہی ہے
اپنے عشق کا پہاڑ سا رکھ دیا۔
تمہیں مجھ پر مکمل فتح حاصل ہو گئی کیونکہ
میری زبان تو کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دے گی۔
لیکن ان آنکھوں کو کیا کرو گے؟
جن کے چشمے سوکھنا ہی بھول گئے ہیں۔"

ایک ایک کر کے ساری محفل وجد میں آنے لگی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ گانے والے کے اشعار کیفیت کو سہارا دے رہے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم بار بار یہی اشعار دہرا تا رہا اور سُننے والے جھومتے رہے۔ جب تک ابراہیم کو اپنی آواز لطف بہم پہنچاتی رہی وہ گاتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

جعفر نے ساقی سے اشارہ کیا۔ "ایک اور دور"۔ اور پھر اس نے دربان کو بلا کر حکم دیا۔

"عبدالملک بن بحران قہرمانہ کے سوا اب کسی اور شخص کو محفل میں شریک ہونے کی اجازت نہ دینا۔"

پہلا دور ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ پردہ اٹھا اور عبدالملک بن صالح ہاشمی چپکے سے اندر آ گیا۔ مجلس گرم تھی۔ دور چل رہا تھا اور ایک زہد فریب کنیز عود بجا بجا کر گا رہی تھی۔ جیسے ہی جعفر اور عبدالملک کی نظریں چار ہوئیں ——— دونوں ایک ساتھ ندامت کی رو میں بہہ گئے۔ کیونکہ عبدالملک شرافت نسب کے علاوہ اپنے دور کے نہایت متقی اور شریعت کے پابند انسان تھے اور جعفر کی رندانہ محفلیں ان کے وقار کی متحمل نہ ہو سکتی تھیں۔ جعفر ہی نہیں بلکہ خود ہارون کی بھی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ عبدالملک صرف ایک بار اس کی محفل میں شریک ہو کر نبیذ کا صرف ایک ہی پیالہ نوش کرتے۔ لیکن وہ ہمیشہ اس کی خواہش کو ٹھکراتے رہے۔

جعفر نے ایک دم پردے کے باہر کھڑے ہوئے دربان کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا وہ ناموں کی غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ کاش اسے معلوم ہوتا جعفر نے عبدالملک بن صالح ہاشمی نہیں بلکہ عبدالملک بحران قہرمانہ کے داخلے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن اب اس غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا۔ جعفر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ اس شخص کے سامنے ایسی محفل میں بیٹھنا برداشت نہ کر سکا اور قریب تھا کہ محفل درہم برہم ہو جائے۔ لیکن عبدالملک کی فیاضی دوست پروری ——— دوست نوازی جوش میں آ گئی۔ اس نے فوراً درخواست کی:۔

"ہمیں بھی مجلس کا مخصوص لباس پہنایا جائے۔"

عبدالملک ایسے انسان کے منہ سے یہ اتنی بڑی بات تھی کہ ہر شخص حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ ابھی جعفر کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ عبدالملک گلنار ریشمی جبہ پہن کر جعفر کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے سامنے پڑا ہوا شراب سے لبریز پیمانہ اٹھایا ——— منہ سے

لگا لیا۔

یہ دیکھ کر جعفر کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس کا جی چاہا اسی وقت عبدالملک کا منہ چوم لے۔ اس شخص نے محض ایک دوست کی خوشنودی کے لیے اپنے سارے زہد و اتقا کو قربان کر دیا۔ واقعی اتنے عظیم انسان بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن جعفر کو ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ساقی کو ایک اور جام کا اشارہ کیا عبدالملک اسے بھی پی گیا اور اس کے بعد تیسرا بھی۔

اب وہ پوری طرح اس محفل کے رنگ میں رنگا جا چکا تھا۔ اس کی تلوار اور دستار فضیلت بہت دور رکھی تھی۔ اور جام اس کے ہاتھ میں۔ کھانے کے دو چار لقمے کھانے کے بعد جھوم جھوم کر مغنیہ کے سوز و ساز کی داد دینے لگا۔ ذرا دیر کے لیے تو جعفر بھی اس خلافِ عادت واقعے کو دیکھ دیکھ کر فرطِ مسرت سے قہقہے لگانے لگا لیکن پھر اچانک سنجیدہ ہو کر سرگوشی کے سے انداز میں بولا:۔

"آپ کی دوست پروری نے میری رُوح مسخر کر لی۔ اب یہ فرمایئے کہ ایسی تکلیف اٹھانے کی وجہ کیا ہے؟"

"ایسی باتیں محفل میں نہیں پوچھی جاتیں جعفر۔" ان کا خیال بالکل درست تھا۔ جعفر نے ادھر اُدھر دل لگانے کی کوشش کی لیکن وہ جانتا تھا کہ عبدالملک ایسا شخص انتہائی ضرورت کے بغیر جعفر کی محفل میں کبھی شریک نہ ہوتا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس متقی انسان کو کون سی حاجت یہاں کھینچ لائی ہے۔ وہ ذرا دیر بعد ایک بار پھر عبدالملک کی طرف جھکا:۔

"اب صبر کی تاب نہیں رہی حضرت۔ فرمایئے —— کچھ تو فرمایئے۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ عمر میں پہلی بار ایسی محفل نصیب ہوئی۔"

"لیکن آپ کی قسم - اب یہ محفل میرے لئے جہنم بنتی چلی جا رہی ہے۔"

عبدالملک یہ بھی جانتا تھا کہ جعفر کو بہلانا ——— آسان بات نہیں۔ وہ بولا: "ایک ساتھ دو تین باتیں ہیں جعفر"

"اور انہیں ایک ساتھ بیان کیجئے۔"

"سب سے پہلی خلش تو یہ ہے میں ایک عرصے سے امیر المومنین کی آنکھوں میں کدورت کا غبار دیکھ رہا ہوں - اور اسے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا - انہیں کہو میرے متعلق ساری غلط فہمیاں دل سے نکال دیں اور میرے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔"

"دوسری ؟"

"یہ کہ میں پانچ ہزار دینار کا مقروض ہوں اور قرض خواہ کے تقاضے کی تلخی بتدریج بڑھتی چلی جا رہی ہے۔"

"اور تیسری فرمائش ؟"

"میری خواہش ہے کہ امیر المومنین میرے بیٹے ابراہیم کی شادی اپنی بیٹی عالیہ سے کر دیں - اس طرح ہمارا رشتہ اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا اور آئندہ کے لئے بدگمانیوں کے دروازے بند ہو جائیں گے۔"

"اور ——— ؟"

"بس !"

"نہیں ——— بلکہ ابراہیم کو کوئی ایسا عہدہ بھی دیا جائے جس سے شہزادی کے اخراجات پورے ہوں۔" جعفر بولا: "آپ امیر المومنین کی طرف سے مطمئن رہیں - وہ آپ سے بہت خوش ہیں - آپ کے قرض کی رقم اتنی تھوڑی ہے کہ آپ کی خدمت میں پیش

کرتے ہوئے کوفت ہوتی ہے۔ میں اس بات کا خاص خیال رکھوں گا کہ خزانے سے آپ کو اتنی رقم مل جائے جو قرض کی ادائی کے علاوہ آنے والے کچھ عرصے تک کفالت کرے اب رہا امیر المومنین کی صاحبزادی سے آپ کے صاحبزادے کی شادی کا معاملہ تو وہ اسی وقت طے پا چکا۔ انشاء اللہ کل نکاح کے بعد اسے حکومت مصر کی سند بھی مل جائے گی۔"

جوش کی وجہ سے جعفر کی آواز بتدریج گہری ہوتی چلی گئی اور محفل میں دو ایک ایسے درباری بھی موجود تھے۔ جن کے خیال میں جعفر بالکل شرابیوں کی طرح بہک رہا تھا۔ یہ بالکل نشے کی لن ترانیاں تھیں۔ عبدالملک سے ہارون کی خوشنودیٔ مزاج بھی بہت آسان بات تھی اور خزانے سے ایک آدھ لاکھ دینار کا عطیہ بھی۔ ابراہیم ایسے نوجوان کو مصر کی حکومت دینے کا معاملہ بھی کم از کم شاہانہ غور کے قابل ضرور تھا۔ لیکن یہ کہ جعفر اپنی محفل میں بیٹھے بیٹھے امیر المومنین کی صاحبزادی کا معاملہ اس طرح طے کر دے؟ یہ کچھ انہونی سی بات تھی۔

جعفر بولا:"۔ آپ کل صبح سویرے قصر الخلد میں تشریف لائیے!"

اور ایک ساتھ بہت سے لوگوں نے دل ہی دل میں کل صبح سویرے قصر الخلد میں پہنچ جانے کا فیصلہ کیا۔

ذرا دیر بعد عبدالملک محفل سے اجازت لے کر چلا گیا لیکن گھر تک جاتے جاتے وہ راستے میں اپنی غلطی پر بار بار ندامت سے گھلتا چلا گیا۔ رات بھر الحام وزاری کی کیفیت طاری رہی۔ آنسو تھے کہ تھمنے میں نہ آتے تھے۔

خمار اتر جانے کے بعد جعفر بھی محفل جمانے کی غلطی پر پیچ وتاب کھانے لگا۔ اس لئے نہیں کہ اس نے واقعی شرابیوں کی سی بڑ ہانکی تھی بلکہ صرف اس لئے کہ عبدالملک نادانستگی

کے عالم میں جعفر کو ہارون کے بچھائے ہوئے دام کی طرف ہانک رہا تھا۔ ہارون کے سامنے آتے ہی عباسہ کی وہ آنکھیں اس کے سینے میں ڈوب جاتی تھیں اور اس کی روح کی گہرائیوں کو اپنے جس پر کیف سوال سے جھنجھوڑا کرتیں بڑی عاجزی کے ساتھ اس کے جواب کی التجا بھی کرنے لگتیں۔

وہ کیا جواب دے؟ عباسہ نے واقعی اس کی تمام صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ اس شخص کو پتھر کے بت میں منتقل کر دیا تھا جو دربار کی ایک ہی نشست میں ایک ایک ہزار عریضوں پر ایسی توقیعات لکھتا تھا جو پوری سلطنت کی عدالتوں میں مثال کے طور پہ پیش کی جاتی تھیں۔ اگر اسے ہارون کی سدا بہار محفلوں سے فرصت نصیب ہو جاتی تو وہ اپنے عہد کا یگانۂ روزگار عالم و فاضل ثابت ہوتا —— قلم اور تلوار —— بیک وقت دونوں کا دھنی!

یہ عباسہ کی بے مثال محبت کے وقار ہی کا تو کرشمہ تھا جس نے جعفر ایسے باغ و بہار قسم کے نوجوان کو تنہائیوں —— ویرانیوں کا راستہ دکھا دیا تھا۔ عباسہ اور ہارون کی محفلوں سے تنہائیوں اور ویرانیوں کا راستہ۔ ابراہیم بن مہدی کے گائے ہوئے اشعار اسکے ذہن میں گونجنے لگے :-

تم نے تو میری اس جانِ ناتواں پہ
جو خود میری زندگی کے بوجھ تلے پسی جا رہی ہے
اپنے عشق کا پہاڑ سا رکھ دیا۔
تمہیں مجھ پر مکمل فتح حاصل ہو گئی کیونکہ
میری زبان تو کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیتی۔

لیکن ان آنکھوں کو کیا کرو گے ؟

جن کے چشمے سوکھنا ہی بھول گئے ہیں۔"

اب عبدالملک سے کئے ہوئے وعدے کو نبھانے کے لئے اسے ہارون کے سامنے جانا پڑے گا اور چونکہ خود حاجت مند ہو کر جائے گا اس لئے ہارون کی فرمائش پوری کرنے کا صرف وعدہ ہی نہیں بلکہ وعدے کو پورا بھی کرنا ہوگا۔ اور یہ وعدہ عباسہ کی محفل میں شریک ہوئے بغیر پورا نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسے پھر سے عباسہ کی محفل میں شریک ہونا پڑے گا۔ ایک بار پھر عباسہ کی نظریں اس کی روح کی گہرائیوں میں تہلکہ ڈال دیں گی وہ پوچھیں گی :۔ کئی دن بعد آئے ہو۔ یقیناً ہمارے سوال کا جواب ڈھونڈ لائے ہوگے۔ بتاؤ ——— کیا جواب ہے!

اور اسے ایک بار پھر ندامت کے جلتے ہوئے احساس کے ساتھ چپ چاپ محفل سے رخصت ہونا پڑے گا۔ پھر وہی ویرانیاں اور تنہائیاں۔ پھر وہی محفل اور عبدالملک کی طرح کے کسی دوسرے شخص کی احتیاج۔ وعدے اور ہارون۔ وعدے اور عباسہ۔ روح کی گہرائیوں کو جھنجھوڑ کر سوال کرنے والی آنکھیں اور جعفر کی خاموشی ——— ندامت، بے چینی اور اضطراب۔ ویرانیاں اور تنہائیاں۔

کاش! جعفر کو معلوم ہو جاتا کہ عبدالملک نے یہ رات کس عذاب میں کاٹی تھی۔ اس نے صبح سویرے غسل کیا اور نماز سے فارغ ہوتے ہی "قصر الخلد" میں پہنچ گیا۔

قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن اور بغداد کے دوسرے ائمہ کبار ہارون کے اردگرد نیم دائرے میں جمع تھے۔ ہارون ان کے درمیان تخت پر بیٹھا تھا اور جعفر تخت کے ایک کونے میں بیٹھا کل کی محفل کے واقعات بیان کر رہا تھا۔

اور جیسے ہی عبد الملک نظر آیا جعفر نے ان سے کئے ہوئے وعدے دہرائے اور ہارون بڑی توجہ سے سنتا اور مسکراتا رہا۔ جب جعفر اپنی بات سنا چکا تو ہارون نے بھرے دربار میں عبد الملک کو عزت و احترام سے خوش آمدید کہا اور اسے یقین دلایا کہ آپ کو نہ جانے میری آنکھوں سے کدورت کا غبار کیسے نظر آیا۔ اسی وقت وزیر خزانہ کو حکم دیا ایک لاکھ درہم اسی وقت عبد الملک کے گھر پہنچ جائیں۔ اب صرف تیسری اور سب سے اہم شرط باقی تھی۔ عالیہ بنت امیر المومنین ہارون الرشید کا ابراہیم بن عبد الملک ہاشمی سے عقد۔

ہارون کچھ دیر خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ جعفر اور عبد الملک سرنگوں تھے۔ ہارون نے اچانک قاضی ابو یوسف کو مخاطب کیا :-

"آج رات کا کھانا میرے ساتھ ——— !" اور پھر ایک ساتھ جعفر اور عبد الملک کی طرف منہ پھیر کر بولا اور تم دونوں ——— صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم بھی موجود ہوگا؟ رات کے کھانے کا تو صرف بہانہ تھا۔ ابو یوسف، عبد الملک اور ابراہیم کو صرف اس لئے مدعو کیا گیا تھا تاکہ تیسری اور سب سے بڑی شرط بھی پوری ہو جائے۔ اسی رات عالیہ اور ابراہیم بن عبد الملک کے نکاح کا خطبہ پڑھا گیا اور رخصتی کے وقت حکومتِ مصر کی سند بھی عطا کی گئی۔

جس وقت بغداد میں عبد الملک کے ساتھ جعفر برمکی کے وعدوں اور باب الخلد میں ان وعدوں کی تکمیل کے متعلق خیالات و قیاسات کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے ہارون جعفر کا ہاتھ پکڑے عباسہ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ ہارون یہ وعدے پورے کر کے بے حد خوش تھا کیونکہ اسی بہانے جعفر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ جیسے جیسے ہارون کی رفتار میں تیزی آتی چلی گئی جعفر کے پاؤں پتھر کی سلوں ——— چٹانوں کی طرح

بوجھل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ ایک قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ ہارون بولا:۔

"کیا بات ہے؟"

"ایک ایسے مہمان کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں امیر المومنین جو متواتر کئی راتیں بیٹھا انتظار کرتا رہے گا۔ اگر اجازت ہو تو اسے کسی کے سپرد کر آؤں!"

"فوراً واپس آؤ۔ دیکھو ——— میں یہیں کھڑا انتظار کروں گا۔"

جعفر کہنا چاہتا تھا:۔ ابھی حاضر ہوا ——— امیر المومنین۔ لیکن آواز اس کے حلق سے نہ نکل سکی اور وہ باب الخلد کے طویل گھنے سایوں کی آڑ لیتا ہارون کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

○

جعفر سے شادی کے بعد زندگی میں پہلی مرتبہ عباسہ پر اچانک منکشف ہوا کہ اس کی آنکھیں محض اپنے کمرے کی دہلیز پر گڑی رہنے کے لئے وقف ہو گئی ہیں۔ وہ جھپکنے کا نام بھی نہیں لیتی تھیں۔ مبادا اچانک جعفر آجائے اور وہ اس کی دید کے اسی لمحے سے محروم رہ جائے۔ اس کے عشق کو کیا مقام مل گیا تھا؟ جعفر کو دیکھے بغیر وہ لگاتار کئی دن بھی گزار چکی تھی لیکن اس کی دید سے محرومی کے ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تھیں اور اسی کے کمرے کی دہلیز۔

کاش ——— وہ جانتی کہ صرف جعفر ہی نہیں بلکہ ہارون کو بھی اپنی پریشانیوں اپنی بے چینیوں میں شامل کر چکی ہے۔ ہارون اس کے دروازے سے صرف چند قدم کے

فاصلے پر جعفر کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا ہوا جعفر رات کے گزرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ ہجان وغیرہ کا تو محض پھانسہ تھا۔ جو اگرچہ وقتی طور پہ بے خطا تیر کی طرح نشانے پہ بیٹھ گیا اور ہارون نے اسے چھٹی دے دی لیکن یہ کہ اب ہارون کے پاس لوٹ کر نہیں بہائے گا؟ ناممکن! آخر جائے گا کہاں؟ آج رات ہارون کسی بحری عقاب کی طرح پورے بغداد پر پرواز کر کے جعفر کو چڑیا کی طرح اپنے پنجوں میں دبوچ کر اپنے خبیۂ نشیمن ——— عباسہ کے پاس پہنچ جائے گا۔

آج کی رات کے لمحات صرف جعفر اور عباسہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ہارون کے لئے بھی شل ہو گئے تھے۔ اسے یوں لگا جیسے جعفر کے انتظار میں صدیاں بیت گئی ہوں۔ عباسہ کا کمرہ قریب ہی تو تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا آہٹ سنتے ہی عباسہ کی آنکھیں زندگی کے نور سے روشن ہونے لگیں۔ یہ ہارون کی آہٹ تھی اور ہارون کے ساتھ جعفر کا آنا لازمی تھا۔

لیکن اکیلے ہارون کو دیکھ کر عباسہ سہم سی گئی۔ یہ کیسا خوف تھا؟ انتہائی بے رحم ——— بے مروت؛ خوف۔ اس نے بالکل شاہانہ انداز میں سنبھلنے کی کوشش کی۔ ہارون تو اس کا اپنا ——— پیارا بھائی تھا۔ ایسا بھائی جس کی حمایت میں وہ ہادی ایسے اکھڑ انسان سے آخری دم تک مردانہ وار لڑتی رہی۔ وہ ہارون جس نے من کی موج میں آ کر جعفر سے اس کا نکاح پڑھ دیا تھا۔ ہارون بالکل بے ضرر انسان تھا۔ اس کی موجودگی میں خوف کے لئے ہرگز کوئی گنجائش نہیں تھی۔

خوف ناک تو اصل میں جعفر کی موجودگی تھی۔ اس پتھر کے جیل و متناسب سرد ——— بے حس بت کی موجودگی جو کسی قسم کے، سرور بخش یا اندوہگیں تاثر سے بالکل محروم تھا۔ آہستہ آہستہ ایک طربناک خیال اس کے چہرے کی تاب میں اضافہ کرنے لگا اور ذرا دیر

بعد یہ تابناکیاں اندیشے کے سایوں میں دہکنے لگیں۔ گوناگوں اندیشوں کے عجیب الخلقت سائے۔

کیا ـــــ بیوی بن جانے کے بعد بھی میں اسے پسند نہیں آئی؟ اس کا خود اپنے عشق کی بے رحم شدت پر رونے کو جی چاہا لیکن وہ اپنے اور جعفر کے راز میں ہارون کی شرکت برداشت نہ کر سکی۔ مسکرائی۔ مسکرا کر اپنے بھائی کو خوش آمدید کہا۔ یہ بھی عباسہ کی ایک عجیب نفسیاتی کیفیت تھی۔ وہ اپنی تنہائیوں ـــــ غم آباد تنہائیوں کو مسکراہٹ کی تنویروں میں غرق کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن شاید اس راز سے آگاہ نہیں تھی کہ اداسیوں کی گود میں پلنے سیکھنے والی مسکراہٹیں صرف محبوب کی ہنستی ہوئی آنکھوں کی شہ پر تاروں کی سحر پرور جھلملاہٹوں کا کامیاب مقابلہ کر سکتی ہیں۔

بے شک! عباسہ کی مسکراہٹیں ان ضیا پاشیوں سے محروم تھیں جو تنہائی کے تاریک کونوں کو منور کر سکتیں۔ ہارون نے عباسہ کے کمرے میں پہلی بار ایسے یخ بستہ سکوت سے ٹھٹھری ہوئی اداسیاں محسوس کیں جو زندگی میں پہلے اور لاثانی تجربے کی حیثیت اختیار کرنے لگیں۔ اس نے ایک دم گھوم کر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور اس کی بے قرار نگاہیں کونوں میں کراہتے ہوئے سکوت، دیواروں اور پردوں پر روشنی اور تاریکی کے خاموش متحرک سایوں پہ اچھلتی مجمروں سے اُٹھتے ہوئے نیم خوابیدہ ـــــ نیم بیدار دھوئیں کے باریک، ہلکے سرمئی خطوط میں اُلجھ کر رہ گئیں۔ بعض خطوط کامل دائرے تھے۔ بعض نیم دائرے اور بعض انتہائی تیز قوسیں۔

ہارون ایک دم پریشان ہو گیا:۔

"یہ سب ـــــ کیا ہے عباسہ؟"

"کیا ہے بھیّا؟" عباسہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"بہت کچھ ــــ شاید سب کچھ۔"

عباسہ کی مسکراہٹ بڑی تیزی سے مسحور کر دینے والے تبسم میں ڈھلتی جا رہی تھی:۔

"اگر یہاں بہت کچھ ــــ شاید سب کچھ موجود ہے تو پھر صرف آپ ہی کا انتظار باقی تھا۔"

"میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہاں تو بڑی عجیب سی ــــ اجنبی، توقع کے بالکل خلاف سی کیفیت طاری ہے۔"

"اب جس کی توقعات آپ سے وابستہ ہوں اور پھر آپ کی یہ حالت کہ باقاعدگی کے ساتھ کسی کی توقعات پوری کرنے کے قائل ہی نہ ہوں۔ تو پھر ــــ آپ جب آنا شروع کرتے ہیں تو یوں آتے چلے جاتے ہیں گویا بغداد کے سارے راستے اسی طرف آتے ہیں اور جب اچانک کسی اور طرف نکل گئے تو پھر عید کا چاند بن گئے ــــ ایسی عید کا چاند جو ہر برس نہیں بلکہ صدیوں کے بعد نظر آتا ہے۔"

عباسہ اپنی تنہائیوں کا معقول جواز پیش کر کے انتہائی نازک موقعے پر چھا سی گئی۔ ہارون بولا:۔

"کتنی دیر سے جعفر کا انتظار کر رہا ہوں۔ ظالم بڑے اعتماد کے ساتھ جل دے گیا۔ میں حیران ہوں عباسہ وہ تمہارے سامنے آنے سے گریز کیوں کرتا ہے؟"

"اپنے دوست کی کوتاہیوں کا جواب آپ سے بہتر اور کون دے سکتا ہے، امیرالمومنین!"

عباسہ کی آواز تمام تر سوال ــــ التجا میں بدل چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ امیرالمومنین اپنے دوست کی کوتاہیوں کا طعنہ برداشت نہیں کر سکیں گے اور کوئی نہ کوئی تاویل ضرور پیش

کریں گے۔ لیکن ہارون نے بڑی خوبصورتی سے دامن بچایا:۔

"اب مجھے اس کے گھر تک جانا پڑے گا عباسہ۔ صرف چند لمحے۔" وہ دروازے کی طرف مڑا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔"

○

عتابہ —— جعفر کو کمرے میں بے تابی سے ٹہلتا دیکھ رہی تھی۔ فضل بھی اپنے کمرے کے جھروکے میں آ بیٹھا تھا اور بعض اوقات جب جعفر ٹہلتے ٹہلتے کسی سوچ کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا اور اس کے قدموں کی چاپ سنائی نہ دیتی تو وہ جھروکے میں سے جھانکتا۔ جعفر اپنے بستر پر لیٹ گیا؟ نہیں! پھر سے چاپ سنائی دیتی اور چند لمحوں بعد اس میں پہلی سی باقاعدگی —— ہم آہنگی قائم ہو جاتی۔

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا یحییٰ بھی اس ہم آہنگ تسلسل کے سرچشمے پر غور کر رہا تھا۔ پھر اچانک یہ تسلسل ٹوٹ گیا۔ جعفر کے کمرے کا سکوت زیرِ لب سرگوشیوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ ذرا دیر بعد ہارون کے قہقہے کی لہر اٹھی اور اس کی سسمت رفتار سرسراہٹیں دیر تک فضا میں گونجتی رہیں۔ دونوں آگے پیچھے باہر نکلے جعفر نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ عتابہ اور فضل اپنے اپنے کمروں کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے اور بسترِ دراز یحییٰ ہارون اور جعفر کے قدموں کی آہٹ سے دونوں کے جذبات و محسوسات کی پرواز کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ دونوں کے، قدموں کی آہٹ ہی نہیں بلکہ ان آرزوؤں —— اُمنگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا جو ابھی خود ان کے اپنے شعور میں ہیولوں کی طرح غیر مترتب تھیں۔

عباسہ بھی ان آہٹوں کے انداز —— ان کی رفتار سے نتیجے اخذ کرنے کا طریقہ سیکھ چکی تھی۔ جعفر اگرچہ ہارون کے پیچھے تھا لیکن اس کی رفتار کی تیزی کسی گہرے اضطراب عباسہ کے لیئے بہت اچھا شگون۔ پتھر کے جمیل —— متناسب بت میں نمایاں تبدیلی کی غماز تھی جعفر کی رفتار میں تیزی —— گہرا اضطراب ——

ہارون نے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ عباسہ نے آگے بڑھ کر کونوں میں جلنے والی چار کے علاوہ ساری شمعیں گل کر دیں۔ وہ جانتی تھی۔ ہارون روشنیوں سے زیادہ سایوں کا شیدائی ہے۔ گھٹتے، بڑھتے، چھوٹے اور طویل —— متحرک، پراسرار، طلسمی سایوں کا شیدائی۔ جعفر سے ملنے سے پہلے وہ ہارون کی اس عادت کا جواز تلاش نہیں کر سکی تھی۔ لیکن اب جواز تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اسے خود روشنیوں سے نفرت اور سایوں سے پیار ہو گیا تھا۔ گہرے، گھنے، اسرد سلٹے۔

ہارون دہلیز پار کرنے کے بعد رک گیا اور دہلیز پہ متامل جعفر کو بازو سے اندر کھینچ کر عباسہ سے بولا:۔

"اب تم خود اس سے پوچھو —— میرا مطلب ہے گریز کی وجہ!"

"بحث ہی کو محفل کا موضوع بنانے کی جگہ اگر محفل کو خود اپنا موضوع متعین کرنے کا موقعہ بخشا جائے تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

"اچھا جی؟" ہارون نے بہن کے فلسفیانہ انداز کی داد دی۔

اور جعفر کا بھی خراج تحسین ادا کرنے کو جی چاہا۔ عباسہ اس موضوع سے احتراز کے لطیف پیرائے میں بھی اس سے اپنی والہانہ وابستگی کا بڑی فراخ دلی سے مظاہرہ کر رہی تھی۔

عباسہ، ہارون اور جعفر کے سایوں میں سمٹنے لگی۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو عباسہ نے بھی اپنے لیئے بیٹھنے کی جگہ تلاش کی۔ ہارون اور جعفر کے سایوں سے الگ ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو بھی بے حد عجیب و غریب دکھائی دینے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اپنے آپ سے شرمانے لگی۔ اگر اس نے جعفر کے اس چہرے پر تبدیلی کے نمایاں آثار دیکھے تھے جو اس وقت تک کسی قسم کے سرور انگیز یا اندوہگیں تاثر سے بھی کورا تھا تو خود اس کے اندر بھی تو حیرت انگیز تبدیلی آچکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ٹٹولنے لگی:۔ اس اچانک تبدیلی کا سرچشمہ کہاں ہے؟ جعفر کی رفتار کی تیزی ——— اس کے گہرے اضطراب میں؟ کیا محبت اسی اضطراب کی گود میں پروان چڑھتی ہے؟ ——— بے چاری محبت، اضطراب اور بے چینی، شعلے اور التہاب، خوف اور اندیشے، اُمید اور مایوسی۔ گہرے، گھنے، سرد سائے۔

لیکن اس کے شہنشاہ بھائی ——— ہارون کو یہ گہرے، گھنے سرد سائے کیوں راس آتے ہیں؟ کیا وہ بھی کسی سے محبت کر رہا ہے؟ ——— بالکل میری طرح؟ میری اور جعفر جیسی مقید، بے پر، بے آواز ——— ناکام محبت؟

پھر اسے فضا پر قبضہ جما لینے والی خاموشی نے اچانک چونکا دیا۔ وہ مسکرائی۔ اس کا طویل ——— کشیدہ سایہ بھی مسکرا رہا تھا۔ ایک ایسا تبسم جس میں حیا کے گلنار شعلے لپک رہے تھے۔ وہ جھینپ کر ایک دم سے بیٹھ گئی اور بولی:۔

"کہیں آپ سچ مچ مجھے فیلسوف ہی نہ سمجھنا شروع کر دیں۔"

"تم اور فیلسوف؟" ہارون بے اختیار ہنسا۔ "ہرگز نہیں۔ تم تو فلسفے کی ضد ہو عباسہ اور بڑی پیاری ضد!"

عباسہ نے اس داد کا بڑی شان سے شکریہ ادا کیا۔ ہارون بولا:۔

"خدا کے لئے وقت کی بے آوازہ رفتار پر بھی نظر رکھو عباسہ۔ یا تو تمہارے اور جعفر کے بغیر ایک ایک لمحہ صدیوں سے زیادہ طویل ہو گیا تھا اور یا اب صدیاں ہیں کہ لمحوں میں ڈھلتی —— پھسلتی، سرکتی چلی جا رہی ہیں۔"

عباسہ نے چہرے پر ایسا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گویا کنیز کو اشارہ کرنا چاہتی ہے ہارون تاڑ گیا اور تیزی سے بولا:۔

"میں بڑی دیانتداری سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم اپنے تمام ہمعصر مغنیوں سے بہتر گا بجا سکتے ہیں۔"

ہارون کو تو عباسہ کے چہرے کا تاثر فریب دے گیا لیکن جعفر تاڑ گیا تھا کہ عباسہ کسی کنیز کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی۔

جعفر کیا تاڑ چکا تھا؛ اس انکشاف نے عباسہ کے چہرے پر مسرتوں کی کہکشاں روشن کر دی۔ وہ بولی:۔

"یہ آپ سے کس نے کہا —— امیر المومنین۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں۔"

"تو آج محفل میں صرف آپ غزل سرا ہوں گے۔"

"میں ہم کا صیغہ استعمال کر رہا ہوں۔ ہم —— یعنی میں تم اور جعفر۔"

عباسہ نے اپنی نظریں جعفر کی طرف کھنچتی محسوس کیں۔ لیکن نہ جانے کیا سوچ کر اس کی نظریں جھک گئیں۔ اب دونوں نے آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے ایک دوسرے کو دیکھنے، محسوس کرنے کا پُراسرار طریقہ ایجاد کر لیا تھا۔ ہارون بولا:۔

"یہ کس کا شعر ہے عباسہ ہے

تمہاری روتی ہوئی آنکھ کو ملامت کرنے کا کیسے حوصلہ ہو سکتا ہے ؟

تم نے کبھی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھ کو ہدف ملامت بنتے دیکھا ہے ؟"

عباسہ نے شاعر کی خیال آفرینی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے لب کھولے لیکن پھر کسی خیال نے اسے روک دیا :- یہ شعر تو بالکل تمہاری حالت کی عکاسی کرتا ہے کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ لیکن پھر اس عقل نے بر وقت فیصلہ دیا :- خاموشی جرم کا بہترین اقرار ہے۔ بولو —— بولو۔ یہ موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور بولنے کی دھن میں اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہارون کیا پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ بولی :-

"اچھوتا —— پیارا خیال ہے امیر المومنین —— مشاہدہ، انتہائی لطیف مشاہدہ۔"

"میں نے تنقید کے لئے نہیں —— شاعر کا نام معلوم کرنے کے لئے شعر عرض کیا تھا۔"

عباسہ کا سر چکرایا۔ اگر اس سے اسی قسم کی ایک اور دردناک لغزش ہوئی تو —— بدحواسی کے اس طوفان میں جعفر کی آواز نے اسے سہارا دیا۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا :-

"یہ عباس بن الاحنف کا شعر ہے امیر المومنین !"

"تمہیں اچھی طرح یاد ہے جعفر ؟"

"اچھی طرح امیر المومنین۔"

"بھئی خوب شعر ہے۔" ہارون نے عباسہ کی طرف منہ پھیرا :- "تمہارا عود کہاں ہے ؟"

عباسہ نے جھک کر اپنا بل کھاتا ہوا بازو سرکایا، پردے کے پیچھے سے عود نکالا اور بالکل خالی الذہن ہو کر بے ترتیبی کے ساتھ تاروں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

"وہ اس —— متحرک جشن والی رات کون سی غزل گائی گئی تھی؟"

"کون سی؟" عباسہ نے عود کو اس انداز سے ایک طرف سرکایا کہ وہ اس کے تمتماتے ہوئے رخساروں کو چھوتا گردن کے قریب اس طرح رک گیا گویا کوئی بازو گردن میں حمائل ہونے کا موقعہ تلاش کر رہا ہو۔

ہارون بولا:۔ مجھے محبت نے اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

اب نہ آگے بڑھ سکتا ہوں، نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔"

اور عباسہ کی انگلیوں کی رفتار تیز ہونے لگی۔ ہارون بولا:۔" وہی دھن عباسہ —— اسی رات والی دھن۔"

عباسہ عود کی آڑ میں چہرہ چھپا کر گانے لگی:۔

"مجھے محبت نے اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

اب نہ آگے بڑھنے کی ہمت ہے۔ نہ پیچھے ہٹنے کا حوصلہ۔

جو چیز تمہاری نظروں میں نہ سما سکی میں اس کی تعظیم کیوں کروں؟

مجھ سے تمہارا سلوک بالکل دشمنوں جیسا ہے۔

اور مجھے اپنے دشمنوں سے پیار ہو گیا ہے۔

تیری محبت میں ملامت بھی لذیذ معلوم ہوتی ہے۔

کیونکہ اس میں تمہارا ہی ذکر ہوتا ہے۔"

عباسہ خاموش ہو گئی اور تار بدستور نغمے بکھیرتے رہے لیکن جعفر اور ہارون کو بہت دیر بعد جا کر معلوم ہوا کہ عباسہ خاموش ہو چکی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جعفر نے خاموشی کی وجہ معلوم کرنی چاہی۔ لیکن ہارون بیچ میں آٹپکا:۔

"وہ پہلی نظر جسے میں نے چوری چھپے سے پالیا تھا۔

وہ پہلی نظر بھی تھی اور آخری بھی۔"

عباسہ نے پھر سے گانا شروع کر دیا:۔

"اب وہ ان نظروں سے چھپ کر کہاں جائیں گے؟"

جو صرف انہیں دیکھنے کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔

میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔

اور میں ایک اور گناہ کر بیٹھتی ہوں۔

لیکن جب ان سے قصور سرزد ہوتا ہے

تو میں فوراً عذر تراش لیتی ہوں۔

وہ اس پر بھی ناراض ہوتے ہیں۔

تو مجھے پھر سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔

میرا عذر مجھے ان کی نظروں میں اور زیادہ خطاکار بنا دیتا ہے۔

اور میں ایک اور گناہ کر بیٹھتی ہوں۔

جعفر کی نظریں ڈگمگانے لگیں۔ ہارون دونوں کے درمیان بیٹھا تھا لیکن اب بے تاب نگاہیں اسے برداشت نہ کر سکیں اور اس کے پار گزرتی ہوئی ایک دوسرے کے دل میں روح کی گہرائیوں میں ڈوبنے لگیں۔

عباسہ رک رک کر گا رہی تھی:۔

میں نے شکایت کی تو تنک کر بولے:۔

کیوں ——— محبت سے اکتا گئے ؟

خدا تیرے دل سے میری محبت کا جنازہ نکال دے۔

اور جب میں محبت کو چھپانے کی کوشش کرتی ہوں۔

تو ایک جلتا ہوا طعنہ مارتے ہیں۔

سبحان اللہ! زخمی دل کو بھی قرار آسکتا ہے ؟

میں قریب آتی ہوں تو ہاتھ سے دُور ہٹنے کا اشارہ کرتے ہیں۔

اور میں انہیں راضی رکھنے کی خاطر دُور ہٹ جاتی ہوں۔

لیکن وہ اس دوری کو بھی جرم قرار دیتے ہیں۔

میری شکایت سے بھی انہیں تکلیف پہنچتی ہے اور میرے صبر سے بھی۔

میری دوری سے بھی گھبراتے ہیں اور قرب سے بھی۔

اے لوگو ——— مجھے جینے کی ترکیب بتاؤ۔

اللہ تمہیں جزائے خیر دے ۔"

عباسہ نے اچانک چہرے سے عود ہٹا کر جعفر کو ایک بار بھرپور نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ان دریچوں سے جذبات کے طوفان اُمڈ پڑے۔ رات بھیگ چکی تھی۔ کافوری شمعیں اپنے لادے کے بے ترتیب ڈھیروں کے درمیان بڑی عجیب سی لگ رہی تھیں۔ ان کے زرد شعلے کپکپا رہے تھے۔ پردوں کی سرسراہٹ فضا میں سنسنی سی پھیلا رہے تھے اور تھکی تھکی ——— بیمار رنگینیوں میں مجمروں سے اٹھنے والے

○

مہک سے بوجھل دھویئں کے ان حیرت انگیز متحرک پیکروں، ہیاررو شنیوں عباسہ ہارون اور جعفر کے علاوہ خاتون حرم ——— زبیدہ بھی ابھی تک جاگ رہی تھی۔اس کے جاسوس ہارون کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ حالات کی رفتار کا جائزہ لے رہی تھی۔امیرالمومنین نے پچھلے چند دنوں سے عباسہ کے محل میں کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا تھا اور جعفر بھی ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ جعفر عباسہ اور ہارون اس تکون کی نوکیں بڑی تیزی سے تیز ہوتی چلی جا رہی تھیں۔زبیدہ کی سوچ بھی تبدریج گہری اور تیز ہو رہی تھی۔اس کا جتنا وقت ہارون کی جدائی میں بسر ہوتا زبیدہ اس کے ایک ایک لمحے کو اپنی آنکھوں کی چھلنی میں سے گزارتی تھی۔ ہارون کی فرقت نے اسے شب بیدار بنا دیا تھا۔

ہارون کی جدائی میں خاتون حرم کا وقت کن سہاروں کا محتاج تھا۔حریم خلافت کی کنیزیں ان سے بخوبی متعارف تھیں۔جب زبیدہ کی آنکھیں نیند سے ناآشنا ہو جاتیں تو اس کی ایک مزاج شناس، ہمدم و ہمراز کنیز ایک خاص قسم کا تسکین دہ، فرحت افزا خواب آور سا مشروب پیش کرتی۔کنیز کو معلوم ہو گیا تھا کہ خاتونِ حرم کو آج رات، اسی مشروب کی ضرورت ہے۔

جب وہ دبے پاؤں زبیدہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔تو توقع کے عین مطابق زبیدہ کو پلنگ سے ٹیک لگائے بیدار ——— بے قرار پایا اور خاموشی کے ساتھ مشروب سے لبریز گلاس پیش کر دیا۔

عباسہ کی آواز زبیدہ کے صبر و سکون کو بے دردی سے لوٹ رہی تھی۔ اگرچہ

یہ آواز جانی پہچانی سی تھی لیکن اس میں مضمر امنگ بالکل نئی ــــ تازہ دم ــــ نوجوان تھی اور بے پناہ شدت کے ساتھ حرم کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ طوفان زدہ سمندر کی طرح لہر در لہر ــــ!

زبیدہ کے ہونٹ مشروب سے لبریز جام پہ تھے اور کان آواز پہ۔ کنیز کی توجہ بھی آواز کی طرف تھی۔ حرم کی دیواروں سے ٹکرانے والی پرانی آواز ــــ اور اس آواز کے پردے میں لپٹی، سہمی ہوئی نئی، تازہ دم ــــ نوجوان اُمنگ پر مرکوز۔

زبیدہ دیر تک جرعہ نوشی کرتی اور آواز سنتی رہی۔ سنتی اور سوچتی رہی۔ وہ عالیہ کی اس شادی کی خبر بھی سُن چکی تھی جو امیر المومنین کی پیشگی رضامندی کے بغیر جعفر کے اشارے پر آن کی آن میں طے پا چکی تھی۔ خیزران کی موت کے بعد آل برامکہ کتنی تیزی سے سلطنت اور حکومت ہی نہیں بلکہ حرم کے معاملات پر چھاتے چلے جا رہے تھے اس سے زبیدہ کو ناقابل برداشت دھکا لگا۔ یحیٰ ابھی تک خاتونِ حرم کے شبستانوں کی نگرانی کر رہا تھا اس کی مشتبہ نظریں زبیدہ کی کنیزوں پہ جمی تھیں جعفر ابھی تک مامون کی سرپرستی اور حمایت کر رہا تھا۔ اسی کے ایما پہ عالیہ کی شادی کے متعلق امیر المومنین نے زبیدہ سے مشورہ لینے ــــ اس کا ذکر تک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور اب جعفر کے قہقہے عباسہ کی آواز کے ساتھ مل کر حرم کی دیواروں سے ٹکرانے لگے تھے۔ کاش اسے معلوم ہو جاتا کہ ہارون خود اپنی بہن کے ساتھ جعفر کے نکاح کا خطبہ بھی پڑھ چکا ہے۔ ہارون سے اس کی شکایتوں میں ایک اور شکایت کا اضافہ ہو گیا۔ اسے یحیٰ برمکی اور جعفر سے جو کدورت تھی۔ عباسہ بھی اس میں شامل ہو گئی۔

بد نصیب ــــ بے قصور ــــ مظلوم عباسہ۔

چودھواں باب

عشق کا پہاڑ

جعفر رات کے تیسرے پہر "بوئے گل، نالہ دل اور دودِ چراغ محفل" کی طرح پریشان ہو کر عباسہ کے حریم ناز سے باہر نکلا۔ اس کے قدم ہی نہیں بلکہ جذبات و محسوسات بھی ڈگمگا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں اور تصورات پہ غبار سا چھا رہا تھا۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ عتابہ ابھی تک اس کے انتظار میں بیٹھی جاگ رہی ہے۔ اس کے انتظار میں؟ نہیں۔ اس طرح دیر سے آنا تو جعفر کا معمول بن چکا تھا اور عتابہ نے آج تک اتنی بے چینی سے اس کا انتظار کبھی نہیں کیا تھا اگر وہ اس کا انتظار نہیں کر رہی تھی تو پھر ـــــ!

ماں کے قدموں کی آہٹ سن کر جعفر کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ عتابہ اس طرف آ رہی تھی۔ اس وقت؟ کس لئے؟ جعفر کا درد سے پھٹتا ہوا سر چکرانے لگا۔ عتابہ یقیناً کچھ پوچھنے ـــــ کچھ معلوم کرنے ـــــ کچھ کہنے آ رہی تھی۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر کہیں سے تھوڑا سا ٹھنڈا پانی مل جائے تو آنکھوں پہ چھینٹے مارے۔ خمار بھی ہلکا ہو جائے اور درد بھی۔ لیکن عتابہ نے اسے ایسا کر گزرنے کا موقعہ نہ دیا۔

وہ ہوا کے جھونکے کی طرح دبے پاؤں اندر آئی۔ دروازے کے قریب رکی اور کچھ ایسے اضطراب کے ساتھ پردے کو تھام لیا گویا اگر اسے یہ سہارا نہ ملتا تو وہ شدید زخموں سے چور ہرنی کی طرح دہلیز ہی میں گر جاتی۔ جعفر نے ماں کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے کی جھریاں گہری ہو گئی تھیں ان وادیوں کی طرح جہاں سے ماضی میں انتہائی ہولناک سیلاب گزر چکے ہوں۔ وہ ان وادیوں کی تاریکیوں میں عجیب سی نمی محسوس کرنے لگا۔ وہ اس کے انتظار میں روتی بھی رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں ہی کی نمی تھی۔ وہ صرف آنسوؤں کے داغ دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نمکینی کا ذائقہ بھی چکھ سا رہا تھا۔

عتابہ دیر تک پردہ تھامے جعفر کے سامنے خاموش کھڑی رہی۔ جعفر کی پریشانیاں تیزی سے بڑھنے لگیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ماں کی موجودگی کے باعث کوفت محسوس کی۔ عتابہ بھی اس کے محسوسات سے غافل نہ تھی۔ اسے خود اپنی خاموشی سے ناقابلِ برداشت ٹیسیں لگ رہی تھیں۔ وہ سنبھلی، اپنے قدم جمانے کی کوشش کی اور پردے کا سہارا چھوڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھی —— اس بچے کی طرح جسے ابھی تک اپنی ٹانگوں کا اعتماد حاصل نہیں ہوا تھا۔

"تم امیر المومنین کے ساتھ گئے تھے نا؟"

جعفر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"عباسہ کے پاس؟"

"جی!"

"تو پھر اسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

"کس کو؟"

"میری شہزادی بہو کو۔"

جعفر ایک عرصے سے اس سوال کا انتظار کر رہا تھا ——— انتظار نہیں بلکہ اس کے جواب سے گریز کے راستے تلاش کر رہا تھا۔ لیکن عتابہ کا سوال بالکل اچانک تھا۔ وہ ابھی تک اس سوال کا جواب ——— معقول جواب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایک نہ ایک روز معقول یا نامعقول جواب دینا ہوگا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو جواب دینے پہ آمادہ نہ کر سکا۔ عتابہ نے ایک اور سوال کیا:۔

"اب تو وہ شرعاً تمہاری بیوی بن چکی ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں ——— امی۔"

"تو پھر تم ہمیں بتاتے کیوں نہیں؟"

"کیا بتاؤں؟"

"جو کچھ تمہیں معلوم ہے۔"

جعفر کے ماتھے پر اچانک شکنیں ابھر آئیں۔ عتابہ جانتی تھی کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتا۔ اس کے سوالوں سے جعفر پریشان ——— بدحواس ہو گیا۔ لیکن ماں کی حیثیت سے وہ جواب لینے کی مستحق تھی اور جعفر کی بدحواسیاں، تلخیاں ماں کو اپنے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ بولی:۔

"خاموش کیوں ہو ——— جعفر؟"

"اس لئے کہ شاید آپ میرے اس جواب کی معقولیت تسلیم کر لیں۔"

"خاموشی کی؟ ——— تمہاری اس خاموشی کی جو بذاتِ خود ایسا عظیم راز ہے جسے

دریافت کئے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"امی ـــــــ!"

"جعفر! میں تمہارے جذبات و محسوسات کی نزاکت سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن تمہاری قسم اب میں ان تلخیوں کی کوئی پروا نہیں کروں گی جس طرح تمہاری بھیگی بھیگی کھوئی کھوئی سی۔ بے قرار آنکھیں مامتا کے رستے ہوئے ناسوروں پر بے دردی سے نمک پاشی کرتی رہی ہیں۔ بالکل اسی طرح میں بھی اپنے سوالوں کے ناخن سے تمہارے زخم چھیلنا چاہتی ہوں۔ تم اسے انتقام سمجھتے ہو، تمہاری مرضی۔ لیکن ماں کی حیثیت سے مجھے تم پر حقوق حاصل ہیں۔ ان سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گی!"

"مجھے اللہ آپ کے حقوق سے بغاوت کی توفیق نہ دے ـــــ امی!"

"میں تم سے پوچھ کر رہوں گی کہ عباسہ کو اب تمہارے گھر میں آنے سے کون روک رہا ہے؟"

"امیر المومنین!"

"تو پھر اس شادی کے ڈھونگ کا مقصد؟"

"محض ڈھونگ۔"

"یہ تمہارے کس جرم کی سزا ہے؟"

"اس جرم کی ـــــ جو مجھ سے ابھی تک سرزد نہیں ہوا۔"

"یہ تو بڑی ہولناک سزا ہے ـــــ جعفر۔"

"بڑی ہولناک امی ـــــ بڑی ہولناک۔"

"تو گویا فضل نے سچ کہا تھا؟"

"کیا کہا تھا؟"

"امیر المومنین فطرت کے خلاف ایسی بغاوت کر رہا ہے جو کبھی معاف نہیں کی جائے گی اور اس پورے جرم کی سزا صرف تمہیں بھگتنی پڑے گی۔"

"میں بالکل بے قصور ہوں امی ——"

"کون جانتا ہے۔"

"اللہ جانتا ہے۔"

"میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔ تمہارا بھائی اور باپ بھی جاننا چاہتا ہے۔"

"امیر المومنین نے اس شادی کا صرف یہ مقصد ظاہر کیا ہے کہ ہم دونوں پہ ایک دوسرے کو بے محابا دیکھنا مباح ہو جائے۔"

"اور —— بس؟"

"اور —— بس!"

"تم جھوٹ کہتے ہو جعفر۔ تم مجھ سے ایسی بات چھپا رہے ہو جس کے متعلق تم ابھی تک اپنی آنکھوں کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔ وہ مجھ سے کچھ اور کہتی ہیں۔"

"کیا کہتی ہیں؟"

"صرف آنکھیں ہی نہیں بلکہ تمہاری بے چینیاں اور بے قراریاں بھی۔"

"کیا کہتی ہیں؟"

"یہی کہ عباسہ تمہارے اعصاب کی لگام پر مکمل قبضہ کر چکی ہے۔"

"امی —— !"

"تم مسخر ہو چکے ہو جعفر۔"

"اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کیجیے ــــ امی۔"

"برمکی خاندان نے آج تک ایسا کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جو نظر ثانی کا محتاج ہو۔"

"میری خاطر ــــ میری خاطر۔"

"اب تم ــــ تم ہی نہیں رہے۔ میں تمہارے ٹوٹے ہوئے پر ــــ تمہیں ــــ دیر سے دیکھ رہی ہوں اور میری آنکھوں نے آج تک کبھی دھوکا نہیں کھایا۔"

"میں آپ کی اس بد دعا کا متحمل نہیں ہو سکتا امی۔"

"ہم تو تمہارا سوگ بھی منا چکے ــــ جعفر۔ اور اس سوگ میں تم ہمارے برابر کے شریک تھے۔ اس گھر میں صف ماتم بچھ چکی ہے جو آج تک غم کی رسائی سے ماورا تھا۔ زمانہ اس گھر والوں کے ساتھ بے وفائی کا برملا اظہار کر چکا۔ تمہیں اپنے باپ کی بے بسی ــــ مرثیہ خوانی بھی یاد نہیں رہی؟"

یحییٰ کے کھانسنے کی آواز سن کر جعفر کو یوں لگا جیسے پچھلی رات کا سکوت دم توڑ رہا ہو۔ ماں بیٹے کے کان کھانسی کی صدائے بازگشت کا تعاقب کرنے لگے اور ذرا دیر بعد "العطش ــــ العطش" کی نحیف آواز قصر برامکہ کی خوابیدہ وسعتوں میں ڈگمگانے لگی۔

جعفر یحییٰ کے کمرے کی طرف بھاگا اور اس کے بستر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کے سامنے کیا چیز بستر پہ دراز تھی؟ وہ پہلی نظر میں پہچاننے سے قاصر رہا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ــــ زندہ لاش یحییٰ کی پھیکی بے نور آنکھیں جعفر کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ ایک ہی ہفتے کے غم نے اس کے بال برف کی طرح سفید کر دئے تھے۔

عنابہ پانی کا گلاس لے کر اندر آئی۔ جعفر نے باپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور

عنابہ نے گلاس اس کے سوکھے ـــــ پپڑائے ہوئے ہونٹوں سے لگایا۔ جوان بیٹے کے مضبوط، گرم سہارے سے یحییٰ کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوگئی اور وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی، جس سے ہم آہنگ ہونے کے لئے ہونٹوں نے انکار کر دیا تھا۔

جعفر نے عنابہ کو دیکھا اور عنابہ نے جعفر کو۔ بیٹے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں سے جو سوال پوچھا تھا۔ وہ آنکھوں آنکھوں میں اس کا جواب دے رہی تھی۔ اور خاموشی کی زبان میں کہہ رہی تھی:۔ جس شخص نے مرثیہ پڑھ کر سیاہ پوشی کا آغاز کیا تھا۔ تم اسے نہیں پہچان سکے بے شک غم واندوہ کا یہ نقش ـــــ جو اپنے زمانے میں یحییٰ بن خالد برمکی کہلاتا تھا ـــــ اب صرف ایسے مسخ شدہ نقش میں بدل گیا جو حال میں ماضی کی عظمتوں ـــــ رفعتوں کے نور بکھیر رہا ہے۔

جعفر گم سم اپنے باپ کو دیکھتا رہا۔ اگرچہ وہ یحییٰ کے پیچھے کھڑا تھا۔ لیکن یحییٰ اس کی نظروں کی حرارت محسوس کر رہا تھا۔ وہ بولا:۔

"رات امیرالمومنین تمہیں بلانے آئے تھے ـــــ جعفر؟"

"جی!"

"ان سے اس طرح کھنچے کھنچے رہنے کی وجہ؟"

جعفر خاموش رہا۔ یحییٰ نے کچھ دیر تک اس کے جواب کا انتظار کیا اور پھر جعفر کے بے ترتیب ـــــ تیز تیز سانسوں کی آواز سن کر بولا:۔

"انہیں یہاں آنے کی تکلیف نہ دیا کرو اور جب ان کی صحبت میسر ہو تو انہیں بالکل اسی طرح خوش رکھا کرو جیسے عاقل عورت اپنے جاہل خاوند کو خوش رکھتی ہے۔"

جعفر سوچنے لگا:۔ یحییٰ کے خیالات آہستہ آہستہ اس موضوع کی طرف سرک رہے

تھے جو جعفر کی سب سے بڑی کمزوری بن کر رہ گیا تھا۔ وہ ماں کے سامنے تو لب کھولنے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن بیٹے کے سامنے بولنا ـــــ کوئی معقول بات کرنا اسے دشوار دکھائی دیا۔ لیکن خوش قسمتی سے صبح کی اذان کی گونج بلند ہوئی۔ فطرت اس کی مدد پر آمادہ تھی۔ یحییٰ کی پشت ابھی تک اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

اذان کے بعد یحییٰ بولا :۔

"مجھے کل ہی معلوم ہوا کہ ایک شخص ایسی کنیز بیچنا چاہتا ہے جس کی صورت اور سیرت ہی نہیں بلکہ آواز بھی انتہائی اثر انگیز ہے اور فنون لطیفہ کے ہر شعبے میں بڑا اونچا مذاق رکھتی ہے۔ اس کی قیمت پچاس ہزار مقرر ہوئی ہے۔ لیکن میں نے ابراہیم الموصلی کو احتیاطاً پچھتر ہزار دینار بھیج دئیے تھے۔ وہ نماز کے بعد تمہاری راہ دیکھتا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خود بھی کنیز کو جا کر دیکھ لو۔ اگر وہ تمہارے معیار پر پوری اترے تو اسے فوراً خرید لو۔"

جعفر رخصت طلب کرنے کے اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر باہر نکلا۔ صبح ہو چکی تھی۔ اس نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور نئی کنیز کے شوق میں ابراہیم کے گھر کی طرف چل دیا۔

○

ابراہیم کے گھر تک جاتے جاتے ہزاروں خیالات جعفر کے ذہن سے گزرے ان میں بعض اچھے تھے۔ بعض بُرے۔ اور ایک خیال اس کے شعور کی دہلیز پر اس طرح اڑا کہ آگے پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لیا ـــــ اور وہ نئی کنیز کے خریدنے کا خیال تھا۔ اس کنیز کا خیال جو بقول بیٹے صورت اور سیرت کے علاوہ اثر انگیز آواز کی بھی مالک

تھی اور فنونِ لطیفہ کے ہر شعبے میں اونچا مذاق رکھتی تھی۔

فنونِ لطیفہ میں اس کا مذاق عباسہ سے بھی اونچا ہوگا؟ ناممکن۔ تو پھر یحییٰ نے اس کی اتنی تعریف کیوں کی تھی؟ اس معاملے میں اس کے معمّر باپ کے معیار کا کیا عالم تھا؟ جعفر جانتا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کنیز کو عباسہ سے خلط ملط کرنے والا کون ہے۔ اس کا باپ ــــ یا وہ خود؟

کنیز اور عباسہ۔ خدا کرے وہ کنیز جعفر کے دل میں اس مقام پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوجائے جس پر عباسہ نے اپنی محبت کی فسوں کار مسند بچھائی تھی۔ اور اس خیال کے آتے ہی عباسہ کی رات والی غزل کا شعر اس کے شعور میں مچلنے لگا:۔

میں نے شکایت کی تو تنک کر بولے

کیوں ــــ محبت سے اکتا گئے؟

خدا تیرے دل سے میری محبت کا جنازہ نکال دے۔

اور پھر ایک ایک کرکے سارے شعر قطار اندر قطار ــــ ایک ساتھ ناچنے لگے:۔

اور جب میں محبت کو چھپانے کی کوشش کرتی ہوں۔

تو ایک جلتا ہوا طعنہ مارتے ہیں

سبحان اللہ! زخمی دل کو بھی قرار آسکتا ہے؟

میں قریب آتی ہوں تو ــــ

خدا تیرے دل سے میری محبت کا جنازہ نکال دے۔

خدا تیرے ....!

جعفر کو اچانک یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی آواز سن رہا ہے۔ اس نے تیزی سے

چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ سورج کی البڑ، جوان کرنیں ایک ایک کر کے مشرقی افق کے زرکار دریچوں سے جھانک رہی تھیں اور یہ خوشی کی بات ہے کہ انہیں دیکھنے والا اور کوئی نہ تھا۔ جعفر بالکل اکیلا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جھینپ سا گیا۔ کہیں عباسہ اُسے دیکھ نہ رہی ہو ——— اس کی آواز نہ سُن رہی ہو۔

فطرت کے خلاف بغاوت ——— ایسی بغاوت جو کبھی معاف نہیں کی جائے گی اور اس پورے جرم کی سزا صرف تمہیں بھگتنی ہوگی۔

اور عباسہ؟ وہ بھی تو میرے ساتھ ہجر و فراق کے لپکتے ہوئے شعلوں کی زد میں تڑپ رہی ہے۔ بدنصیب ——— بے قصور ——— مظلوم عباسہ۔ بدنصیب بے قصور مظلوم جعفر۔

مظلوم جعفر کے خیال پر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا ——— مظلوم۔ وہ زور سے ہنسا۔ اپنے خیالات ——— جذبات و محسوسات کی تلخی دُور کرنے کے لئے۔ اور پھر عباسہ اپنی ساری نسائی رعنائیوں کے ساتھ اس کے شعور کے پردے پر عکس ڈالنے لگی۔

نئی کنیز ——— جس کی صورت اور سیرت ہی نہیں بلکہ آواز بھی انتہائی اثر انگیز ہے عباسہ سے بھی زیادہ اثر انگیز؛ اصل بغاوت تو یہ ہے۔ عباسہ سے بغاوت ——— ایسی بغاوت جسے اگر فطرت معاف بھی کر دے لیکن وہ خود کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اور جب وہ ابراہیم کے دروازے پر پہنچا "خدا میرے دل سے تمہاری محبت کا جنازہ نکال" اس کے ہونٹوں پر تھا اور وہ مزے لے لے کر یہ مصرعہ گنگنا رہا تھا۔

"بھئی بہت خوب۔" ابراہیم دونوں ہاتھ پھیلائے استقبال کو بڑھا۔ "لیکن کس کی محبت کا جنازہ ——— کس کے دل سے؟"

"اس کی محبت کا جنازہ میرے دل سے!"

"دیکھے بغیر اتنی محبت؟"

"اسے خریدنے کا موڈ بنا رہا ہوں ابراہیم۔"

"لیکن اس بیانے کا کوئی جواب نہیں ـــــ اور صبوحی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اس بات کا خیال رہے ہم صبح سویرے ایماندار سوداگروں کی طرح سودا طے کرنے جا رہے ہیں۔"

"پھر کیا؟"

"اگر زبان نے ذرا لکنت کی تو ہزاروں کا ہیر پھیر ہو جائے گا۔"

"ہزاروں کے چکر میں کب سے پڑے ہو؟"

"زندگی میں پہلی بار اس کا خیال آیا!"

"تو پھر یہ مشق کل سے شروع کرنا۔ آج تمہیں ایسی صبوحی پیش کرتا ہوں جو زمانے کے رحم میں بوڑھی ہو چکی ہے۔"

"ابونواس بعض اوقات مسخروں کی سی باتیں کرتا ہے۔"

"اور تم بھی اس کی نقل اتارنے لگے ہو۔"

"میں بحث کرنے نہیں بلکہ کنیز کا سودا کرنے آیا ہوں۔ لیکن اس لباس میں میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔"

"کیوں؟"

"کوئی مجھے پہچان نہ لے۔"

"ورنہ کیا ہو گا؟"

"جنت کی وہ کھڑکی بند ہو جائے گی جو ابھی پوری طرح کھل بھی نہیں پائی۔"

"آہا ہا ـــــ تو گویا آج کل امیر المومنین کے ساتھ جنت کے سلسلے میں مخلیس گرمائی جا رہی ہیں؟"

"اب تم عرب سوداگروں کے سے دو لباس پیدا کرو۔"

"دوسرا کس کے لئے؟"

"تمہارے لئے۔"

"نہیں حضور۔ میں تو ابراہیم موصلی بن کر جاؤں گا۔"

"تاکہ وہ تمہیں فوراً پہچان لے؟"

"اور میں اس کی کنواری نظروں کا مرکز بن جاؤں ـــــ آہ! وہ نظر جسے میں نے چوری چھپے سے پا لیا تھا۔"

"اب چل بھی دے مردود۔"

"اور وہ عرب سوداگر والا لباس؟"

"کہاں ہے؟"

"ذرا دھیرے ـــــ سب سے پہلے صبوحی۔ پھر لباس اور ـــــ!"

"جہنم میں گئی تمہاری صبوحی۔" جعفر تیزی سے بغلی کمرے میں داخل ہو گیا اور ابراہیم کی پوشاکیں الٹنے پلٹنے لگا۔ چند کپڑے علیحدہ کئے۔ پہنے، شیشے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اس وقت کسی دور افتادہ خطے کا عرب سوداگر دکھائی دیتا تھا۔

جب باہر نکلا تو ابراہیم ابھی تک صبوحی سے الجھا ہوا تھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑا

اور باہر نکل گیا۔ پہلے پہر بغداد کے بازاروں میں خاصی چہل پہل تھی۔ سامنے چوک میں ایک بدو اونٹ کی نکیل کھینچ کر اسے بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور اونٹ بلبلا رہا تھا۔ تین عورتیں منہ پر سیاہ نقاب ڈالے بازار پار کر رہی تھیں۔ ایک شخص گدھے پر سوار جعفر کے اتنے قریب سے گزرا کہ وہ دھکا کھا کر ڈگمگایا۔ ابراہیم نے بڑھ کر اسے تھام لیا اور پھر اوپر سے ایک بے پناہ فرمائشی قہقہہ تیزی سے نیچے نازل ہونے لگا۔ جعفر نے نظریں اٹھائیں۔ ایک دلفریب دوشیزہ جھروکے میں کھڑی ہنس رہی تھی۔ اور پھر جعفر کی نگاہوں سے شرما کر پردے کی اوٹ میں منہ چھپا لیا لیکن جھروکے پر پڑا ہوا پردہ پر اسرار طور پر سرسرانے لگا۔

جعفر کو قبہ کے پلوؤں میں منہ چھپاتا، نظریں بچاتا تنگ اور کم آباد گلیوں میں داخل ہو گیا اور کچھ دیر بعد ابراہیم نے اسے ایک ایسی ڈیوڑھی پر رکنے کا اشارہ کیا جو اگرچہ اس وقت خستہ حالت میں تھی لیکن اس کے بوسیدہ، مٹے کٹے نقوش ماضی کی عجیب و غریب داستانوں کے امین دکھائی دیتے تھے۔ اس کی رفعت و شان اور موجودہ حالت چیخ چیخ کر بتا رہی تھی یہ بغداد کے کسی بگڑے ہوئے رئیس کی حویلی ہے۔

ابراہیم نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک خوبصورت نوجوان نکلا۔ اس کے موٹے کپڑوں اور ظاہری حالت سے فقر و فاقہ کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے دہلیز پر رک کر سوداگروں کو دیکھا دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا تاکہ جعفر اور ابراہیم ڈیوڑھی کے اندر داخل ہو جائیں اور دہلیز کے پار ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے بعد بولا:۔

"فرمایئے ؟"

"ہم اس کنیز کو دیکھنا چاہتے ہیں جو ------ !" ابراہیم معاً خاموش ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ یہی نوجوان اس کا مالک ہے اور چونکہ وہ بردہ فروش نظر نہیں آتا تھا اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہ تھا کہ اس نے خود اپنے شوق کی تسکین کے لئے کنیز خریدی ہو گی۔ لیکن اب زمانے کے اندھے انقلابات اسے اپنی تسکین کے سامان کو بیچنے پر مجبور کر رہے تھے کہیں ابراہیم کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ نکل جائے جو نوجوان کی دل شکنی کا باعث ہو۔

نوجوان ڈیوڑھی کی دیوار سے ٹیک لگائے دیر تک جعفر اور ابراہیم کو دیکھتا رہا اور پھر کوئی جواب دیئے بغیر اندر چلا گیا۔ دونوں سوداگر چٹائی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

ذرا دیر بعد کنیز ان کے سامنے آگئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور جعفر کے اشارے پر اسی کے قریب بے تکلف نیچے بیٹھ گئی۔ جعفر اسے دیکھ رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت قیمتی، ریشمی لباس میں ملبوس ہوتی تو شاید اس کے حسن کے شعلے اتنے تیز ------ سفید، خیرہ کن نہ ہوتے۔ لیکن موٹے، میلے پیوند لگے لباس نے ایسے فانوس کی حیثیت اختیار کر لی تھی جس کے اندر سے اس کے جمال کی چھن چھن کر آنے والی تنویریں حرارت، مہک، سرور کی طرح ہڈیوں کے گودے تک نفوذ کرتی چلی گئیں۔

اور جعفر کو یوں لگا جیسے یحییٰ نے اس کے حسن و جمال کی تعریف میں احتیاط ------ بخل کی حد تک احتیاط سے کام لیا تھا۔ وہ جعفر کی آنکھوں سے اترتی شعور کی وادیوں میں فسوں کاریاں کرنے لگی۔

جعفر تصویر حیرت بنا سوچ رہا تھا۔ اب اس کی آواز کیسے سنی جائے؟ اس سے بھی جعفر کے دل کی آواز سن لی تھی۔ پیچھے مڑ کر اپنے مالک کو دیکھا جو ابھی تک دروازے

کے ایک پٹ سے ٹیک لگائے یوں نظر آتا تھا جیسے کسی ایرانی مصوّر نے دروازے پر تصویر کھینچی ہو۔ نوجوان نے اسے گانے کا اشارہ کیا اور وہ ساز کے بغیر گانے لگی:۔

"وصل کے جواں، رواں دواں عہد میں
مجھے اپنے محبوب کے بازوں سے جدا کر کے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟
ابھی تو بہار کے دریچے پوری طرح کھلنے بھی نہیں پائے۔
میری عمر بھر کی طویل آرزو کے غنچے کو چٹخنے دو۔
تمہیں دیکھے بغیر تمہارا بندہ کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔
تمہارے اشارۂ چشم کی تعمیل میں سرور کی لاکھوں جنتیں آباد ہیں۔
تمہاری منزل کے عوض جنت خریدنے کی تمنا کون کرتا ہے؟
تمہارے چہرے پر تو لاکھوں چاند، کروڑوں ستارے قربان ہوتے ہیں۔
تم تو میرے دل کی آرزو ہو ——— تمام آرزوؤں سے عزیز۔
بتاؤ۔ میں تمہارے جمال سے دور کیسے زندہ رہوں؟"

اگرچہ وہ غزل جعفر کو سنا رہی تھی لیکن پوری غزل کے دوران میں اس کی نظریں اپنے مالک کے چہرے پر جمی رہیں جو ابھی تک بدستور نقش بدیوار خاموش کھڑا تھا اور غزل کا آخری مصرعہ پوری طرح ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کنیز نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا اور غم والم کے بادل اس کے چہرے پر چھا گئے۔

اسے روتے دیکھ کر نوجوان بے تحاشا اندر بھاگا اور اس کے رونے کی آواز سن کر کنیز صبر نہ کر سکی۔ اور سوداگر دوں سے معذرت کئے بغیر روتی ہوئی اندر چلی گئی اندر دونوں دیر تک روتے رہے۔

ان کی بے سبب گریہ وزاری اور آہ وبکا نے جعفر اور ابراہیم کو پریشان کر دیا۔ وہ خاموش بیٹھے سوچ ہی رہے تھے کہ وہی نوجوان باہر آیا اور دروازے کے ساتھ لگ کر بولا:۔

"بزرگانِ من۔ مجھ سے جو گستاخی اور بے ادبی ہوئی۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اس کنیز سے وعدہ کر چکا ہوں تجھے کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کروں گا اور تمہاری قیمت کا ایک پیسہ بھی مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ آپ گواہ رہیں کہ میں اسے آزاد کرتا ہوں۔ اور آپ مجھے اس سے شرعی نکاح کی اجازت دیں۔"

جعفر نے اپنے حلق میں فولاد کا نکیلا ٹکڑا اٹکا محسوس کیا اس نے جواب دینا چاہا لیکن آواز نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ کنیز پر عاشق ہو چکا تھا اور پچاس ہزار کے عوض ایک لاکھ دینار تک دینے کو تیار۔ لیکن جب اس کا مالک بیچنے پر آمادہ ہی نہ ہو تو ایک لاکھ دینار کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا؟

اس نے ابراہیم کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں سر جھکائے ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ ابراہیم بولا:۔ "مجھے اس نوجوان کی حالت پر رونا آتا ہے۔"

"اور اگر میرا بس چلتا تو اسی وقت اس کا سر پھوڑ دیتا۔"

"کیوں؟"

"پہلے تم بتاؤ کہ تمہیں کس بات پر رونا آیا؟"

"تم بتاؤ ——— تمہارے دل میں اس بے قصور کی جان لینے کا خیال کیوں آیا؟"

"اس لئے کہ کنیز میری کائنات پر چھا گئی۔"

"اور مجھے اس لئے رونا آیا کہ وہ نوجوان تمہاری فیاضی سے محروم رہا۔"

جعفر خاموش ہو گیا۔ ابراہیم بولا: "بغداد میں اس نوجوان سے زیادہ حاجت مند ——— تمہاری فیاضی کا مستحق ——— اور کون ہو گا؟"

"پھر؟"

"پچھتر ہزار دینار ابھی تک میرے پاس موجود ہیں۔"

جعفر کے قدم بوجھل ہو گئے۔ ابراہیم دیکھ رہا تھا کہ برامکہ کی فیاضی کے سمندر میں طوفان انگڑائیاں لے رہا ہے۔ وہ بولا۔

"چلو ——— منظورِ نظر معشوق کو احسان مند کرنے کے سنہری موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ پچھتر ہزار دینار کی تھیلی لینے کے بعد وہ تمہیں کیسی نظروں سے دیکھے گی؟ خدا کی قسم یہ نشہ پچھتر ہزار سال تک قائم رہے گا۔"

"اگر میں دوبارہ اس کے سامنے چلا گیا تو پھر امیر المومنین بھی مجھے واپس لانے میں کامیاب نہ ہوں گے۔" جعفر کچھ سوچنے لگا اور لمحے بھر کی خاموشی کے بعد بولا: "ابراہیم ——— تم جاؤ اور یہ ساری دولت اس کے قدموں میں رکھ دو۔"

"کس کی طرف سے؟"

"ارے ظالم ——— اگر تم شیطان کی طرف سے بھی پیش کر دو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے سرور کا اصل سرچشمہ تو صرف یہ خیال ہے کہ دولت پا لینے کے بعد وہ اپنے محبوب کے بازوؤں کی گرفت میں کتنی مسرور ——— کتنی حسین دکھائی دے گی۔"

اور اس کے بالوں کی معطر ——— کالی گھٹاؤں میں اس نوجوان کا کیا حال ہو گا؟"

"فوراً واپس آؤ۔ میں انتظار کے معاملے میں بڑا بد مذاق ہوں۔"

ابراہیم کے چلے جانے کے بعد عباس بن الاحنف کا وہ شعر اچانک اس کے شعور

میں گونجنے لگا جس کے متعلق کل رات ہارون اس سے پوچھ رہا تھا۔ یہ کس کا شعر ہے؟

تمہاری روتی ہوئی آنکھ کو ملامت کرنے کا کیسے حوصلہ ہو سکتا ہے؟

تم نے کبھی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھ کو ہدف ملامت بنتے دیکھا ہے؟

اور پھر وہ بے اختیاری کے عالم میں یہی شعر گنگناتا رہا۔ ابراہیم واپس آتے ہی کنیز اور نوجوان کی خوشیوں پر مشتمل طویل داستان بیان کرنے لگا۔ لیکن جعفر نے اسے فوراً روک دیا:۔

"اور اب؟"

"اب کیا ——؟"

"کیا ارادہ ہے؟"

"براہ راست اجازت لوں گا۔"

"چند کہیں کے —— اب تمہیں کون چھوڑتا ہے۔" اور پھر اس کے فوراً بعد جعفر کا لہجہ بے حد رقت انگیز ہو گیا۔ وہ بولا:۔ "اب ہماری تلخ کامیاں —— ناکامیاں دور کرنے کا بھی تو کوئی مداوا کرنا چاہیئے۔"

ابراہیم کی نظریں جعفر کے چہرے پہ جم گیئں:۔ "تم تو واقعی زخمی نظر آتے ہو —— جعفر!"

"کشتہ کہو —— ابراہیم۔ زخمی تو ایک زخم والے کو بھی کہا جا سکتا ہے۔"

"جیو میرے قیس۔ لیکن مجھے آج تم سے اجازت لینی ہی پڑے گی۔"

"کیوں ——؟"

"مجھے امیرالمومنین نے یاد فرمایا ہے۔"

اور امیر المومنین کا نام سنتے ہی جعفر بے تابانہ چاروں طرف دیکھنے لگا کہیں وہ بھی ہارون کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا: "اچھا ـــــ تو پھر خدا حافظ!"

"ارے ـــــ اب اتنی جلدی؟"

"اب انتظار کی ہرگز تاب نہیں رہی ابراہیم۔ ایک کام کرنا ہی ٹھہرا تو پھر فوراً ہو جانا چاہیئے۔"

"طبیعت کا یہ انقلاب بے حد حیرت انگیز ہے حضور!"

لیکن جعفر نے پیچھے مڑکر دیکھنے ـــــ جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ اس طرح بھاگا چلا جا رہا تھا گویا ہارون کے خیالات کی رسائی سے پار نکل جانا چاہتا ہے۔ اور فرار کی اس منزل میں عباسہ کی غزل کے یہ شعر اس کا پورا ساتھ دے رہے تھے۔

"تم نے تو میری اس جانِ ناتواں پہ
جو اپنی زندگی کے بوجھ تلے پسی جا رہی ہے۔
اپنے عشق کا پہاڑ سا رکھ دیا۔
تم نے مجھ پر مکمل فتح حاصل کر لی کیونکہ
میں اپنی زبان سے تو کچھ ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔
لیکن ان آنکھوں کو کیا کرو گے۔ جن کے چشمے سوکھنا ہی بھول گئے۔"

پندرھواں باب

تیسرا جام

ابھی ابراہیم الموصلی راستے ہی میں تھا کہ امیر المومنین کے ایک خدمتگار سے ملاقات ہو گئی۔ وہ اصل میں اسے ڈھونڈھ رہا تھا یہ پیغام سنانے کے لئے کہ آج کا جلسہ کل پہ ملتوی ہو گیا۔

ابراہیم سوچنے لگا۔ اب جعفر کے پاس بھی جانا ٹھیک نہیں ہے۔ نہ جانے اس وقت اس کی محفل میں کیا کیفیت ہو۔ اسے بھی پہاڑ سا دن گزارنے کے لئے کوئی سہارا چاہیئے تھا۔ پھر اسے اچانک بغداد کے اس سوداگر کا خیال آگیا۔ جس کی کنیز ابراہیم کی شاگردی پہ فخر کیا کرتی تھی۔ اس نے ادھر کا رخ کیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد موسیقی کی ایک بڑی صاف ستھری ——— بالکل استادانہ محفل جمی۔ کنیز نے اپنا فن پیش کیا۔ ابراہیم نے اپنا۔ دن ڈھلے ایک بھرپور سا دور چلا۔ ابراہیم اکیلا تو تھا ہی، ذرا زیادہ پی گیا۔ اور ذرا دیر بعد دجلہ کے کنارے شام گزارنے کی دھن اس طرح سوار ہوئی کہ اسی وقت صاحب خانہ سے رخصت لے کر باہر نکل آیا۔

دیر تک دجلہ کے کنارے میلوں پھیلے ہوئے باغات میں سیر کرتا رہا۔ بھوک لگی۔

اور شام کے قریب اس طویل اور کشادہ سڑک پر آ گیا جہاں صرف تاجروں ـــ سوداگروں اور جہاندانوں کے حسین گھروں سے روشنیوں اور قہقہوں کے سوتے ابل رہے تھے۔

ایک صدر دروازے کے قریب سے گزرتے وقت ابراہیم نے کھانوں کی ایسی مہک محسوس کی جس نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ وہ آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ برآمدے سے گھر میں کھلنے والے دروازے پر دستک دی اور ایک خوبرو کنیز نے دروازے کا ایک پٹ کھول کر ابراہیم کو دیکھا۔

”معاف کیجئے بانو۔ میں پردیسی ہوں اس لئے بغداد والوں کا مہمان۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی مکان سے ایسے کھانے کی مہک آئی ہے جسے چھوڑ کر چلے جانا برداشت نہیں کر سکتا ـــ اب تمہارا کیا خیال ہے؟“

”ذرا ٹھہرئیے۔“ وہ کنیز رک رک کر بولی: ”میں اپنی خاتون کو صورتِ حال سے آگاہ کرتی ہوں۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“

گھر کی خاتون دروازے تک مہمان کے استقبال کو آئی: ”اندر تشریف لائیے۔“

اور وہ ابراہیم کی رہنمائی کرتی ہوئی اسے کمرے کی دہلیز تک لائی اور بولی: ”بد قسمتی سے صاحبِ خانہ کے آنے میں ابھی کچھ دیر ہے۔ اور اگر آپ کھانا چاہیں تو ضرور حاضر کر دوں۔“

”اور حاضر کر ہی دیجئے۔“ ابراہیم ایک کشادہ کھڑکی کے نیچے بچھے ہوئے دیوان پر بیٹھ گیا ـــ کھڑکی کے پار پورا چاند نارنج اور ترنج کی سفید کلیوں کو مس کر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے جھونکے پردے کو اپنے نازک رخساروں سے تھپک رہے تھے۔ کمرے کی ایک ایک چیز سے فراغت، آسودگی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔

ذرا دیر بعد کنیز نے بڑے ادب کے ساتھ آبنوسی چوکی پہ دستر خوان بچھایا اور سلیقے سے کھانا چننے لگی۔ مسالحوں کی خوشبو نے ابراہیم کو بے چین کر دیا۔ دن بھر پیدل مارے مارے پھرنے کی وجہ سے بھوک بہت تیز ہو گئی۔ اور اس نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ خوب سیر ہو کر کھایا اور میزبانوں کی نیاضی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد گھر کا راستہ لیا۔

لیکن وہ ابھی چند ہی قدم گیا ہو گا کہ سوداگر گھر پہنچ گیا اور دستر خوان کو دیکھتے ہی بیگم سے بولا:۔

"یہ کھانا کس نے کھایا ہے؟"

بیگم نے اجنبی مہمان کی بے تکلفی کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سوداگر کو ابراہیم کی بے تکلفی اتنی پسند آئی کہ اسی وقت ان دیکھے بھالے مہمان کی تلاش میں روانہ ہو گیا اور دجلہ کے کنارے پہ ذرا دور ابراہیم کو پکڑ کر بولا:۔

"میں ایسے مہمان کا قائل نہیں جو کھانا کھاتے ہی میزبان سے رخصت طلب کرے۔"

ابراہیم بولا:۔"پھر؟"

"تم آج رات بھر میرے مہمان رہو گے۔"

ابراہیم اس کے ساتھ ہو لیا۔ سوداگر نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی کنیز کو گانے کا اشارہ کیا۔ ابراہیم کو کنیز کی آواز بہت پسند آئی۔ آواز کے علاوہ وہ موسیقی کے علم اور فن سے بھی آگاہ تھی۔ وہ اس راگ رنگ سے بے حد محظوظ ہوا۔ معمول کے مطابق شعر اور نغمے کے ساتھ ساتھ شراب کا دور بھی چلنے لگا۔ بغداد کے سوداگر نے ایسے موقعوں کے لیے اتنی عمدہ —— پرانی شرابیں جمع کر رکھی تھیں کہ ابراہیم اس

کے ذوق کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ محفل پو پھٹے تک قائم رہی۔

جب ابراہیم نے میزبان سے رخصت طلب کی تو بغداد کے سوداگر نے اس شرط پر اس کی درخواست قبول کر لی کہ وہ جتنے روز بغداد میں مقیم ہے شام کا کھانا باقاعدگی سے اس کے ساتھ آ کر کھائے اور ابراہیم نے وعدہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکا۔ فیاض میزبان کے ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔

اگلے روز —— شام کے قریب جب ابراہیم ہارون کی محفل میں بیٹھا تھا گذشتہ رات کی شراب کے فروزاں جاموں کی یاد اور کھانے کی لذت اچانک یاد آ گئی۔ ہارون اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر بولا:۔

"کوئی بڑا مزیدار خواب یاد آ رہا ہے ابراہیم —— ؟"

"خواب نہیں بلکہ حقیقت —— امیر المومنین۔"

"ہم بھی تمہاری خوشیوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔"

اور ابراہیم نے خلیفہ کو اپنی مسکراہٹوں میں دلچسپی لیتے دیکھ کر گذشتہ رات والا واقعہ من و عن بیان کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ خوشبودار کھانوں، پرانی شراب کے فروزاں جاموں اور کنیزوں کے سوز و ساز کی تعریف کرتے وقت زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ ہارون بچپن ہی سے ان محفلوں کا دلدادہ تھا جہاں اسے جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہو۔ وہ اپنے احباب کے اردگرد شاہی جلسوں کی مشینی یکسانی سے اکتا گیا تھا۔ ابراہیم سے بولا:۔

"کوئی ایسی صورت نکالو ابراہیم —— کہ آج ہم بھی تمہارے ساتھ اس سوداگر کی محفل میں شریک ہو سکیں۔"

ابراہیم بولا۔ "بہت آسان بات ہے امیر المومنین۔ اگر آپ جانا پسند کرتے ہیں تو فوراً تیار ہو جائیں۔ وہ شخص میرا انتظار کرتا ہوگا۔"

امیر المومنین اسی وقت عرب سوداگر کا لباس پہن کر تیار ہو گیا اور اپنے معتمد غلام مسرور اور ابراہیم کے ساتھ بغدادی سوداگر کے گھر کو روانہ ہو گیا۔ قریب پہنچ کر ابراہیم نے ہارون کو مشورہ دیا:۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں میزبان سے کم از کم اس بات کی تو اجازت لے لوں کہ میرے دو اور دوست بھی میرے ساتھ ہیں اور رات بھر کے لئے آپ کی محفل میں شرکت کے خواہش مند۔"

سوداگر نے بخوشی اجازت دے دی۔ ہارون، مسرور اور ابراہیم دستر خوان پر جا بیٹھے ہارون اس گھر کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دستر خوان پر تین مہمانوں کی شرکت سے آگاہ ہونے پر سوداگر کی بیگم نے پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ باورچی خانے سے انواع و اقسام کے کھانوں کی مہک ابراہیم ہی نہیں بلکہ امیر المومنین کی بھوک بھی تیز کرنے لگی۔

دستر خوان پر جو کچھ چنا گیا ہارون کو بے حد پسند آیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد معمول کے مطابق کنیز نے راگ رنگ کی محفل جمائی اور پھر اپنے وقت پر جام گردش میں آنے لگے۔ بغدادی سوداگر کے کھانوں کی طرح شراب بھی انتہائی لذیذ تھی۔ خصوصیت کے ساتھ ماحول کی بے تکلفی اور آزادی ہارون کو راس آئی۔ ایک جام پینے کے بعد امیر المومنین نے ابراہیم سے کہا:۔

میزبان سے کہو "میرا دوست سوداگر نہیں بلکہ امیر المومنین کا مصاحب ہے۔"

ابراہیم کے منہ سے یہ سُن کر سوداگر بہت خوش ہوا اور کنیزوں کو اشارہ کیا :۔

"امیر المومنین کے مصاحب کی خوشی میں ایک اور جام"

دوسرے جام کے بعد ہارون جھکنے لگا اور ابراہیم سے بولا :"میزبان سے کہو ———— میرا دوست امیر المومنین کے ہم پیالہ ———— ہم نوالہ ندیموں میں امتیازی مقام رکھتا ہے۔"

"مرحبا" سوداگر نے ادب سے جھک کر ہارون سے مصافحہ کیا اور خوشی سے جھوم کر بولا :" ایک اور جام ———— امیر المومنین کے ہم پیالہ ، ہم نوالہ ———— ندیم خاص کی درازئ عمر کا جام"

تیسرا جام پینے کے بعد ہارون صبر نہ کر سکا۔ ابراہیم سے بولا :"میزبان سے کہو۔ میرا دوست امیر المومنین کا ندیم خاص نہیں بلکہ بذات خود امیر المومنین ہارون الرشید ہیں"

سوداگر نے بے پناہ قہقہہ لگایا اور کنیزوں سے اشارہ کیا "صراحیاں اور جام ایک طرف ہٹا دیے جائیں۔"

جب سوداگر کی بیگم کو معلوم ہوا کہ جرعہ نوشی روک دی گئی ہے تو پردے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور خاوند سے پوچھا :۔

"پردیسی مہمانوں نے ایسا کون سا قصور کیا ہے جس کی پاداش میں جام ساکن ہو گئے ہیں؟"

"اری سن تو" سوداگر ابھی تک قہقہے لگا رہا تھا "جس شخص کے ظرف کا یہ عالم ہو کہ تیسرے جام ہی کے بعد ایک عام ———— گمنام سوداگر سے امیر المومنین ہارون الرشید بن بیٹھا ہو اگر اسے چوتھا جام مل گیا تو تمہاری قسم وہ پیغمبری کا دعوٰی کرے گا۔ اور اس

وقت سخت مشکل پیش آئے گی۔"

"کیسی مشکل؟"

"میزبان کی حیثیت سے ہم اسے امیرالمومنین تو تسلیم کر چکے ہیں" سوداگر بولا۔

"لیکن اس کی پیغمبری کے دعوے کو کیا کرو گی؟"

اور یہ سن کر میزبان خاتون بھی اپنے خاوند کے قہقہوں میں شریک ہو گئی اور دیر تک محفل میں گونجتے رہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہارون اس لطیفے سے بے حد محظوظ ہوا۔ ابراہیم اور مسرور بھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ میزبان خاندان کی کنیزوں اور خدمتگاروں کا بُرا حال تھا۔ ہنستے ہنستے آنسو نکل آئے تھے اور کسی میں بھی ہنسی جاری رکھنے کی ہمّت باقی نہیں رہی تھی۔

مہمان اور میزبان کافی دیر تک لطیفے پر سر دھنتے رہے اور ہارون اس سچی خوشی کی روشن یادیں دل میں سمیٹے باہر نکلا۔ صبح سویرے چند بے تکلّف پڑوسیوں نے بغداد کے آسودہ حال، خوش باش سوداگر کا دروازہ کھٹکھٹایا:۔"یہ رات کیسا ہنگامہ تھا؟" لطیفے کی بعض لطیف یادیں ابھی تک سوداگر کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھیں۔ وہ بولا:۔"کل رات مجھے ایسے دیہاتی سوداگروں کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا جن میں سے ایک مہمان تیسرے جام پر اس قدر بہکا کہ اپنے آپ کو امیرالمومنین ہارون سمجھنے لگا:۔

خوش قسمتی سے اس کے پڑوسیوں میں ایک ایسا شخص بھی شامل تھا جو الف لیلے کے مرکزی کردار ـــــ امیرالمومنین ہارون الرشید کی شخصیت کے ان افسانوی ـــــ نہیں فطری رخوں کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ بولا:۔

"تم اپنے مہمانوں کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟"

سوداگر ذہن پر زور دے کر تینوں کا حلیہ بیان کرنے لگا چونکہ اسے ابراہیم کو دیکھنے کا دوبارہ موقعہ ملا تھا اس لئے ہارون اور مسرور کے مقابلے میں اس کی بڑی روشن تصویر پیش کی اور اس کا پڑوسی بڑے اعتماد سے بولا:۔

"اور تم نے چوتھا جام روک کر سخت غلطی کی!"

"کیسے؟"

"وہ چوتھے جام کے بعد پیغمبری کا دعوےٰ کبھی نہ کرتا۔ بلکہ شاید اپنی فطرت کے ان گوشوں سے پردہ سرکانے کی کوشش کرتا جو آج تک کسی کے سامنے نہیں آئے۔"

"کیا مطلب؟" سوداگر بوکھلا گیا۔

"یہ کہ تمہارے مہمان واقعی امیرالمومنین ہارون الرشید، ان کا معتمد غلام مسرور اور اپنے عہد کا سب سے بڑا موسیقار ابراہیم ہی تو تھے۔"

آن کی آن میں گذشتہ رات کی خوشیوں کے سارے روشن اور نیم روشن سلسلے بغدادی سوداگر کے چہرے سے اچانک معدوم ہو گئے اور اس نے اپنے پڑوسی سے ابراہیم کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔

دستک کی آواز سن کر ابراہیم کے غلام نے دروازہ کھولا اور بدحواس بغدادی سوداگر نے اسی وقت ابراہیم سے ملنے کی درخواست کی۔ ابراہیم کا غلام جانتا تھا کہ اس کا آقا پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد چین کی نیند سو رہا ہے۔ بولا:۔

"امیرالمومنین کے سوا انہیں اس وقت اور کسی شخص کی فرمائش پر جگانا ناممکن ہے۔"

سوداگر بولا۔" اگر تم میرا یہ معمولی سا کام کر دو تو پانچ ہزار دینار انعام دوں گا۔"

"ناممکن!"

"دس ہزار۔"

"میں نے عرض کیا ——— یہ ناممکن سی بات ہے۔"

"بیس ہزار۔"

اور اس تو تکار میں ابراہیم کی آنکھ کھل گئی۔ اپنے مخلص اور فیاض میزبان کو دیکھ کر بستر سے اٹھا اور بولا:۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

سوداگر اس کے پاؤں میں گر گیا۔ "کل رات کی حماقت کا احساس جلائے جا رہا ہے۔ خدا کے لئے اسی وقت امیر المومنین کے پاس جاؤ اور مجھے جان بخشی کا پروانہ دلاؤ۔"

سوداگر کی بدحواسی دیکھ کر ابراہیم نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "گھبرانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ امیر المومنین رات والے لطیفے سے اتنے محظوظ ہوئے کہ باب الخلد تک اسے یاد کر کر کے ہنستے مسکراتے رہے۔ ایک بات تھی، آئی، گئی، اب سے تم بھی بھلانے کی کوشش کرو۔"

لیکن سوداگر اتنی شدید حماقت کو کیسے بھلا دیتا؟ وہ بولا: "جب تک اس بات کا یقین نہ آجائے کہ امیر المومنین میری غلطی معاف کر چکے ہیں اسوقت تک میں زندگی اور موت کے درمیان معلق رہوں گا۔"

"تو پھر ذرا انتظار کرو۔ تم جانتے ہو امیر المومنین کی مشکل سے آنکھ لگی ہوگی۔ میں دن ڈھلے ان کے سلام پہ جا رہا ہوں۔ تمہاری طرف سے پرزور معذرت کروں گا۔"

"اور شام تک تو میں پچاس مرتبہ خودکشی کر چکا ہوں گا۔"

خوف زدہ سوداگر سچ کہتا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور چہرے پر موت کی سفیدی

چھا رہی تھی۔ ابراہیم بولا:" تو پھر کچھ دیر غریب خانے میں انتظار کیجئے۔ اگر اجازت ہو تو صبوحی پیش کروں؟"

" میں اس وقت اپنے خون کے گھونٹ پی رہا ہوں"

ابراہیم کو سوداگر پہ رحم آگیا۔ اس کی حالت واقعی ایسی تھی کہ کسی وقت بھی اس کا دل ڈوب سکتا تھا۔ ابراہیم نے منہ ہاتھ دھو کر لباس بدلا اور سوداگر کو ساتھ لے کر باب الخلد کی طرف روانہ ہو گیا۔

سوداگر کی خوش قسمتی سے امیر المومنین دیوانِ خاص میں موجود تھے۔ ابراہیم کے آنے کی اطلاع پاکر اسے فوراً اندر بلالیا اور صبح سویرے باریاب ہونے کی وجہ پوچھی۔ جب ابراہیم سب کچھ بیان کر چکا تو امیر المومنین نے سوداگر کو بھی اندر بلالیا اور بولا۔

" صرف ایک شرط پہ تمہارا قصور معاف کیا جا سکتا ہے"

امیر المومنین کے منہ سے قصور کا لفظ سن کر سوداگر اتنا ڈرا کہ شرط بھی دریافت نہ کر سکا۔ اس کی طرف سے ابراہیم نے وکالت کی۔

" کس شرط پہ ـــــ امیر المومنین؟"

" سوداگر ہمیں آج رات پھر اپنی محفل میں شرکت کی دعوت دے اور وعدہ کرے کہ جو کچھ کل رات ہو چکا ہے آج بالکل اسی انداز میں دہرایا جائے گا!"

یہ شرط سن کر سوداگر کی جان میں جان آئی اور ہاتھ جوڑ کر بولا:۔

" جہاں تک دعوت ـــــ میرا مطلب ہے ـــــ محفل میں شرکت کی دعوت دینے کا تعلق ہے اگر آپ متواتر ستائیں بھی قدم رنجہ فرماتے رہیں تو یہ خانہ زاد کے لئے سعادت کا باعث ہو گا لیکن یہ کہ ـــــ!"

"ہاں، ہاں ——!" ہارون نے مسکرا کر لقمہ دیا "یہ کہ ——؟"

"تین کی بجائے چار جام بھی پیش کئے جائیں گے ——!"

"اور ——؟" ہارون کی مسکراتی ہوئی نظریں سوداگر کے اندیشوں کو تھپک رہی تھیں۔

میں شاید اپنی بیگم کو بلا کر یہ کہنے میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا: "اری سنو تو جس شخص کے ظرف کا یہ عالم ہو کہ تیسرے جام ہی کے بعد ایک عام —— گمنام سوداگر سے امیر المومنین ہارون الرشید بن بیٹھا ہو اگر اسے چوتھا جام مل گیا تو تمہاری قسم وہ پیغمبری کا دعوےٰ کرے گا اور اس وقت سخت مشکل پیش آئے گی؟"

"لگے ہاتھوں وہ مشکل بیان کرتے چلے جاؤ۔"

سوداگر نے نظریں بچا کر ہارون کے چہرے کا جائزہ لیا۔ امیر المومنین بہت ہی خوش نظر آرہے تھے —— بالکل گذشتہ رات کی طرح۔ وہ بولا:۔

"اگر آپ کا دعوےٰ تسلیم کر لیا جائے تو دین جاتا ہے اور انکار کرنے پہ دُنیا۔"

"لیکن میں نے وہ دعوےٰ کیا ہی کب تھا؟"

"معاف کیجئے امیر المومنین میں نے چوتھا جام روک کر آپ کو دعوےٰ کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔"

سوداگر کی حاضر جوابی رنگ لائی۔ ہارون بے اختیار ہنسا اور بولا: "چلو —— ہم نے دعوت کا جرمانہ معاف کر دیا لیکن سزا ضرور ملے گی۔ آج کے بعد تم مصاحبوں کی طرح میری محفلوں میں شامل ہوا کرو گے۔"

اور اس طرح ہارون کی عیش و نشاط اور ہنسی مذاق کی محفلوں میں ایک اور مصاحب

کا اضافہ ہو گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہارون کی ساری راتیں اسی قسم کی محفلوں میں بسر ہوتی تھیں۔ ہرگز نہیں۔

بعض اوقات سحرطراز نغموں، روح نواز قہقہوں کے عقب سے بغاوت کے شعلے اچانک بھڑک اٹھتے اور براہِ راست ہارون کے دامن —— گریبان تک پہنچ جاتے۔ صرف یہی وہ لمحات تھے جن کے دوران میں وہ محسوس کرتا کہ اگرچہ پوری مشرقی دنیا اس کے قہقہوں میں شامل ہے لیکن اس کی آہوں اور آنسوؤں میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا تھا۔

سولھواں باب

عروج کے بعد

اگرچہ کربلا میں اولادِ علیؓ کے مقابلے پر بنی اُمیہ نے مکمل فتح حاصل کر لی تھی لیکن نینوا کے صدیوں سے پیاسے ذروں میں بنو ہاشم کا جذب ہو جانے والا خون براہِ راست دمشق کے قصرِ خلافت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور مروان الحمار ایسے نااہل اموی خلیفہ کے عہد میں حجاز کے معززین نے حضرت عبد اللہ ——— محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے پوتے کو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اکسایا۔

لیکن یہاں ایک بار پھر اموی سازش کامیاب ہوئی۔ حضرت عبد اللہ زہر کا شکار ہو گئے اور چونکہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے محمد بن علی بن عبد اللہ بن حضرت عباسؓ (پیغمبرِ اسلامؐ کے عمِ بزرگوار) جانشین ہوئے۔ اس سجادہ نشینی کی بدولت اولادِ علی کی قوت بھی بنی عباس میں منتقل ہو گئی اور اب عباسیوں کے نام سے خلافت کا ایک تیسرا دعویدار گروہ بڑے زور شور کے ساتھ سیاست کے میدان میں صف آرا ہو گیا۔

محمد بن علی بن عبد اللہ بن حضرت عباسؓ کے بعد ان کا بیٹا ابراہیم امام کے

لقب سے جانشین ہوا۔ یہ شخص اس اعتبار سے خوش نصیب نکلا کہ اسے ابومسلم خراسانی ایسے قابل، پرجوش اور جانباز سپاہی کی بے لوث خدمات حاصل ہوگئیں۔ بنی عباس کی تاریخ میں یہ شخص نقیب آلِ محمدؐ اور بانیٔ دولتِ عباسیہ کے نام سے مشہور ہے۔

عبدالملک اور ہشام ایسے مقتدر اموی خلفاء کے زمانے ہی میں یہ روایت مشہور ہوگئی تھی کہ بنی حارث کی ایک عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا عباسی نوجوان عباسی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تاریخ اسلام میں یہ حارثی خاتون ریطہ کے نام سے یکے بعد دیگرے تین عباسی شہزادوں کی ماں بنی۔ اس کے سب سے چھوٹے بیٹے کا نام عبداللہ ہے جو السفاح کے نام سے بنی عباس کا پہلا خلیفہ بنا۔

عبداللہ السفاح کے باپ محمد بن علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ کا جاہ و جلال کا ایک واقعہ تاریخ اسلام میں محفوظ ہے۔ ایک مرتبہ یہ نوجوان ہشام بن عبدالملک اموی کے دربار میں آیا۔ یحییٰ برمکی کا دادا جعفر برمکی اموی دربار میں موجود تھا۔ اس نے محمد بن علی کی آن بان دیکھتے ہی کسی سے سوال پوچھا:۔

"یہ کون ہے؟"

"محمد بن علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ"

یہ جواب سنتے ہی جعفر نے اپنے بیٹے خالد ـــــ یحییٰ برمکی کے باپ کو تاکید کی:۔

"بیٹا ـــــ یہ اہلبیت رسالت ہیں اور ہر طرح خلافت کے مستحق ہیں جہاں تک ہو سکے ان کی مدد کرو کیونکہ اس سے بڑی نیکی اور سعادت اور کوئی نہیں"

بنی عباس کی شان و شوکت کا ایک اور واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

بنی مخزوم کی ایک انتہائی حسین وجمیل اور مالدار عورت ام سلامہ جس کے یکے بعد دیگرے دو اموی خاوند مر چکے تھے۔ نہایت پرسکون اور خاموش زندگی گزار رہی تھی کہ ایک روز ـــــ جب وہ اپنے جھروکے میں بیٹھی بازار کی گہما گہمی کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کی نظر اچانک ایک ایسے نوجوان پر جا پڑی۔ جس کے حسن وشباب کی برکت سے دمشق کے فرسودہ بازار میں نئی بہار سی چھا گئی تھی۔

ام سلامہ نے اپنی کنیز کو بلا کر نوجوان کی طرف اشارہ کیا:۔

"کون ہے؟"

"اجازت ہو تو ابھی پوری تفصیلات معلوم کروں؟"

"اجازت ہے۔"

اور ذرا دیر بعد کنیز نے واپس آتے ہی کہا:۔ "آپکی نظروں میں سما جانے والے خوش قسمت نوجوان کا نام ابو العباس عبداللہ ہے۔ اور ان کا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب۔"

نہ جانے اموی قصر میں زندگی بسر کرنے والی ام سلامہ کو شاید وہ روایت یاد آگئی جس میں حارثی خاتون کے بطن سے پیدا ہونے والے عباسی نوجوان کی خلافت کی پیشگوئی کی گئی تھی یا یہ محض اس نوجوان کے حسن وشباب کا کرشمہ تھا کہ ام سلامہ نے فوراً اپنی کنیز کو عبداللہ کے پیچھے بھگایا:۔

"اُسے کہو ـــــ میری خاتون آپ سے شادی کی خواہش مند ہیں۔"

ابو العباس عبداللہ ایک اجنبی کنیز کے منہ سے یہ بات سُن کر کچھ دیر کے لئے یقیناً گھبرا گیا ہوگا اور ذرا دیر بعد اپنے حواس بحال کرتے ہوئے بولا:۔

"شادی سے انکار کی جرأت کس نوجوان میں ہے لیکن کیا کروں میرے حالات اس وقت شادی کی اجازت نہیں دیتے۔"

ام سلامہ نے ابوالعباس کے اس انکار کی پہلے ہی سے پیش بینی کر لی تھی۔ کنیز نے فوراً ایک تھیلی پیش کی :۔

"میری خاتون سے زیادہ مالدار شخص پورے عالم اسلام میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گا۔ تمہیں اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے کہ پہلی نظر ہی میں اس کے دل میں سما گئے ہو۔ فوری اخراجات کے لئے یہ تھیلی کافی ہے۔ اور شادی کے بعد تو تم امیر کبیر بن جاؤ گے۔"

ابوالعباس اس مالدار عورت کی آزاد خیالی سے اتنا متاثر ہوا کہ کنیز سے کہا۔

"میں سب سے پہلے تمہاری خاتون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بسم اللہ۔"

اس دوران میں ام سلامہ سرخی غازے اور سرمے کی سان پر چڑھا کر اپنے ایک ایک نسائی حربے کو صیقل کر چکی تھی۔ جب ابوالعباس نے کمرے میں قدم رکھا تو ام سلامہ کے زرتار لباس اور جڑاؤ زیورات کی چمک دمک سے اس کی نظریں خیرہ ہو گئیں۔

ام سلامہ اسے دیکھتے ہی دیوان سے اٹھی اور ایک ہاتھ بڑھا کر اپنے اجنبی محبوب کو خوش آمدید کہا۔ وہ تو عباسی نوجوان کو پہلے ہی سے دل دے بیٹھی تھی۔ اب ابوالعباس کی باری تھی۔ اس نے بھی بڑے خلوص کے ساتھ ام سلامہ کی بارگاہ نسائیت میں جبین نیاز جھکائی اور ایک دو عام باتوں کے بعد شادی پر رضامند ہو گیا۔ اب ام سلامہ نے یہ شرط پیش کی کہ میری زندگی میں دوسری کوئی عورت ہم دونوں کے درمیان نہیں آئے

گی۔ ابو العباس نے قسم کھا کر وعدہ کیا اور اسی رات ان کی شادی ہو گئی۔

آنے والے انتہائی خطرناک زمانے میں ——— جب ابو العباس بنی امیہ کے خلاف بنی عباس کا پرچم شبرنگ بلند کرنے کے منصوبوں میں رنگ بھر رہا تھا۔ ام سلامہ کے پرخلوص مشورے اور بے شمار دولت نے بنی عباس کی خلافت کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کیا۔ یہ عورت ابو العباس پہ اس حد تک چھا گئی تھی کہ وہ اس کے مشورے اور منظوری کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ام سلامہ سے ابو العباس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ بیٹا بچپنے ہی میں مر گیا تھا اور بیٹی ریطہ اپنے چچا کے بیٹے مہدی کی بیوی بنی۔ لیکن اپنی ماں کے برعکس ریطہ کو عباسی تاریخ میں ابھرنے کا ہرگز کوئی موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ ایک اور عورت خیزران کے نام سے مہدی پر پوری طرح چھا جانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اگرچہ ام سلامہ کی دولت کا کوئی شمار نہ تھا لیکن شادی کے بعد ایک ایک پائی پرچم شبرنگ کو مضبوطی سے گاڑنے کی نذر ہو گئی اور جب ابو العباس کامیاب ہو گیا تو بنی امیہ کے مفتوح گھرانے سے جس قدر زر و جواہرات دربارِ خلافت میں پیش ہوئے وہ بجنسہٖ ام سلامہ کو بخش دئے گئے۔

ابو العباس کا سگا چچا عبداللہ شام کا گورنر تھا۔ اس نے بنی اُمیہ کی خاتون سے ایک ایک درہم بڑی ہوشیاری سے نچوڑا اور ام سلامہ دمشق سے آنے والے مالِ غنیمت کی ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خود اس کی اپنی زندگی کا کچھ حصہ اموی شاہی خاندان میں بسر ہوا تھا۔ اموی خواتین کے پاس کیسی کیسی نادر و نایاب چیزیں تھیں؛ وہ جانتی تھی خصوصیت کے ساتھ وہ خلیفہ عبدالملک کی بیگم عاتکہ کی اشیاء

میں سے ایک ایسی صدری ـــــ واسکٹ ـــــ کا انتظار کر رہی تھی جسے وہ اپنی بھانجی ـــــ عبدہ ـــــ ہشام کی بیوی کو بطور تحفہ دے چکی تھی اس صدری کے آگے اور پیچھے نایاب ہیروں کی دو قطاریں ٹکی ہوئی تھیں۔ ام سلامہ نے یہ نایاب ـــــ قیمتی چیز عبدہ کے پاس دیکھی تھی اور اسے بے حد پسند کیا تھا۔

لیکن جب دمشق سے آنے والے مالِ غنیمت میں یہ صدری نظر نہ آئی تو ام سلامہ نے ابو العباس سے کہا:۔

"اس کے متعلق اپنے چچا کو لکھو۔"

شام کا عباسی گورنر بھی بڑا کایاں تھا۔ اس نے اس قسم کی ایک اور صدری جس میں کم قیمت ہیرے جڑے تھے ـــــ روانہ کر دی تھی لیکن ام سلامہ دھوکا کھا جانے والی عورتوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے ابو العباس پر زور دیا:۔

"اپنے چچا سے کہو مجھے عبد الملک کی بیوی عاتکہ کی وہ مخصوص صدری چاہیئے جس کے آگے پیچھے نایاب ہیروں کی دو قطاریں موجود ہیں!"

لیکن ابو العباس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ ابھی اس کا چچا یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عاتکہ کی صدری ام سلامہ کے حوالے کر دی جائے یا نہیں کہ ابو العباس چل بسا اور اس کا دوسرا بھائی ابو جعفر عبد اللہ المنصور کے لقب سے تختِ خلافت پر بیٹھا۔ منصور کا بخل شروع ہی سے ضرب المثل تھا اسے دولت سے اتنا پیار تھا کہ پیسے کا باپ مشہور ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ شام کا گورنر قصرِ امیہ کی لوٹ مار سے خزانے بھر چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے چچا کے پیچھے پڑ گیا۔ اسے معزول کر کے اپنے پاس بلا لیا اور اس کی ساری دولت ضبط کر لی۔ اس میں عاتکہ کی صدری بھی شامل تھی جو منصور کی پیاری پوتی ـــــ زبیدہ کے حصے میں آئی۔

ابوالعباس عبداللہ نے ام سلامہ کی دولت خرچ کر کے خراسان میں بنو امیہ کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ کرتے وقت یہ نعرہ بلند کیا تھا :" امامت اور خلافت آلِ محمدؐ کا حق ہے اور یہ حق انہیں ملنا چاہیئے ۔"

اس نعرے نے آلِ علیؑ کو یقین دلا دیا تھا کہ جب یہ دعوت کامیاب ہوگئی کہ خلافت کی گدی پر وہی متمکن ہوں گے ۔ لیکن ان کی توقعات کے بالکل خلاف عباسیوں نے سلطنت و خلافت پر خود قبضہ جما لیا ۔ علوی بھی خاموش بیٹھے رہنے والے نہ تھے ۔ انہوں نے کئی بار عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے ۔

آلِ عباس کو اس بات کا علم تھا کہ خلافت کے معاملے میں اولادِ علیؑ ان کی بدترین دشمن ہے اور جب تک اس خاندان کے بچے بچے کو نیست و نابود نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو بنی عباس کی خلافت کامیاب ہو سکتی ہے اور سلطنت میں امن قائم کیا جا سکتا ہے ۔

ابوالعباس عبداللہ السفاح اور منصور کے زمانے میں علویوں کو چن چن کر مارا گیا ۔ لیکن ہادی کے زمانے میں حسین بن علی بن حسن المثلث نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ۔ حسین نے سب سے پہلے مدینہ پر قبضہ کر کے اپنی امامت کا اعلان کیا اور اس کے بعد اپنی جماعت کو لے کر حج کے لئے نکلا ۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو امیرالحج مقرر کر کے حسین کے مقابلے کا حکم دیا ۔ حجاز میں فخ کے مقام پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں ۔ گھمسان کا رن پڑا جس میں حسین اور اس کے سارے حمایتی

میدان جنگ میں کام آئے اور صرف دو علوی بھائی ـــــ ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

کچھ عرصے بعد ادریس مصر سے ہوتا ہوا شمالی افریقہ میں پہنچ گیا اور ولیل کے مقام پر خلافت کا اعلان کیا۔ بربر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ شمالی افریقہ ایسے اہم بحری ناکے کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر ہارون بہت تلملایا۔ یہ علاقہ بڑی فوجی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ یہاں سے تھوڑی دور بنی عباس کا ایک اور جانی دشمن ـــــ عبدالملک اموی کا پوتا عبدالرحمٰن الداخل ہسپانیہ میں شاندار اموی سلطنت کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔

ہارون نے یحییٰ کی ماتحتی میں پچاس ہزار چیدہ سوار ادریس کے مقابلے پر بھیجے لیکن بغداد سے کاسے کوسوں دور ـــــ شمالی افریقہ میں جنگ جیتنے کے امکانات بے حد دھندلے تھے۔ چنانچہ ہارون نے سلیمان بن جریر المعروف بہ شماخ ایسے چالاک اور حیلہ ساز شخص سے کہا:۔

"تم کسی طرح ادریس کو میرے راستے سے ہٹا دو"

شماخ نے ہارون سے وعدہ کیا "میں امیر المومنین کی فرمائش پوری کرتے وقت اپنی جان تک لڑا دوں گا۔"

شماخ ادریس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے دربار میں جاتے ہی ہارون الرشید کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کا رونا رونے لگا۔ ادریس نے اسے تسلّی دی "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے مصاحبوں میں شامل ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔"

رفتہ رفتہ شماخ نے ادریس کی ذاتی محفلوں میں آنا جانا شروع کر دیا اور ایک روز موقعہ پاکر اس کے منجن میں زہر ملا دیا۔ منجن استعمال کرتے ہی ادریس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن خوش قسمتی سے اس کی ایک کنیز کے ہاں انہی دنوں ایک بچہ پیدا ہوا اور بربروں نے اسے اپنا امام بنا لیا۔ مراکش کا موجودہ فرمانروا اسی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ادریس کے دوسرے بھائی یحییٰ نے دیلم کا رخ کیا اور کچھ عرصہ بعد فوجی طاقت حاصل کر کے خود ہارون کے مقابلے پر میدان میں نکل آیا۔ ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج کے علاوہ جرجان، طبرستان اور رے کے صوبے بھی اس کے ماتحت کر دیئے تاکہ وہ یحییٰ کے خلاف کامیاب جنگ جاری رکھ سکے۔

فضل نے سوچا:۔ اگر نرمی سے کام نکل سکے تو جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں پہنچتے ہی یحییٰ سے صلح صفائی کی بات چیت شروع کر دی اور بڑے موثر انداز میں اسے ہارون کے راستے سے ہٹ جانے کا مشورہ دیا۔ فضل ـــــ سیاست اور جنگی تدابیر میں کسی طرح اپنے نامور باپ سے کم نہیں تھا۔ اس نے یحییٰ کو جنگ اور امن کے تمام نشیب و فراز سمجھائے:۔ تم ہارون ایسے سلطان کے خلاف جنگ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے جان ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر تم ہارون کی اطاعت پر آمادہ ہو جاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی فضل نے دیلم کے حاکم کو دس لاکھ درہم بھیجے اور اسے حکم دیا کہ اس دولت کو استعمال کر کے یحییٰ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔

یحییٰ ـــــ فضل کے مشورہ اور مہربانی سے بہت خوش ہوا اور جواب میں لکھا کہ

اگر امیر المومنین اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر بھیجے تو میں ہتھیار ڈال کر میدان جنگ سے منہ پھیر لوں گا۔

فضل نے یحییٰ کا یہ خط ہارون کی خدمت میں بھیج کر اپنے ذاتی خط میں امیر المومنین کو مشورہ دیا کہ اگر دشمن زہر کی بجائے گڑ سے رام ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ہارون بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھا اور اس پر بغداد کے تمام فقہاء، قضاۃ اور بنی ہاشم کے دوسرے سرکردہ لوگوں اور مشائخ کے دستخطوں سے بیش قیمت تحائف کے ساتھ فضل کے پاس بھیج دیا۔ فضل نے تحائف کے ساتھ امان نامہ یحییٰ کو بھجوا دیا۔ چنانچہ یحییٰ نے اطاعت قبول کر لی اور فوراً فضل کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

فضل ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یحییٰ کے ساتھ بغداد پہنچا۔ ہارون نے فراخدلی کے ساتھ یحییٰ کا استقبال کیا اور اسے فضل کے باپ یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس رکھا کیونکہ یحییٰ بھی اس کے ضامنوں میں شامل تھا۔ اس نے وزیر کو تاکید کی :۔

علوی مہمان کی خاطر و مدارت میں کوئی کسر روا نہ رکھی جائے۔ اور ساتھ ہی اس کا معقول وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد بعض چغل خوروں نے ہارون کے کان بھرنے شروع کئے :۔

"یحییٰ ابھی تک اپنے آپ کو عالم اسلام کا خلیفہ سمجھتا ہے اور بغداد میں بیٹھ کر قصرِ خلافت کی بنیادیں کھود رہا ہے۔"

ہارون کانوں کا بہت کچا تھا۔ اگر وہ کانوں کا کچا نہ بھی ہوتا تو سلطنت اور حکومت ایسی چیز نہ تھی جس کے استحکام و حفاظت میں غفلت برتی جاتی۔ چنانچہ ہارون نے یحییٰ

کو اپنے جگری دوست اور بہنوئی جعفر کی نگرانی میں دے دیا۔

لیکن چغل خور اور حاسد برابر اپنا کام کرتے رہے اور آخر کار ہارون یحییٰ سے بدظن ہو گیا۔ اس کا وظیفہ بند کر دیا۔ آنے جانے کی آزادی سلب کر لی اور ایک طرح سے قید کر لیا اور ساتھ ہی علما اور فقہا سے مشورے کرنے لگا:۔

"کوئی ایسی صورت نکالو کہ میں نے یحییٰ کو جو امان نامہ لکھ دیا ہے۔ وہ شرعاً کالعدم ہو جائے۔"

جب علماء و فقہا سر جوڑ کر امیر المومنین کی سیاسی خواہش کی تعمیل کے لئے کوئی موزوں راستہ تلاش کر رہے تھے یحییٰ کو بھی معلوم ہو گیا کہ ہارون اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ امام کاظمؑ کا سارا واقعہ اس کے سامنے تھا۔ وہ ایک روز گھبرایا ہوا جعفر کے پاس آیا اور بولا:۔

"جعفر —— تم کون ہو؟ میں جانتا ہوں۔ تمہارے خاندان کے علم و فضل جود و سخا اور سیاست و تدبر کا زمانہ معترف ہے۔ لیکن میرے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

جعفر بولا:۔ "آپ بھی نجی، عالم اور فاضل انسان ہیں اور میں آپ کے زہد و تقدس کا قائل ہوں۔"

"اسے جانے دیجئے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے کون کون سے عیب سے واقف ہیں؟"

جعفر حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ اسے خاموش دیکھ کر یحییٰ بولا: "کچھ بھی ہو جعفر میں اپنے تمام عیوب کی معذرت کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ فرزند علیؑ ہوں۔ ہارون نے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر مجھے دھوکا دیا۔ اس پہ عالم اسلام کے سارے فقہا اور مشائخ کے دستخط ثبت تھے۔ لیکن اب وہ اس معاہدے کو توڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے

میں تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر جان کی امان طلب کرتا ہوں!"

جعفر جانتا تھا کہ یحییٰ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل سچ ہے۔ جعفر کو اس پر رحم آگیا اور بولا۔

"آپ میری طرف سے بالکل آزاد ہیں۔ جہاں جانا چاہیں فوراً چلے جائیں!"

یحییٰ بولا: "میں ہارون کے بغداد سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا!"

جعفر نے اسی وقت اپنا غلام حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا۔ لیکن بد قسمتی سے یہی غلام فضل بن ربیع کی طرف سے جعفر پر جاسوس مقرر کیا گیا تھا۔ وہ یحییٰ کو بغداد سے باہر نکالتے ہی سیدھا فضل بن ربیع کے پاس پہنچا اور اسے بتایا:۔

"جعفر نے یحییٰ کو بغداد سے بھگا دیا!"

فضل اسی وقت ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ من و عن بیان کر دیا۔ ہارون کو سخت دکھ پہنچا۔ وہ یحییٰ کو اپنی سلطنت کا بدترین دشمن تصور کرتا تھا۔ اس نے جعفر کو طلب کیا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا:۔

"میرے قیدی کا کیا حال ہے؟"

"امیر المومنین ——— وہ بدستور قید میں ہے!"

"تمہیں میری جان کی قسم جعفر۔ سچ سچ بتاؤ۔ یحییٰ کہاں ہے؟"

ہارون کے لہجے نے جعفر کو بدحواس کر دیا۔ وہ بولا: "امیر المومنین! میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک یحییٰ ایسے بے ضرر انسان سے آپ کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

ہارون مسکرایا۔ لیکن یہ مسکراہٹ اس کے اندیشوں پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ اسے یحییٰ ایسے باغی کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت دکھ ہوا۔ لیکن اسے جعفر پر

ظاہر نہ ہونے دیا اور بولا:۔

"تم نے بہت اچھا کیا جعفر۔ سچ پوچھو تو میں خود ہی کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ یحییٰ کو آزاد کر دیا جائے۔"

لیکن اس کے بعد ہارون جعفر کے سامنے بیٹھ نہ سکا اور شام کو عباسہ کی محفل میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

ستر ھواں باب

ایفائے عہد

جعفر نے یحییٰ ہاشمی جیسے باغی کو قید سے آزاد کر کے ہارون کے اعتماد کو ایسی ٹھیس لگائی تھی کہ وہ تڑپ اٹھا اور ابھی اس کا مداوا تلاش بھی نہ کر پایا تھا کہ روم سے ایک ٹھے فال کی خبر آئی :-

"نقفور نامی رومی جرنیل نے قسطنطنیہ کی ملکہ ایرینی کے خلاف بغاوت کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔"

اور ساتھ ہی اس کا قاصد ایک خط لے کر بغداد کے دربار میں پہنچ گیا۔ ہارون قاصد سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور جعفر کو اشارہ کیا :-

"خط پڑھو۔"

جعفر خط پڑھنے لگا۔ قیصر روم نے لکھا تھا :-

"قسطنطنیہ کی سابق ملکہ ایرینی نے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اطاعت قبول کر کے سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پہ خلیفۂ بغداد سے صلح کر لی تھی۔ لیکن اب وہ اندھی، بے وقوف ملکہ میری قید میں ہے اور میں

رومی سلطنت کے فرمانروا کی حیثیت سے یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ خراج کے متعلق ملکہ اور امیر المومنین ہارون الرشید کا معاہدہ ختم ہو گیا۔

اگر بغداد قسطنطنیہ سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کا خواہش مند ہے تو ہم سے خراج لینے کی بجائے الٹا ہمیں خراج پیش کیا جائے اور ساتھ ہی وہ ساری رقم بھی لوٹا دی جائے جو اس وقت تک خراج کے طور پر ادا کی جا چکی ہے۔ اگر ہماری خواہش کی تعمیل میں تاخیر و تذبذب کا مظاہرہ کیا گیا تو ہم اس گرہ کو تلوار کی نوک سے کھولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

خط کو سن کر دربار پر سناٹا سا چھا گیا۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کانپ رہا تھا لیکن کسی میں بات کرنے کی تاب نہ تھی۔ یہ حال دیکھ کر ہارون نے جعفر کے ہاتھ سے خط لے لیا اور اسی کی پشت پر اپنے ہاتھ سے لکھا:۔

امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے سگِ روم نقفور کے نام!

اے کافرہ کے بیٹے۔ میں نے تیرا خط پڑھا۔ تم اس کا جواب کانوں سے نہیں سنو گے بلکہ آنکھوں سے دیکھو گے۔"

جواب لکھتے وقت اس کی نگاہیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔ وہ جانتا تھا اس کی آنکھیں شرارے برسا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نظریں اٹھائے بغیر قاصد کی طرف ہاتھ بڑھایا اور خط اس کے حوالے کرتے ہوئے بولا:۔

"افسوس ہے ہم تمہیں ایک رات سے زیادہ مہمان نہیں رکھ سکتے کیونکہ کل صبح ہم قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اور ساتھ ہی ہم نے قیصرِ روم سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ تم ہمارا جواب کانوں سے نہیں آنکھوں سے دیکھو گے۔ اس لئے ہمیں ___ تم سے

یقیناً بہت پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔ اگر تمہارے دل میں ہم سے پہلے پہنچنے کی آرزو بے تاب ہو تو تمہیں اجازت ہے۔" اور لمحے بھر کی خاموشی کے دوران میں جعفر کی طرف اشارہ کر کے بولا: "اب تم جاؤ اور جعفر!"

رومی قاصد جعفر کو دیکھنے لگا۔ ہارون ایوان سے اُٹھ کھڑا ہوا اور جعفر کے قریب سے گزرتے ہوئے رک گیا۔ "ہم شاہی فوج کو طویل جنگ کے لئے ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس میدانِ رصافہ میں تیار دیکھنا چاہتے ہیں۔ کل صبح سویرے کوچ کے نقارے بجا دئے جائیں۔" وہ چند قدم اٹھانے کے بعد رک گیا پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جعفر کی نظریں بدستور ہارون پر مرکوز تھیں۔ ہارون نے جعفر کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ ہارون مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ کا عکس جعفر کے چہرے پہ پڑنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی مسکرا رہا ہو۔

"فوج کی کمان میرے ہاتھ میں ہو گی۔" ہارون بولا۔ "اور تم میرے ساتھ۔"

کل صبح سویرے روم کی طرف کوچ کے نعرے سے بغداد کے در و بام، گنبد و مینار گونج اُٹھے۔ حرم کے جن زرتار، ریشمی پردوں کی لطیف سرسراہٹیں مسرت کے بحر بیکراں کی طرح متموج دکھائی دیتی تھیں، اب ان کی تاریک گہرائیوں سے سکوت امڈنے لگے۔ کئی دل اس خبر کو سُن کر زور زور سے دھڑکے اور کئی دل دھڑکنا بھول ہی گئے۔ کئی آنکھیں وسیع، گہری جھیلوں کی طرح آنسوؤں کے شفاف ٹھنڈے پانیوں سے معمور ہو گئیں اور ایسی کئی جھیلوں کی سطحیں نمی سے بھی محروم رہیں۔ ٹھنڈی آہیں اور دعائیں۔ باب الذہب ہو یا باب الخلد قصر قرار ہو یا قصر برامکہ، چاروں طرف آہیں اور سسکیاں جاری ساری بکھر رہی تھیں۔

ہزاروں دلوں کی معصوم آرزوئیں میدانِ جنگ کی طرف جا رہی تھیں ——— خاص

طور پر عباسہ کی وہ مظلوم محبت جسے ابھی زبان بھی عطا نہیں ہوئی تھی۔ نومولود کونپلوں سے زیادہ نازک ارمانوں کی کلیاں اور تلوار کی دھار سے تیز ——— لپکتے ہوئے شعلے۔ پھول ——— خون اور خاک۔

وہ بات کئے بغیر جعفر کو خدا حافظ کہے ——— ؟ کون سی بات کئے بغیر؟ اب تو لاکھوں ——— کروڑوں باتیں۔ شکووں کے جہان، اندیشوں کی کائناتیں آباد ہو گئی تھیں۔ لیکن بدنصیبی ——— بے کسی کا یہ عالم تھا کہ وہ جعفر کو بآواز بلند "خدا حافظ" بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

اور اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ پورے بغداد میں ایسی کون سی عورت ہوگی جو اپنے حبیب کو "الوداع" بھی نہ کہہ سکے۔ عباسہ اور صرف عباسہ۔ وقار نے شہزادی اور اس کی محبت کے درمیان آتشیں دیواریں ——— کھولتے ہوئے لاوے کے سمندر موجزن کر دئے۔ لیکن یہ چیزیں اسے روکنے میں کامیاب ہو جائیں گی؟

جواب سننے سے پہلے اس کا دل ڈوبنے، نبضیں چھوٹنے لگیں۔ اس نے شاہانہ بدحواسی سے ہمراز کنیز کو بلایا:۔

"طل ——— ؟"

طل ——— عربی میں شبنم کو طل کہتے ہیں ——— عباسہ کے پہلو میں خاموش کھڑی حکم کا انتظار کرنے لگی اور بہت دیر کے جان لیوا سکوت سے خوف زدہ ہو کر شہزادی کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے بولی:۔

"جی ——— !"

"ایک بڑا عجیب کام ہے طل ——— کرو گی ؟"

شہزادی کی آواز میں التجا کے قطعی غیر مانوس عنصر کی موجودگی نے طِل کو تصویرِ حیرت کی طرح خاموش کر دیا۔ وہ جواب تک نہ دے سکی۔ ایک سیاہ خوف عباسہ کے محسوسات پر منڈلانے لگا۔ کہیں کنیز انکار ہی نہ کر دے۔ عباسہ تیزی سے بولی:۔

"ایسا کام جو تمہارے بغیر اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

"فرمایئے۔"

"جعفر کے پاس جاؤ ـــــ اس طرح کہ اس کے سوا تمہیں اور کوئی نہ دیکھے۔ اور اس سے کہو۔ میں شام اور عشاء کی نماز کے درمیان نہرِ دجیل کے کنارے اپنے باغیچے میں انتظار کروں گی۔"

○

جعفر اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تلواروں، نیزوں، ڈھالوں، خودوں اور زرہوں کے ڈھیر میں سے ہتھیار منتخب کر رہا تھا۔ سامنے ـــــ محراب سے کئی چیزیں لٹک رہی تھیں ـــــ فولادی سلاخیں، باریک ریشمی آنچل اور اسی قسم کی دوسری بہت سی چیزیں۔ جب اسے ڈھیر میں سے کوئی تلوار پسند آتی تو اس کی دھار آزمانے کے لئے فولادی سلاخوں اور ریشمی آنچلوں پہ وار کرتا۔ بعض اوقات کسی نیزے کی تیز نوک اس کی مشتاق نظریں اپنی طرف کھینچ لیتی۔ وہ لمحے بھر کے لئے تلواریں نظر انداز کر کے نیزہ اٹھاتا۔ اس کے طویل دستے کی لچک کا امتحان لیتا اور اسے اپنے ہاتھ میں تولتا ہوا سامنے کھڑکی کے اوپر ایک خاص نشانے پہ مارتا۔

جب طِل دبے پاؤں اندر آئی - اس وقت جعفر کی نظریں اس نیزے پر لگی تھیں - جو کھڑکی کی بالائی چوکھٹ کے اوپر دیوار میں گڑا کانپ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں اچانک طِل پر جم گئیں۔ وہ عباسہ کی کنیز کو اچھی طرح جانتا تھا - اس کا جی چاہا طِل سے پوچھے:- کیا بات ہے؟ اسے یقین تھا وہ ضرور کوئی پیغام لائی ہوگی - لیکن اس پر بھروسہ بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں ——؟

جعفر سوچ رہا تھا - طِل بولی :-

"میری بانو شام اور عشاء کی نماز کے بعد نہر دجیل کے کنارے اپنے باغیچے میں انتظار کریں گی۔"

"کس کا؟"

"آپ کا۔"

"میرا نام جعفر ہے۔"

"بالکل جعفر۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی۔"

"غلط فہمی کا شکار تو آپ ہو رہے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" جعفر ایک دم سے بگڑ گیا۔ "دور ہو جاؤ۔"

امیر المومنین کے جگری دوست کا جلال دیکھ کر کنیز سہم گئی - لیکن وہ جواب لئے بغیر شہزادی کو منہ دکھا سکے گی؟ جعفر ابھی تک سوچ رہا تھا۔ میں کیا کر رہا ہوں؟ عباسہ کیا کر رہی ہے؟ اس کنیز پہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ نہیں! عباسہ کو اپنی کنیز پہ بھروسہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ ہرگز ضروری نہیں کہ میں بھی اس پہ بھروسہ کر دوں - وہ

طل کو دیکھ کر ایک بار پھر گرجا:۔

"میرے سامنے سے دور ہو جاؤ اور پھر کبھی ایسا پیغام لے کر آنے کی جرأت نہ کرنا۔"

اور طل کے جاتے ہی اسے یوں معلوم ہوا گویا وہ جن روشنیوں کی مدد سے اپنے ساتھ لے جانے والا اسلو منتخب کر رہا تھا، ایک دم سے بجھ گئیں اور اپنے پیچھے ایسی تاریکیاں بو گئیں جن سے گوناگوں اندیشوں کے کھیت لہلہانے لگے۔ اس نے فوراً اپنی کنیز کو آواز دی:۔

"شہزادی عباسہ کو میری طرف سے کہو۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

جعفر کی کنیز طل سے بہت پہلے عباسہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ناکامیوں نے طل کا دل توڑ دیا تھا اور اس کا ایک ایک قدم پہاڑ سے زیادہ بوجھل ہو گیا تھا۔ وہ جعفر کی کنیز کو دیکھ کر اچھلی۔ اس کے دل نے کہا:۔ اسے دیکھتے کو تم اکیلی ہی بے چین نہیں ہو۔ وہ بھی بے قرار ہے اور اپنی کنیز کے ہاتھ یقیناً کسی محفوظ جگہ پہ ملاقات کا پیغام بھیجا ہے۔ لیکن پیغام سننے کے بعد سمجھنے میں اسے بہت وقت لگا۔

اس نے جعفر کی کنیز کو اپنے کنگن بطور انعام دے کر فوراً ہی رخصت کر دیا۔ اس کا ذہن پورے سکون کے ساتھ کام کر رہا تھا:۔ "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔" کس حکم کی؟ جعفر کیا کہہ رہا ہے؟

کچھ دیر بعد طل منہ لٹکائے عباسہ کے پاس آئی:۔

"آپ نے مجھے کس گناہ کی سزا دی بانو؟"

"سزا!"

"بڑی خوف ناک ـــــ بشرطیکہ میں اس کی زد میں آجاتی ۔ اتنے بڑے بڑے نیزے ، بل کھاتی ہوئی تلواریں اور ـــــ زندگی تھی کہ جان بچانے میں کامیاب ہوگئی"

"مجھے تمہاری ان پہیلیوں سے گھن آتی ہے طل ۔"

"اور مجھے موت سے ۔"

میں نے تمہیں جعفر کے پاس بھیجا تھا۔ تم موت کی وادی میں کیسے پہنچ گئیں ؟"

"روم کی طرف کوچ کے نعرے نے بغداد کے ذرّے ذرّے کو موت کی وادی میں منتقل کر دیا ہے بانو۔ خدا کی قسم چیزیں پہچاننی مشکل ہوگئی ہیں۔ جن ایوانوں میں عود بکف بربط بدست حسین وجمیل کنیزوں کی صفیں ایک لمحے کے لئے بھی منتشر نہیں ہوتی تھیں آج وہی جگہیں اسلحہ خانوں میں بدل گئیں جن آنکھوں میں لازوال محبت کے بیکراں سمندر اپنی ملکوتی نیلاہٹیں اوڑھے خاموش پڑے سوتے تھے۔ ان سے نکلتے ہوئے شراروں کا درجہ حرارت کیا تھا، حاویہ سے ہزار درجے اونچا۔"

فصاحت وبلاغت کی ملکہ عباسہ یہ اوٹ پٹانگ باتیں برداشت نہ کر سکی اور زخمی شیرنی کی طرح بپھر گئی :۔

"دور ہو جاؤ ـــــ ۔ !"

"اُس نے بھی یہی کہا تھا۔"

"کس نے ؟" عباسہ کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"جس کے پاس مجھے آپ نے بھیجا تھا۔"

"پھر ؟"

"وہ کہتا تھا کہ پھر کبھی ایسا پیغام لے کر آنے کی جرأت نہ کرنا۔"

اب ساری بات عباسہ کی سمجھ میں آگئی۔ جعفر ظل پر بھروسہ نہ کر سکا۔ بہت اچھا کیا۔ اپنی کنیز بھیج کر مجھے اور زیادہ شکر گزار بنا دیا۔ وہ شام اور عشا کی نماز کے بعد نہر دجیل کے کنارے باغیچے میں آرہا ہے دونوں اکیلے ہوں گے۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرے گی۔ پھر بات چل نکلے گی اور کہیں نہ کہیں تو ضرور پہنچے گی ——

کہاں ؟

وہ زندگی میں پہلی بار پہروں آئینے کے سامنے بیٹھی سوچتی رہی۔ کیا کروں ؟ اس کا سن خداداد کسی مصنوعی اضافے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ محبت کی تنویر و توقیر نے اس کے چہرے کے ارد گرد مقدس ہالہ کھینچ دیا تھا۔ اسے تو ایسے سایوں کی ضرورت تھی جو اس کی آنکھوں میں محبت کی دمک کو مدھم، معتدل، قابل برداشت بنا دیں۔ کہیں اس کے عشق کی بے رحم کمزوری جعفر کی محبت کو مغرور نہ کر دے۔

شام کے تیزی سے پھیلتے ہوئے سرد —— گھنے سائے تسکین کا پیغام بن کر چھانے لگے۔ ہارون کی محفلیں آراستہ کرنے والی شہزادی روشنیوں اور سایوں کے مزاج سے پوری طرح آشنا ہو چکی تھی۔

اس کے سامنے بناؤ سنگار کی جتنی چیزیں بکھری پڑی تھیں ان میں سے صرف اس عطر کی شیشی کی طرف ہاتھ بڑھایا جن کی نرم، دھیمی دھیمی خوشبو —— خصوصیت کے ساتھ اس کا سست رفتار اثر اسے بہت ہی پسند آتا تھا۔ اس نے پوری شیشی پوشاک پر چھڑکی اور سایوں کی آڑ لیتی نہر دجیل کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ جن راستوں سے گذری اپنے پیچھے مرغوب عطر کی مہکتی ہوئی شاہراہ تعمیر کرتی چلی گئی اور جعفر اسی شاہراہ پر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اس کے قدموں کے نشانات دیکھ

کر اس کی رفتار کا اندازہ لگا رہا تھا اور یہی رفتار عباسہ کے شوق دمستی کا معیار قائم کرنے میں بڑی مدد دے رہی تھی۔

دو نہروں کے درمیان عباسہ کے ذاتی باغیچے نے ایسے جزیرے کا روپ دھار لیا تھا جسے زمین کے کسی خطے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جعفر کو قدم قدم پہ یوں محسوس ہوا جیسے وہ عباسہ کے جمال، شباب اور لباس سے خارج ہونے والی مہک کے بچہ دوں پر سوار کشش ثقل کی زنجیروں سے آزاد ہو کر مشتری کی طرف پرواز کر رہا ہے۔ اس نے اپنے پاؤں سے دجلہ کا بھیگا بھیگا دیت، زمین کا گرد و غبار جھاڑتے وقت بے پناہ لذت محسوس کی۔ عباسہ کا پیار اسے مشتری کے خواب آباد جزیروں کی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا "عباسہ!" اس کی روح پکار رہی تھی "مجھے ناقابل ادراک رفعتوں سے آشنا کرنے والی عباسہ!"

بتدریج بڑھتے ہوئے دھندلکوں میں دور کھڑی عباسہ روشنی کے مینار کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا مینار جس سے پھوٹنے والی کرنیں دونوں کے محبت آباد مستقبل کی طویل و تاریک شاہراہوں کو منور کر رہی تھیں۔ وہ بھی جعفر کو دیکھ چکی تھی۔ اس کے دل نے بار ہا پیشوائی کا ارادہ کیا لیکن وقار کی فولادی زنجیریں بہت بوجھل تھیں اور وہ روشنی کے مینار کی طرح اپنی جگہ قائم رہی۔

اپنے زعم میں جعفر کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ اس کے قریب آیا۔ عباسہ ڈگمگائی۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک گنجان، تناور درخت طوفان کی شدت سے مجبور ہو کر خم کھا گیا۔ لیکن وہ بہت جلد سنبھلی۔ شرمائی اور جھینپ کر پھولوں سے لدی ہوئی شاخوں کی آڑ میں چھپ گئی۔

اس نے ـــــ اور شاید جعفر نے بھی اس ملاقات کے لئے کئی باتیں، موضوع، عنوان ذہن نشین کر رکھے تھے لیکن جذبات کی فراوانی نے کسی کو بات کرنے کی مہلت نہ دی۔ ان کی متکلم خاموشی کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا گویا خیالات و تصورات کا طوفان زدہ سمندر دونوں طرف سے کہکشاں بوس چٹانوں سے گھری ہوئی وادی میں گزرتے وقت اپنا راستہ بھول گیا اور اس کی غضب ناک لہریں جھاگ اڑانے لگیں۔

ابتدائی ساعت کے سکوت میں دونوں کے دل کی تیز دھڑکنیں آخر کار دجلہ کی لہروں کے ترنم پر غالب آگئیں اور جعفر نے ہمت کر کے سکوت کا طلسم توڑا۔

"شہزادی ـــــ!"

"میرا نام عباسہ ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"سب کچھ جانتا ہوں ـــــ سب کچھ۔"

"زہے نصیب۔"

"زہے نصیب۔"

ان دو لفظوں کی تکرار نے دونوں کو مطمئن کر دیا۔ عباسہ اپنا سکون چھپانے کی خاطر ٹہلنے لگی۔ وہ خوش تھی کہ جعفر صرف رمز شناس ہی نہیں ـــــ رمز داں بھی ہے۔ جعفر نے گلاب کا ایک بھرپور، کھلا ہوا ـــــ شعلہ فشاں پھول توڑا اور عباسہ کے پیچھے لپکا۔ عباسہ اس کی رفتار کے اشتیاق سے حیرت زدہ ہو کر رک گئی۔ اگرچہ اس کی نظریں اپنے سامنے ایک غنچے پر مرکوز تھیں لیکن اس کے جذبات روح کے دریچوں سے جھانک

جھانک کر جعفر کی والہانہ، اضطراری حرکات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جعفر نے ہمت کر کے وہ پھول عباسہ کی ان شبرنگ، گنجان زلفوں میں ٹانک دیا جنہیں ہوا کے گستاخ جھونکے الجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

عباسہ دیر تک اس پھول کی سرخی اور مہک کے پیغامات سنتی رہی۔ اس کی ایک ایک کلی پھڑکتے ہوئے شعلوں کی زبان میں ہزار ہزار داستانیں بیان کر رہی تھی۔ ایسی داستانیں جو الفاظ میں ڈھلنے کے بعد جذبات کے تقدس، تلذذ، شوکت ——— وشدت، سطوت وحشمت کے اظہار سے قاصر رہتی ہیں۔

غالباً وہ دونوں اس نظریئے کی معقولیت کے قائل تھے کہ عشق کے جھولے میں پروان چڑھنے والی معصوم تمناؤں اور آرزوؤں کے اظہار کے لئے زبان کی بہ نسبت آنکھیں زیادہ موزوں ہیں۔ عباسہ نے بھی ایک ایسا سفید غنچہ توڑا جس کی صرف دو کلیاں ایسے دو ہونٹوں کی طرح کھلنے لگی تھیں جو بوسے کی شبنم کے پیاسے تھے۔ وہ اس غنچے کو ہاتھ میں پکڑے دیر تک دیکھتی رہی۔ جعفر اس کے رنگ ——— سفید براق رنگ کی زبان سمجھ لے گا؟ سفید شعلہ آگ کے شباب کی تشبیہ ہے ——— آرزوؤں اور تمناؤں کا شباب۔ اور بوسے کی شبنم کے پیاسے ہونٹ۔

پھر وہ آہستہ آہستہ جعفر کے قریب آئی اور یہ غنچہ اس کے جبے کے کاج میں ٹانک دیا۔ جعفر کی نظریں غنچے پر مرکوز تھیں۔ اس کا سر آہستہ آہستہ ڈھلکنے لگا اور ذرا دیر بعد اس کے ہونٹ غنچے کے ہونٹوں میں پیوست ہو گئے۔

چاند دونوں کے سر پر پہنچ کر لمحے بھر کو رک گیا اور دونوں کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

چاندنی نے مشتری کے جزیرے میں آباد باغیچے کی فسوں کاریوں کو عروج پر پہنچا دیا۔ ہر چیز

نور کے پردے اوڑھے خواب دیکھ رہی تھی

ہوائیں دم بخود تھیں۔ فضا گم سم اور کائنات حیرت زدہ۔ عباسہ کے ہونٹوں پر محبت کی پہلی مسکراہٹ کے لئے خوب سماں وجود میں آگیا تھا۔ وہ مسکرائی۔ پھول، غنچے اور ہوائیں، چاندنی اور دجلہ کی لہریں چاند اور کہکشاں اور کہکشاں کے ماورا تمام کائنات اس کی پہلی مسکراہٹ پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے لگیں۔ ہارون کی بہن کی شاہانہ محبت ——— محبت کی شاہانہ کامیابی پر۔

جب جعفر کی بے قرار نگاہیں چاروں طرف کھلے ہوئے گوناگوں پھولوں کی رنگینی پر مرکوز ہوتیں تو عباسہ کو یوں لگتا جیسے جعفر زبان سے نہیں بلکہ آنکھوں سے عباسہ کے حسن کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہو۔ اس کے جواب میں عباسہ کی نظریں چودھویں کے پورے چاند پر جم کر جعفر کے حسن و شباب کی تعریف کرنے لگتی۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ ایک ساتھ دونوں کی نظریں کسی ایک ہی چیز پر ہم آہنگ ہو کر اپنی مشترکہ محبت کے قصیدے گانے لگتیں۔

پھر چند ہی لمحوں کے بعد دونوں کے اردگرد سائے سرسرانے لگے۔ دجلہ میں ڈوبتے ہوئے چاند کی زردی ——— بیمار کرنیں محبت کے فردوس کو غم سے آشنا کرتے لگیں اور کلیوں پر شبنم کے جھلملاتے ہوئے موتیوں نے آنسوؤں کا رنگ اختیار کر لیا۔

دونوں بدحواس ہو کر گردوپیش کا جائزہ دینے لگے۔ فراق کی طویل تاریک رات سر پہ آرہی تھی۔ اس مشترکہ دشمن کا خوف دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے لگا ——— بالکل نادانستگی کے عالم میں۔ اور قریب ——— اور زیادہ قریب۔

اور پھر قریب ہی کسی جھاڑی کے پار عباسہ کو اپنی ہمراز کنیز عطل کی آواز سنائی دی۔

"حرم کی ڈیوڑھیوں، دالانوں، غلام گردشوں اور زینوں میں جلنے والی آخری شمع

بھی بجھ گئی بانو۔ آپ تاریکیوں سے آشنا نہیں ہیں۔ ہر قدم پہ لغزش کھانے کے اندیشے تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔"

"صرف ایک لمحہ اور ـــــ طل۔" اور اس کے ساتھ ہی عباسہ کو اچانک معلوم ہوا کہ وہ جعفر کے اس قدر قریب آ گئی ہے کہ دونوں کے درمیان میں سے روشنی کی کرن، تاریکی کی دھار اور ہوا کا جھونکا تک گذر نہیں سکتا۔ اور پھر کسی بے نام اندیشے کے تصور سے جعفر کے ارد گرد اس کے بازوؤں کی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی:۔

"اور تم ایک طویل جنگ کے لئے ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس روانہ ہونے والے ہو؟"

"امیر المومنین کے ساتھ۔"

"مجھے بالکل تنہا چھوڑ کر۔"

"بہت جلد واپس آ ئیں گے۔"

"کاش ـــــ تم تنہائی کے صرف ایک لمحے کی حقیقت جان سکتے۔"

"کاش ـــــ تم تنہائی کے صرف ایک لمحے کی حقیقت جان سکتیں۔"

اس کے بعد قیامت کا سکوت طاری ہو گیا۔ ذرا دیر بعد طل کی آواز سنائی دی:۔

"پو پھٹا چاہتی ہے بانو۔"

جعفر اور عباسہ کی نظریں مغربی افق پہ مرکوز ہو گئیں۔ جہاں چاند، جلتے ہوئے داغ کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں نے بیک وقت ایک ساتھ آہ بھری۔ عباسہ بولی:۔

"میدان محاذ سے کوچ کرو گے؟"

"ہاں!"

"میں باب الشام کی شہ نشین پہ آ بیٹھوں گی۔"

جعفر نے کوئی جواب نہ دیا۔ عباسہ بولی :۔

"میرے قریب سے ہو کر گزر و گے نا؟"

جعفر خاموش رہا۔ عباسہ بولی :۔ "بہت بڑی فرمائش کر دی میں نے ؟"

"میں صرف تمہارے حکم کی تعمیل کے لئے پیدا ہوا ہوں ——— شہزادی ؟"

"میرا نام عباسہ ہے۔" عباسہ فراق کی طویل کالی رات کا استقبال کرتے وقت بڑے حوصلے کا اظہار کر رہی تھی۔ جعفر مسکرایا :۔

"میں جانتا ہوں۔"

"کچھ بھی نہیں جانتے۔" عباسہ اپنی اداسیوں کو چھپانے کی کامیاب کوشش کر رہی تھی۔

"سب کچھ جانتا ہوں۔" جعفر کی مسکراہٹ بتدریج گہری ہوتی چلی گئی :۔ "سب کچھ۔"

"زہے نصیب !" وہ ایک خاص شان سے جعفر کے سامنے جھکی اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے الگ ہو گئی۔ جعفر دیکھ رہا تھا عباسہ کو اس سے الگ ہونے کے لئے خاصی جدّو جہد کرنی پڑی تھی۔ جعفر کی مسکراہٹ غیر ارادی طور پر تبسم میں سمٹنے لگی ——— زیر لب تبسم میں۔

"زہے نصیب۔"

پھر ذرا دیر بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک ایسا بد نصیب ——— شکستہ جہاز ہے جسے طوفانی لہریں روشنی کے مینار سے دور نہیں لے جا رہی ہیں بلکہ بذات خود روشنی کا مینار اس سے دور ہٹتا چلا جا رہا ہے ——— روشنی کا وہ مینار جس سے پھوٹنے والی کرنیں چند لمحے پہلے دونوں کے محبت آباد مستقبل کی طویل و تاریک شاہراہوں کو

منور کر رہی تھیں۔

اور اس مینار کے اوجھل ہوتے ہی چاروں طرف سے تاریک کوہ شکن لہریں اٹھیں اور جعفر ان کے گرداب بلاخیز میں ڈوب گیا۔

اٹھارہواں باب

خُداحافظ

خواب آلود مدوّر، مرمریں گنبدوں، کافوری میناروں، پیچ در پیچ تاریک معطّر گلیوں پر اسرار حجروں، الف لیلوی محلات، باغات اور نہروں کے ارد گرد پھیلا ہوا بغداد صرف حسن و عشق، جمال و شباب کے افسانوں، راگ رنگ اور رقص و سرود ہی کا گہوارہ نہیں۔ بلکہ طبل جنگ ــــــ میدان جنگ کی طرف، کوچ کے نقیب نقاروں، تیروں، نیزوں، تلواروں، ڈھالوں اور خودوں کی ضیا پاشیوں سے بھی پوری طرح مانوس تھا۔

باب الذہب کے سامنے، شامی دروازے کے قریب میدان رصافہ صرف جنگی تقریبوں کے لئے مخصوص تھا۔ جب شاہی خاندان راگ رنگ کے دیرپا سیلابوں سے اکتا جاتا تو ریگستان عرب کے بلند پرواز شاہین فوجی لباس پہن کر نتھنوں سے آگ برسانے والے، برق پا گھوڑوں پہ سوار رصافہ میں بالکل اسی طرح صف آرا ہو جاتے جیسے اس وقت صف آرا تھے۔

اور جو شاعر الھڑپن کی باتیں کرنے مسکراتے، چھلکتے ہوئے جاموں اور فسوں کار آنکھوں کے قتیل بن جانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ جو بہانگ دہل یہ دعوےٰ کیا

کرتے تھے کہ تمہاری روتی ہوئی آنکھوں کو ملامت کرنے کا حوصلہ کس میں ہے؟ کیا تم نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھ کو ہدفِ ملامت بنتے دیکھا ہے؟ وہی شاعر صفوں کے آگے نکل کر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ :-

جب ہم اپنی تلواروں سے جنگ کی شادی کرتے ہیں
تو موتوں کو اس کی طلاق ٹھہراتے ہیں۔
ہم جنگ کے میدان میں اس طرح دشمن کے سر پر پہنچ جاتے ہیں۔
جیسے موت اپنی اُمید گاہ کی طرف دیوانہ وار دوڑتی ہے۔
اور ہمارے نیزے دشمن کی کھوپریوں کے تاج پہن لیتے ہیں۔

ابھی سورج کی مشتاق، پہلی کرن خودوں کو چومنے کے لئے مشرقی افق کے پار بیتاب ہو رہی تھی کہ امیر المومنین نے فوج کو کوچ کا اشارہ کیا اور رنگا رنگ وردیوں میں ملبوس انسانوں کا سمندر حرکت میں آ گیا۔

جعفر باب الشام والی شہ نشین پر بیٹھی ہوئی عباسہ کے مخصوص ، مرغوب عطر کی بھینی بھینی ——— دیر پا ، سست رفتار مہک سونگھ رہا تھا۔ جب امیر المومنین نے گھوڑا آگے بڑھایا تو جعفر نے بھی ان کے پیچھے لگام اٹھائی۔ اور جب وہ شہ نشین کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اس کے بالکل پیچھے اشجع السلمی اپنی مخصوص لے میں ترنم سے شعر کہنے لگا :-

دو محبت والے بھی جدا ہو جائیں گے اور زور والے بھی۔
اور لوٹنے کی تمنا کرنے والے ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملیں گے۔
زمین سفر کرنے والوں سے بھر جائے گی۔
اور بچھڑ جانے والے پھر قسمت سے ملیں گے۔

آثار دیار فنا ہو جائیں گے لیکن محبت باقی رہے گی۔

اور عاشق جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کرتے رہیں گے۔

تو نے رونا شروع کر دیا؟ حالانکہ وہ تو ابھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس وقت کیا کرو گے جب آنکھیں اسے ڈھونڈ بھی نہ سکیں گی۔

کیا ـــــ تجھے فراق کے بعد زندگی کی اُمید ہے؟

تمہاری عمر عزیز کی قسم۔ یہ توقع تو بالکل عبث ہے"!

شہ نشین کے قریب سے گزرتے وقت ہارون اور جعفر نے ایک ساتھ کئی سسکیاں سنیں اور تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ بغداد کی گلیوں اور سڑکوں کا کچھ اور ہی عالم تھا۔ گہرے غم اور روحانی مسرت کا یہ ملکوتی امتزاج اپنی مخصوص کیفیت طاری کر رہا تھا۔

الوداع کرنے والوں میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہ تھی جو جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر مجاہدوں پر بے دریغ پھول برسا رہے تھے۔ گلہائے عقیدت کی ان خون رنگ نازک پتیوں پر آنسوؤں کی شبنم کے قطرے ـــــ اور ان قطروں کے داغ بھی آسانی سے نظر آجاتے تھے۔

لشکر جیسے جیسے بغداد کے سرد، گھنے سایوں سے دور ہوتا چلا گیا۔ مسرت کی رفتار مدھم ہوتی چلی گئی اور غم کے طوفان شدت اختیار کرنے لگے۔ اور آخر کار پر جوش نعرے دبی دبی آہوں میں حل ہو گئے۔

مجاہدوں کا لشکر اپنے برق رفتار گھوڑوں سے اڑنے والے گرد و غبار کے پردوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

○

راگ رنگ اور شعر و ادب کی محفلوں کا سنگار ہارون شمشیر و سنان کی بزم آرائیوں میں بھی معمول کے مطابق سب سے آگے تھا۔ وہ ان راستوں کو جانتا تھا۔ آج سے کئی سال پہلے جب کہ اس کی عمر بمشکل تیرہ چودہ برس کی تھی اپنے نامور باپ مہدی عباسی نے اسے فوج کی کمان دے کر انہی راستوں پر روانہ کیا تھا۔ اس وقت جعفر کی بجائے یحییٰ برمکی اس کے ساتھ تھا۔ یہ ہارون کی پہلی جنگی مہم تھی۔

اس وقت نقفور نہیں بلکہ بذات خود ملکہ ایرینی نے تخت نشین ہوتے ہی بغاوت کا علم بلند کیا تھا اور اس کی تادیب کے لئے امیر المومنین مہدی نے شہزادے ہارون کو پسند کیا تھا۔ اور مہدی اپنی نظر انتخاب پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔ کیونکہ ہارون شوق شہادت کے جوش میں پیش قدمی کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک جا پہنچا تھا۔ اس یلغار میں اتنا مال غنیمت ہاتھ لگا کہ ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا ایک ایک درہم —— چار آنے —— میں بکا۔ ہارون کی شان و شوکت اور شجاعت و تہور کے افسانے سن کر ملکہ ایرینی اتنی بدحواس ہوئی کہ فوراً ستر ہزار دینار سالانہ کے خراج پر صلح کی درخواست کی۔ جسے ہارون نے فوراً منظور کر لیا۔

اب نقفور ایرینی کو تخت سے معزول کر کے یہی معاہدہ توڑ چکا تھا اور چونکہ ہارون اس کے قاصد سے وعدہ کر چکا تھا کہ قیصر روم میرا جواب کانوں سے نہیں سنے گا بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اس لئے وہ دن رات یلغار کرتا ہوا بجلی کے کڑکے کی طرح نقفور پر ٹوٹا اور اسے واقعی اس وقت ہارون کی آمد کا علم ہوا جب اس کا پایہ تخت ہرقلہ شعلوں میں گھر گیا تھا۔

ہارون اپنے وعدے کے مطابق زبان سے نہیں بلکہ شعلوں کی چنگھاڑتی ہوئی زبان

میں جواب دے چکا تھا۔ نقفور یہ حالت دیکھ کر حیرت زدہ، حواس باختہ ہو گیا۔ اس پر اتنی ہیبت چھائی کہ ایک دم اپنے داماد کو ننگے سر، ننگے پاؤں ہارون کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے امیر المومنین سے درخواست کی :۔

"قیصر روم معافی کا خواستگار ہے۔ خدا کے لئے اس کی حماقت پہ اپنے رحم و کرم کا پردہ ڈالئے۔ سابق ملکہ ایرینی سالانہ خراج کی جو رقم منظور کر چکی ہے۔ وہ حسب معمول ادا کیا جائے گا۔ اپنی تلوار نیام میں بند کیجیے"۔

ہارون نے سفیر سے پوچھا :۔

"ہمارے دوست ——— قیصر روم نے بغداد کی طرف جو قاصد بھیجا تھا کہاں ہے؟"

"خدا کی قسم ہمیں اس وقت تک اس کا انتظار ہے"۔

ہارون نے قہقہہ لگایا :۔

"تربت عباس کی قسم۔ اگر وہ شخص تمہارے پاس پہنچ چکا ہوتا تو ہم قیصر روم کی درخواست شاید ہی منظور کرتے۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہمارے وعدے کا بھرم رکھ لیا؛ اور اسی خوشی میں صلح کی درخواست منظور کرتے ہیں"۔

اور جب روم کے دارالسلطنت میں فتح کا جشن منایا جا رہا تھا ہارون نے بغداد کی طرف لگام موڑی۔ قیصر نے روکنے کی کوشش کی لیکن اب اس ملک میں ایسی بات نہ تھی جو اس کی دلچسپی کا باعث بن سکتی۔ روم کے جشن کے ہنگامے دجلہ کے کنارے ملاح کی جھونپڑی میں جمنے والی محفل کا بھی مقابلہ نہ کر سکتے۔ ہارون نے معذرت کے ساتھ انکار کر دیا اور اسلامی لشکر فتح کے گیت گاتا ہوا بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب امیر المومنین کو لشکر کے آگے چلنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ اعزاز اشجع السلمی کو نصیب ہوا۔ وہ جھوم جھوم کر اپنے اشعار کہہ رہا تھا:۔

جب ہماری تلواریں جنگ سے شادی رچاتی ہیں

تو ہم موتوں کو اس کی طلاق ٹھہراتے ہیں۔

ہم جنگ کے میدان میں اس طرح دشمن کے سر پہ پہنچ جاتے ہیں

جس طرح موت اپنی اُمید گاہ کی طرف دوڑتی ہے۔

اور پھر ہمارے نیزے دشمن کی کھوپڑیوں کے تاج پہن لیتے ہیں"

ایک روز دن ڈھلے یہ لشکر انطاکیہ کے ایسے خطے سے گزر رہا تھا جو ہارون کو بہت پسند آیا۔ فوج کو قیام کرنے کا حکم دیا اور اپنی مخصوص محفل جمائی۔ اس جنگ میں زر و جواہر کے علاوہ بے شمار سفید فام کنیزیں بھی ہاتھ لگی تھیں خصوصیت کے ساتھ ان میں ایک کنیز کا پر دلیسی حسن ہارون کو بہت پسند آیا۔

اس نے حکم دیا: "کنیز کو آراستہ کر کے محفل میں پیش کیا جائے"

بغدادی طرز کا ڈھیلا ڈھالا ریشمی لباس اور یونانی حسن۔ کنیز کچھ اور ہی چیز بن گئی خصوصیت کے ساتھ رومی طرز کا رقص بے حد پسند کیا گیا۔

جب یہ محفل تیزی سے نقطۂ عروج کی طرف پرواز کر رہی تھی۔ ہارون کو اطلاع ملی:۔

"قیصر روم کے وفد کا قائد باریابی کا خواستگار ہے۔"

ہارون نے اسے فوراً اندر بلا لیا اور بغدادی مشروب پیش کرنے کے بعد جب یوں اچانک آنے کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے قیصر روم کی درخواست پیش کر دی یہ قیصر کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا طویل عریضہ تھا۔ ہارون نے اسی وقت مترجم کو

طلب کیا:۔

"قیصر روم اب کیا چاہتا ہے؟"

مترجم نے عرض کیا:۔ بغداد کی طرف جانے والی کنیزوں میں قیصر روم کی بیٹی بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے اس کی شادی بالکل تیار تھی۔ اگر امیر المومنین اسے تلاش کر کے واپس بھجوا دیں تو اس کا جتنا زر فدیہ مقرر کیا جائے گا اس کے علاوہ مزید انعام بھی اس سپاہی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا جو بجا طور پر کنیز کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔"

ہارون نے اسی وقت کنیز کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین کے رحم و کرم کی شہ پا کر وہی کنیز —— جو ذرا دیر پہلے شمع محفل بن چکی تھی۔ ڈرتے ڈرتے بولی:۔

"میں قیصر روم کی بیٹی ہوں۔"

اس کے منہ سے یہ سن کر ہارون نے بڑی بے تابی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ ہلا کر محفل برخواست کرنے کا اشارہ کیا اور کنیز کا بازو وفد کے قائد کے ہاتھ میں دے کر بولا:۔

"آپ کی چیز حاضر ہے۔"

کنیز تیزی سے وہ جڑاؤ زیورات اتارنے لگی جو ابھی تک اس کے تن کو چار چاند لگا رہے تھے۔ ہارون نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور وزارت خزانہ کے حاجب کو حکم دیا:۔

"قیصر روم کی صاحبزادی کو مزید پچاس مرصع جوڑے دیئے جائیں اور معقول سواری کا فوراً انتظام کیا جائے۔"

رومی شہزادی کو ایسے فیاض —— فاتح شہنشاہ کو خواب میں دیکھنا بھی نصیب نہ

ہوا تھا۔ امیر المومنین کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ ہارون خود باہر آیا اور جب شہزادی گھوڑے پر سوار ہونے لگی تو ہارون نے محسوس کیا کہ وہ ماں باپ اور منگیتر کی طرف جانے کے لئے بے تابی اور اشتیاق کی بجائے تامل وتذبذب کا شکار ہو گئی ہے۔

ہارون نے اسے سوار ہونے کا اشارہ کیا اور جب وہ زین پر بیٹھ گئی تو خدمتگار کے ہاتھ سے لگامیں لے کر اس کی طرف بڑھائیں۔ رومی شہزادی نے ایسی نظروں سے ہارون کو دیکھا جن کا مفہوم وہ بخوبی سمجھتا تھا۔ وہ جن نظروں سے محفل میں اسے دیکھ رہا تھا اگرچہ ان کے زاویے تو اتنے زیادہ نہیں بدلے تھے لیکن اب محبت کی جگہ ایثار پاؤں جمانے لگا تھا۔

الف لیلا کے افسانوی شہزادے کے اردگرد خواب کا ایسا طلسمات قائم تھا جس میں داخل ہونے کی تمنا رومی شہزادی کی آنکھوں سے منعکس ہونے لگی۔

ہارون نے اسے باگ اُٹھانے کا اشارہ کیا اور اسنے بالکل مسحور انسان کی طرح تعمیل کی۔ ہارون بولا:۔

”قیصر، ملکہ اور تمہارا خوش نصیب منگیتر بے چینی سے تمہاری راہ دیکھ رہے ہوں گے —— خدا حافظ!“

رومی وفد کے آگے روانہ ہونے والی شہزادی نے مشکل سے دس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد لگام کھینچی۔ پیچھے مڑکر دیکھا۔ مسکراتا ہوا ہارون ہاتھ ہلا ہلا کر بدستور الوداع —— خدا حافظ! کہہ رہا تھا۔

اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے خیمے میں داخل ہونے کی بجائے وہیں کھڑے کھڑے بغداد کی طرف کوچ کا حکم سنایا۔

انیسواں باب

خوشبو کی زبان

خاتونِ حرم ملکہ زبیدہ کا ہارون اور شہزادی عباسہ کا جعفر ہی نہیں بلکہ بغداد کے سارے محبوب واپس آ رہے تھے۔ مظفر و منصور، فتح کے ترانے گاتے ہوئے ان کی تلواروں کی شادیاں بھی ہو چکی تھیں اور دشمن کی موتوں سے طلاقیں بھی۔ وہ اپنے نیزوں کے تاج روم کی سرزمین میں بکھیرتے واپس آ رہے تھے۔

آج بغداد صحیح معنوں میں عروس البلاد کہلا سکتا تھا۔ گھر گھر شادیانے بج رہے تھے الجسر الاوّل ——— بالائی پل سے باب الخلافہ تک قالینوں کا فرش بچھ گیا۔ دو رویہ رنگین پردے سرسرا رہے تھے۔ جھروکوں سے پھولوں کی موسلا دھار برسات کی وجہ سے ہر شخص کا قدم گھنٹوں تک کلیوں میں دھنس جاتا۔

بغداد کی تقریباً ہر لڑکی صرف ایک ہی خیال کا تانا بانا بُن رہی تھی۔ اپنے محبوب سے پہلی ملاقات اور بہت جلد ملاقات کیسے کی جائے؟ ایسی مشتاق و بیتاب خواتین میں اب خاتونِ حرم کے مقابلے پر عباسہ کو سرِفہرست لکھنا زیادہ موزوں لگتا ہے۔ یہ موقعہ بڑا عمدہ تھا۔ اگر وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکی تو پھر اس کی قسمت۔

لیکن کیسے ؟

جس روز سے لشکر کے آنے کی خبر پہنچی تھی۔ عباسہ کا اشتیاق ——— ملاقات کا جوش اپنی انتہائی بلندیاں چھو چکا تھا۔ لیکن ملاقات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ عباسہ سوچنے لگی۔ برمکی خاندان کئی پشتوں سے بادشاہوں کو کامیاب مشورے دیتا چلا آیا ہے۔ لوگ اپنے الجھے ہوئے مسائل لے کر جاتے ہیں اور برامکہ کا ناخن تدبیر انہیں سنوار کر رکھ دیتا ہے۔

عباسہ سے زیادہ ان کے مشوروں کا حق دار اور کون تھا۔ وہ چپ چاپ ام رشید ——— ہارون کو دودھ پلانے کی رعایت سے جعفر کی ماں عتابہ ام رشید بھی کہلاتی تھی ——— کے پاس پہنچ گئی۔ وہ صرف مہدی کی بیٹی اور ہارون کی بہن نہیں بلکہ ام رشید کی بہو بھی تھی۔ وہ ایک ساتھ دوہرے جوش سے ملی۔ ساس کی شفقت و مروت نے بہو کے بدحواسی کی حد تک بھٹکتے ہوئے جذبات کو بڑا اچھا سہارا دیا۔ جس سے متاثر ہو کر عباسہ براہ راست بولی:۔

"اب میں کیا کروں ؟"

"میں کیا کروں ؟"

"ہماری ملاقات کا بندوبست ؟"

"اور امیرالمومنین کے حکم کی خلاف ورزی !"

"اس بات کو ذہن میں رکھئے ——— ام رشید۔ میں جعفر کی شرعی بیوی ہوں۔" اللہ عتابہ کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بولی :۔ "اور آپ کی بہو ——— زمانے کے نامور وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کی بہو ——— !"

عباسہ خوش تھی کہ اس کی جادو بیانی ام رشید کو شیشے میں اتار رہی ہے۔ کاش! وہ جان سکتی کہ اس وقت جعفر کی ماں کہاں تھی؟ جعفر کے اس گھر میں جہاں یحییٰ ایسے دانائے سانہ کے حکم سے ماتمی صفت بچھی تھی۔ آلِ برامکہ کا بچہ بچہ ماتم پوش تھا۔ جعفر کی موت کے پہرے سے لئے ــــــ مرثیے کہے گئے تھے۔ اور یحییٰ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا تھا:۔

"جعفر سے عباسہ کی شادی ایسا عروج ہے جس کے بعد زوال ہی شروع ہوگا اور آلِ برامکہ کی تباہی کا جلتا ہوا ـــــــ سرخ عنوان عباسہ ہوگا۔"

اور وہی عباسہ بھسم کر دینے والے شعلے کی طرح عتابہ کے دامن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عباسہ کی قسمت یا شاید عتابہ کی قسمت۔ نہ جانے کس کی قسمت کس پر غالب آنے والی تھی۔ دونوں عورتیں تھیں۔ اور عباسہ اس گرداب میں آ گھری تھی جسے عتابہ کامیابی سے پار کر چکی تھی۔ عباسہ نے عتابہ کی خاموشی پر ایک اور وار کیا:۔

"کیا ـــــــ میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ چلئے یونہی سہی۔ جعفر کی بے قراریوں سے آپ کیسے انکار کریں گی؟ اس وقت ہم دونوں کہاں ہیں؟ زبان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہماری آرزوئیں اور ارمان، ہماری لغزشیں اور ہمارے جرم زمینی پیمانے سے نہ ناپے جائیں۔ ہماری روحیں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہیں کر سکتیں اور ـــــــ نہیں کریں گی۔"

عباسہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ان کے سامنے حتی الامکان کوئی رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔ اور ساتھ ہی یہ راز کسی اور کو بھی معلوم نہ ہونے پائے۔ عتابہ بولی:۔

"میں تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ قائم نہیں رہنے دوں گی لیکن ایک شرط پر۔"

عباسہ خاموش رہی۔ عتابہ بولی:۔ "تمہیں جعفر سے ملنے کے لئے کنیز کا روپ دھارنا پڑے گا۔" عباسہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عتابہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش

رکھا: "یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی اور کی تم پر نگاہ ہی نہ پڑے۔"

تو یہ اس لئے ضروری ہے۔ عباسہ سوچنے لگی:۔ کنیز کا روپ دھارنا۔ تاکہ کسی اور کی نگاہ ہی نہ پڑے۔ عتابہ ٹھیک کہتی تھی۔ لیکن اگر کنیز کو جعفر منظور ہی نہ کرے۔ اس کے پاس تو پہلے ہی سینکڑوں کنیزیں تھیں۔ خود اس کی ماں اسے ہر جمعرات، ایک کنواری کنیز اپنے ہاتھ سے بنا سنوار کر پیش کیا کرتی تھی۔

عتابہ بولی: "یہ بڑا اچھا موقعہ ہے۔ جعفر کو آتے ہی خوشخبری سناؤں گی۔ ایسی کنیز دستیاب ہوئی جس کی مثل روئے زمین پیش نہیں کر سکتا ــــــ جمال و کمال کی ملکہ!"

اور کیا چاہیئے۔ عباسہ کے دل نے کہا۔ وہ جس طرح براہ راست عتابہ کے پاس آئی تھی بالکل اسی طرح براہ راست واپس چلی گئی اور جب رات کو وقت سے بہت پہلے بستر پر بیٹھ کر دن بھر کے واقعات کا جائزہ لینے لگی۔ تو سوچوں کے کئی دریچے کھل گئے۔ وہ بالکل کنیز کا روپ دھارے اپنے قریب لیٹی ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت مختلف۔ اتنی کہ ــــــ دونوں کی کوئی چیز بھی مشترک نہیں تھی۔ ایک پشتوں سے شہزادی، منصور السفاح کی پوتی، مہدی کی بیٹی اور ایک پشت ہا پشت سے کنیز، کنیز کی بیٹی کنیز۔

اس نے اپنے آپ کو پہچاننے سے صاف انکار کر دیا اور پرے وہ سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ پورے چاند کی کرنوں کا جوان دھارا بور سے لدے ہوئے سیب کے پودوں ــــــ پھولوں سے کھیل رہا تھا۔ بالکل یہی چاندنی تھی اور یہی بور، یہی پھول، یہی وقت ــــــ بالکل یہی سماں۔ میں نے اپنے باغیچے میں شہزادی کی طرح جعفر کا شاہانہ استقبال کیا تھا۔ اس نے میرے بالوں میں گلاب کا سرخ ــــــ جلتا ہوا پھول ٹانکا

تھا اور میں نے ——— ؟ محبت کا پہلا سفید شعلہ۔ ایسا سفید غنچہ جس کی صرف دو درمیانی کلیوں نے ہونٹوں کی طرح بل کھا کر کھلنا سیکھا تھا۔ اور اس نے غنچے کے ہونٹوں

سفید شعلے کے ہونٹوں پر اپنے پیاسے ہونٹ رکھ کر ان کی ساری تپش چوس لی تھی۔

ایک کنیز لاکھ جمال و کمال کی ملکہ ہو۔ جعفر کا کیا استقبال کرے گی ؟ کنیز پھولوں، کلیوں کی زبان میں کیسے بات کرے گی ؟ اس کی نظروں سے گر کر خود اپنی نظروں سے گر جائے گی۔ وہ نیم غنودگی میں گنگنانے لگی۔

جو چیز تمہاری نظروں میں نہ سما سکی۔

میں اس کی تعظیم کیوں کر دوں ؟

کبھی نہیں۔ وہ اچھل کر بستر سے بالکل الگ کھڑی ہو گئی۔ کبھی نہیں۔ وہ کنیز نہیں بنے گی تو پھر کیا کرے گی ؟ وہ باغیچے میں نکل آئی۔ شبنم سے دھلی اور چاندنی سے چھنی ہوئی فضا پہ وجد سا طاری تھا اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک بھی اپنا آنچل جھٹکنے کا حوصلہ نہیں کر پائی تھی۔

ماحول سے متاثر ہو کر اس کا ذہنِ رسا کام کرنے لگا۔ اس فتح کی خوشی پر میں اپنے فاتح بھائی کو فوج کے تمام سرکردہ افسروں سمیت ضیافت پر کیوں نہ بلا لوں ؟ ایک شاندار جشن۔ چونے اور اینٹوں کی دیواروں، بوجھل چھتوں سے دور، نہرِ دجیل کے کنارے اپنے ذاتی باغیچے میں۔ جہاں جعفر سے پہلی ملاقات کی یادیں ابھی تک سسک رہی تھیں۔ اگر یہ جشن دس شب و روز تک بھی جاری رہے تو کیا ہے۔ دس روزہ جشن۔ وہ مسکرائی۔ اور پھر ؟ اب میں ساری باتیں تمہیں کیسے بتا دوں ؟ اور وہ خاموشی

سے چاند کو تکنے لگی۔ اس نے یہ چاند جعفر کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ غالباً جعفر بھی اس وقت اسی چاند کو دیکھتا ہو گا۔ دیکھتا ہو گا اور سوچتا ہو گا۔

O

جعفر کی بلائیں لیتے ہی عتابہ اسے ایک جمال و کمال کی ملکہ کنیز کے منتر سے شیشے میں اتارنے لگی اور جعفر بھی اس طرح شیشے میں اترا کہ عتابہ کو اسے یہ اطمینان دلانا مشکل ہو گیا کہ وہ یقیناً آج رات تمہارے "شبستان" میں موجود ہو گی۔

عتابہ بھاگی بھاگی عباسہ کے پاس آئی :-

"ذرا میری جدّوجہد پہ نظر ڈالو۔ کیا ——— کچھ نہ کیا ہو گا ؟ بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا ہے۔ انتظار کے معاملے میں وہ کتنا بھسڈی ہے ؟ تمہارے سامنے اس پر زور دینے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ذرا وقت سے۔"

"میں تو نہیں آ رہی !" عباسہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"تم نہیں آ رہیں ؟" عتابہ اسے سر سے پاؤں تک گھورنے لگی۔

"بالکل نہیں !"

"تو میں اب کون سی بات بناؤں ؟"

عباسہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی: "سب سے آسان بات !"

"وہ کیا ؟"

"کنیز نہیں جاتی۔"

"مجھے تو روئے زمین میں ایسی کوئی کنیز نظر نہ آئی۔ جس نے کبھی انکار کیا ہو۔"

"میں جو کر رہی ہوں۔"

"صرف اس لئے کہ تم شہزادی ہو۔ تم نے انکار کر کے صرف میرے ہی نہیں بلکہ جعفر کے دل کو بھی صدمہ پہنچایا ہے۔ کاش ——— تم کنیز ہوتیں تو میں سارا بغداد بیچ کر بھی تمہیں خرید لیتی۔"

"جعفر کے دل کو صدمہ۔ کیسا صدمہ؟"

"اب میں کس منہ سے کہوں گی ——— کنیز نہیں مانی اور وہ اپنے آپ کو کیا سمجھے گا جس کی ماں اسی کے نام پر کنیز کو راضی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔"

کھوکھلا وقار ——— بے بنیاد زعم۔ عباسہ کے دل نے کہا۔ کنیزیں عورتیں نہیں ہوتیں عورتیں کنیزیں بھی ہوتی ہیں اور عورتیں شہزادیاں بھی۔ لیکن دل کی دنیا میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ اگر ایک شہزادی شوق سے مجبور ہو کر اپنی کائنات جعفر کی ٹھوکروں میں ڈال سکتی ہے تو ایک کنیز جعفر کو ٹھکرا بھی سکتی ہے۔ یہ تو اپنا اپنا دل ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اسے کون سی کنیز ٹھکرا رہی تھی؟ اگر عتابہ نہیں جاتی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو ہارون کو دس روزہ جشن کی دعوت بھی دے چکی تھی اور وہ قبول بھی کی جا چکی تھی۔ جعفر تو ہارون کا ہمزاد ہی ہے۔ جہاں ہارون وہیں جعفر۔ دونوں آج رات ہی سے جشن میں شریک ہونے والے تھے۔ کنیز کے انکار پر جعفر کو دل توڑنے کی فرصت ہی کہاں تھی؟

اس نے تو ہارون کو شہر میں داخل ہونے کی بھی مہلت نہیں دی تھی۔ اس کی کنیزیں باہر ہی باہر ہارون کا رخ نہر دجیل کے کنارے عباسہ کے باغیچے کی طرف موڑنے میں

کامیاب ہو چکی تھیں۔ کیسی کنیزیں ہوں گی۔ جو ہارون کے اعصاب پر اس طرح چھا گئیں کہ زبیدہ کی یاد بھی پر نہ مار سکی۔

اب خاتون حرم کی آرزوؤں کے اس ہار کا کیا ہو گیا جس کا ایک ایک پھول وہ ہجر کے آنسوؤں کے تار میں پرو تی رہی تھی۔ اتنے نازک پھول تھے کہ عباسہ کے باغیچے کی طرف ہارون کے مڑ جانے کی خبر سے کملا گئے۔ اب ایسا ہار کون گوندھے گا۔ آنکھوں میں وہ اشتیاق کہاں سے آئے گا؟ جس کی شمعیں ہارون کی سرد مہری نے گل کر دی تھیں۔ اور وہ وفور جذبات سے کانپتے ہوئے ہاتھ ——— لرزتی ہوئی انگلیاں۔ اس کے بازو پھولوں کے جنازے کیسے اٹھاتے؟ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ زبیدہ ہارون کو دہلیز پر پھینکتی اندر چلی گئی۔ جعفر اور عباسہ نے مل کر ہارون کو زبیدہ کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا۔

○

عباسہ نے نہر دجیل کے کنارے واقع باغیچے کو مشتری کا باغیچہ ثابت کرنے میں کس قدر اہتمام کیا تھا؟ دیکھنے والے اس کا اندازہ لگانے میں ناکام نہ رہے۔ ہارون تو اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی چلا اٹھا:۔

"مرحبا ——— جزاک اللہ عباسہ۔ کیسا طلسمات ایجاد کیا ہے۔"

"امیر المومنین کے دل کو بھایا کہ نہیں؟"

"تو گویا یہ تم ہمارے منہ سے کہلوانا چاہتی ہو؟ ہم اس بری طرح اُلجھے کہ زبیدہ کی

کشش بھی کام نہ آئی۔ اب تو خوش ہو؟"

"امیرالمومنین کی خوشنودی میری خوشیوں کا سرمایہ ہے۔"

"اور تمہاری خوشیاں ہمارے اطمینان کا سرچشمہ! اب سورج کو تیزی سے مغرب کی طرف ہانکنے کی تدبیر سوچو عباسہ۔"

"یہ تو اپنے وقت پر ڈوبے گا ـــــــ امیرالمومنین۔"

اور عباسہ نے سچ مچ لاکھ جتن کیئے۔ لیکن سورج اپنے وقت پر ڈوبا اور جیسے جیسے سرد، گھنے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ عباسہ کی بے تاب خواہشیں، سرکش تمنائیں مچلنے لگیں۔ اور اضطراب کے اس عالم میں پہلی بار معلوم ہوا کہ اس نے عتابہ کے مشورے سے انکار کر کے ایسی حماقت کی ہے جس کا خمیازہ اسے یقیناً بھگتنا پڑے گا۔

اس جشن میں صرف ہارون اور جعفر ہی نہیں بلکہ تمام سرکردہ فوجی افسر بھی شامل تھے وہ کس کس کی نظر بچانے میں کامیاب ہو گی؟

جشن کے آغاز سے پہلے ہارون کو زبیدہ کا خیال آیا اور ایک کنیز کے ہاتھ خاتون حرم کو پیغام بھیجا: "ہم عباسہ کے باغیچے میں بیٹھے جشن منا رہے ہیں۔ تم بھی شامل ہو جاؤ۔"

اور زبیدہ نے کہلا بھیجا: "ہم اپنا جشن منا رہے ہیں۔ ابھی وقت ہے آ جاؤ۔"

اور اگر زبیدہ ہارون کو بلانے میں کامیاب ہو گئی تو پھر عباسہ کے خیالات کا تعمیر کیا ہوا محل ریت کا گھروندا ثابت ہو گا۔ اس جشن کے بہانے جعفر کی قربت نہ سہی قربت کا جلتا ہوا احساس سہی۔

اس نے فوراً کنیزوں کے طائفے کو ہارون پر شبخوں مارنے کا اشارہ کیا۔ یہ وہی کنیزیں تھیں جن کی فسوں کار ادائیں ہارون کا دل موہ چکی تھیں۔ عباسہ کی کنیزیں عباسہ

کی مرتب کی ہوئی دھنوں سے مسلح تھیں۔ راگ رنگ کی محفل جم گئی اور ایسی جمی کہ جب کنیز نے ہارون کو خاتون حرم کا پیغام سنایا تو اس نے غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اور اس طرح تین شب و روز ایک پل کی طرح گزر گئے۔

آدھی رات تک ہر ایک مہمان ہارون اور جعفر کے ساتھ مشترکہ محفل میں عباسہ کی نت نئی کنیزوں کے سوز و ساز سے لطف اٹھاتے اور آدھی رات کے بعد مجلس برخواست کر کے ہر شخص اپنے خیمے کی راہ لیتا۔ ہارون کے خیمے میں ہر رات عباسہ ایک کنواری کنیز بھیج دیتی اور باقی کے مہمان اپنے ذاتی ذرائع استعمال کرنے کے لئے بالکل آزاد ہوتے۔

لیکن چوتھی رات محفل کے خاتمے پر عباسہ نے ہارون سے ملنے کی اجازت لی اور بولی :-

"جعفر کو گذشتہ تین راتوں سے کوئی کنیز میسر نہیں آئی"

"یہ کس کا قصور ہے ؟"

"میزبان کا"

"پھر میں کیا کروں ؟"

"آپ کی اجازت کے بغیر میں یہ جرأت کیسے کرتی ؟"

"آج سے اجازت ہے اور آئندہ آخری رات تک جعفر کے پاس باقاعدگی سے کنیز جاتی رہے گی"

یہ پچھلی تین راتوں کے متعلق تو عباسہ نے مفید جھوٹ بولا تھا۔ وہ ہر رات جعفر کے پاس کنیز بھیجتی رہی لیکن آج باقاعدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد تو اس کا

دل بہت بڑھ گیا۔ اگر آج وہ خود کنیز کا روپ دھار کر جعفر کے شبستان میں پہنچ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی تو یہ محض رقابت کا کرشمہ تھا۔ جب صبح سویرے جعفر کے شبستان سے برآمد ہونے والی کنیز عباسہ کے سامنے آتی تو عباسہ اپنے کو اس کنیز کی کنیز سمجھنے پر مجبور ہو جاتی۔ جعفر کی نظر التفات نے ایک ساتھ تین کنیزوں کو شہزادیوں کا مقام بخش دیا تھا۔

کنیز کا لباس پہنتے وقت عباسہ کو قسمت کی سنگدلی پر بے اختیار رونا آیا۔ محبت نے اسے کنیز بنا کر چھوڑا۔ لیکن وہ ابھی تک برتری کے احساس سے محروم نہ ہوئی تھی۔ جعفر اس کا مہمان تھا اور عرب کتنے مہمان نواز واقع ہوئے ہیں؟ عباسہ اپنے بودے خیال پر مسکرائی۔

اسے اپنی مرغوب خوشبو استعمال کئے پورا تیسرا روز تھا۔ شاید کسی رات اسے کنیز بن کر جعفر کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع مل جائے تو وہ خوشبو سے عباسہ کو پہچان نہ لے۔ جب وہ جعفر کے خیمے پر رکی۔ اس وقت چوتھی کا چاند غروب ہو رہا تھا۔ اس کی صرف بالائی نوک، شمشیر کی نوک کی طرح افق کے نیام سے باہر رہ گئی تھی۔

عباسہ نے پردے سے کان لگا کر خیمے کی اندرونی فضا کا ابتدائی جائزہ لیا۔ جعفر غالباً سو چکا تھا۔ وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئی اور سب سے پہلے خیمے میں جلنے والی شمع گل کی۔ جعفر کی آنکھ کھل گئی۔ شمع بجھانے والی کنیز نے خنودگی کے باوجود اس کے ذہن کو سوچ سے روشن کر دیا۔ وہ دوسری تمام کنیزوں سے اتنی مختلف کیوں ہے؟ اس کے شبستان میں آج تک کوئی کنیز داخل نہیں ہوئی تھی جس کے دل میں شمع گل کرنے کا خیال بھی پیدا ہوا ہو۔ عملی طور پر شمع گل کر دینا تو بڑے حوصلے کا کام تھا۔

جب کنیز نے پلنگ کی پٹی پہ ہاتھ رکھا تو اس کی کلائی جعفر کی گرفت میں چلی گئی اور وہ آہستہ سے بولا:۔

"کون ہو ــــــــ!"

اور کنیز نے کوئی جواب دئے بغیر اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کے دونوں ہونٹ بند کر دئے۔

سچ پوچھیں تو اسے کنیز کی آہٹ نے نہیں بلکہ اس مہک نے جگا دیا تھا جو بوجھل اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی۔ اور جب کنیز کی انگلیاں اس کے ہونٹوں سے مس ہوئیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا:۔

"شہزادی!"

"میں تمہاری محبت میں سب کچھ ہار بیٹھی جعفر۔ اب مجھے اپنی کنیز تصور کرو!"

جعفر بستر سے اتر آیا اور خیمے میں بیقراری سے ٹہلتے ہوئے بولا "فطرت کے خلاف اس بغاوت کے مرتکب تو امیر المومنین ہوئے ہیں شہزادی۔ لیکن اس کے شعلے بھڑکانے کے الزام میں دھرے ہم جائیں گے!"

عباسہ نے ایسا قہقہہ لگایا جس کی صدائے بازگشت جعفر پہ سحر کا سا اثر کرنے لگی:۔

"سزا سے ڈر گئے؟"

نہر کے کنارے پچھلی رات کی خنکی کے باوجود جعفر نے پیشانی پہ پسینے کے قطرے لرزتے محسوس کئے اور آستین کی اضطراری حرکت کے ساتھ انہیں پونچھ ڈالا۔ یہ خوف نہیں بلکہ ندامت کا پسینہ تھا۔ عباسہ جعفر کے اندیشوں کو تھپکنے لگی:۔

"موت ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر سکے گی؟"

موت ـــــ محبت اور عباسہ ۔ کاش ۔ وہ عباسہ کے عشق کی گہرائیوں میں جھانک سکتا۔ وہ کس شان سے موت کا مذاق اڑا رہی تھی ۔ وہ بولی: "محبت نے مجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں زندگی کی مداخلت برداشت نہیں کی جا سکتی۔" وہ اپنے لبوں سے جعفر کے سانسوں کی حرارت ٹٹولتی اس کے پاس پہنچ گئی اور اس کا دامن تھام کر بولی: "جعفر ـــــ آؤ۔ میرے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر میری زندگی کا سارا رس نچوڑ لو۔ اپنے سانسوں کی حرارت سے گوشت اور پوست کی دیواریں پگھلا کر میری روح کو آزاد کر دو۔"

جعفر کے بازو عباسہ کے اردگرد پھیلنے لگے: "شہزادی۔"

"عباسہ کہو، جعفر۔"

"عباسہ"

"جعفر ـــــ!"

وہ دونوں والہانہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے ۔ اگرچہ ان کے خاکی ڈھانچے ایک دوسرے میں ضم نہ ہو سکے لیکن ان کی روحیں اپنی تمام اُمنگوں اور ارمانوں سمیت ایک دوسرے میں حل ہو گئیں۔

جب عباسہ کو ہوش آیا فضا پر رات کا ہلکا سا پردہ بدستور پھیلا ہوا تھا۔ اس نے سب سے پہلے سکوت کی مخصوص آوازوں پر کان لگائے ـــــ پتیوں پر شبنم کے آنسوؤں کے گرنے ـــــ کلیوں کے چٹکنے، غنچوں کے مسکرانے کی آوازوں پر! اس نے آہستہ آہستہ مڑ کر دیکھا۔ جعفر، ہجر کی کئی طویل کالی راتیں آنکھوں میں کاٹنے کے بعد عباسہ کی پریشان زلفوں، معطر سانسوں کے سائے میں چین سے سو رہا تھا۔

صبح کے تارے کی جھلملاتی ہوئی سبز، نیلگوں ملکوتی روشنیاں اس کے حسن ہی کو نہیں بلکہ مردانہ وقار کو ایسے عروج سے ہمکنار کر چکی تھیں جس سے متاثر ہو کر عباسہ سو سو بار خراج عقیدت پیش کر رہی تھی اور وہ اسے دور دور سے آنکھوں آنکھوں میں چومنے لگی:

○

غنچے کو پھول بنا دینے میں شبنم کے ہونٹوں اور نسیم سحر کے بازوؤں کی کارفرمائیوں کے مقابلے پر عباسہ کی نسائی تکمیل کے لیے جعفر نے معجزہ دکھایا۔ اب وہ مکمل عورت تھی —— ایسی عورت جس کی بارگاہ میں مردوں کے سر جھکتے، جھکتے رہنے چاہئیں اور ایسی عورت کو "اپنے" مرد کے پیار پر تسلط قائم رکھنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ان کے صحیح استعمال کا سلیقہ جانتی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ اس کی وہ مخصوص —— مرغوب مہک جو اب جعفر کی کمزوری بن کر رہ گئی تھی:

جعفر کے سائے میں رات گزارنے کے بعد اگلی صبح جب وہ اپنی بری طرح الجھی ہوئی زلفیں سنوارنے کے لیے آئینے کے سامنے رکی تو اپنے آپ کو پہچاننے میں جتنی زیادہ دیر لگی اس سے کہیں زیادہ لطف بھی آیا۔ اب تو جعفر کے ساتھ ساتھ اسے اپنی ذات سے بھی پیار ہو گیا تھا۔ جعفر کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد؟ واقعی یہ جعفر کے التفات وانتخاب کا کرشمہ تھا۔ جعفر نے عباسہ کو خود عباسہ سے پیار کرنا سکھا دیا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے ایسی رکی کہ ہلنے کا نام بھی نہ لیا۔

صبح کی ہوا کے دجلہ سے دھلے ہوئے جھونکے پردوں کو بیتابی سے ادھر ادھر

ہٹاتے اندر آرہے تھے۔ آج یہ جھونکے اجنبی لذتوں سے لدے ہوئے تھے۔ عباسہ نے کھڑکی کے پار سیب کے پھولے پھلے ہوئے پودے پر نگاہ ڈالی۔ چھوٹے چھوٹے گول مول سیبوں کے خوشوں سے بل کھاتی ہوئی شاخ پر بیٹھی ہوئی فاختہ چونچ سے پروں میں کنگھی پھیر رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے ایک دم سے اپنے پر پھیلائے۔ اس گول مول سی گداز ―― مدور چیز کو دیکھ کر عباسہ شرمائی، مسکرائی اور کھڑکی سے دور ہٹ گئی۔

اب وہ اپنے اندر اور باہر رونما ہونے والی فطری تبدیلیوں کی خاموش زبان سمجھ سکتی تھی اور اسے یقین تھا محبت کی معراج کے لئے یہ تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔

اس نے تالی بجا کر کنیز کو بلایا مشرقی دریچوں سے سورج کی ابتدائی ترچھی کرنیں اندر آرہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کے ہلتے ہی انگلیوں میں پھنسی ہوئی انگوٹھیوں کے ہیرو سے کرنیں اس طرح منعکس ہوئیں کہ خیمے میں ایک ساتھ کئی رنگ بکھر گئے۔ کنیزیں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

اس نے جس وقت سے جعفر کے شبستان میں کنیزوں کے داخلے پر پابندی لگائی تھی اسی وقت کنیزوں کی سرگوشیوں کو انتہائی لطیف موضوع مل گیا تھا۔ عباسہ نے صرف طل کو رکنے کا اشارہ کر کے باقی سب کو رخصت کر دیا اور جب وہ چلی گئیں تو عباسہ بولی :۔

"اسی وقت جاؤ طل ―― جانتی ہو عطر کی شیشیاں کہاں رکھی ہیں ؟"

"جانتی ہوں بانو۔"

"اسی وقت دس بارہ شیشیاں لے کر فوراً واپس آؤ۔"

"اور جب طل جانے لگی تو عباسہ نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا:۔ دیکھو ——— حرم والوں کی نظروں سے بچ کر جانا اور ——— !"

"میں جانتی ہوں بانو۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہارون کی بہن کے جذبات سے تو کماحقہ آگاہ تھی لیکن خاتون حرم ——— زبیدہ کیا سوچ رہی تھی؛ طل کو اس کی ہوا بھی نہ لگی جب وہ عطر کی شیشیاں لے کر دروازوں پر پڑے ہوئے دبیز ریشمی پردے ایک طرف ہٹاتی برآمدے کی سیڑھیاں اتر رہی تھی خاتون حرم اچانک اس کے راستے میں آ گئی۔ طل نے نظریں بچا کر نکل جانے کی کوشش کی لیکن زبیدہ تو شاید بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے طل کو روکا:۔

"ارے ——— تم کہاں ہو؟"

طل رک گئی۔ زبیدہ اس کے قریب آئی اور گلے سے قیمتی ہار اتار کر طل کو انعام کے طور پر دیتے ہوئے بولی: "ندوم کے مالِ غنیمت میں سے تمہارا حصّہ۔"

طل نے اس قیمتی انعام کے حصول میں افسوسناک بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا۔ اسے اتنا بھی خیال نہ رہا کہ عباسہ نے عطر کی جن شیشیوں کو حرم والوں کی نگاہ سے بچانے کی تاکید کی تھی۔ وہ زبیدہ کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہیں۔ زبیدہ بولی:۔

"عباسہ کہاں ہے؟"

"جشن دہ روزہ کے انتظام میں مصروف۔"

"اوہ ——— مجھے تو اس جشن کا خیال تک نہ آیا۔ تم میری طرف سے پوچھنا طل ——— اس نے ہمیں اس میں شامل ہونے کی دعوت کیوں نہ دی؟" اور پھر لمحے بھر کی

خاموشی کے بعد بولی بجز کوئی مصلحت ہو گی۔ نیر ـــــ اب تم یوں بدحواس ہو کر کہاں بھاگی چلی جا رہی ہو؟" زبیدہ کی نظریں ابھی تک عطر کی شیشیوں پر مرکوز تھیں جن سے خارج ہونے والی خوشبوؤں کے طوفانی قافلے حرم کی وسعتوں میں آوارہ پھر رہے تھے طل کو خاموش پاکر زبیدہ بولی :-

"خوشبوؤں کے انتخاب کے معاملے میں عباسہ کا معیار قابلِ رشک ہے۔ وہ دس روزہ جشن کے مطابق خوشبوؤں کا جو ذخیرہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ صرف چار ہی راتوں میں ختم ہو گیا؟"

کنیز کو اپنی بد احتیاطی ـــــ حماقت کا احساس ستانے لگا۔ وہ جس راز کو خاتون حرم سے چھپانا چاہتی تھی۔ خوشبوؤں کے سرکش قافلے اسے حرم کی وسعتوں میں بے دردی سے ظاہر کر چکے تھے۔ کنیز کا جی چاہا زبیدہ خاتون کا بخشا ہوا ہار اس کے منہ پہ مارتی بھاگ جائے۔ لیکن زبیدہ خاتون کا وقار و احترام بھی آخر کوئی چیز تھا۔ وہ طل کی بدحواسی سے محظوظ ہو رہی تھی۔ بولی :-

"اتنی بدحواسی کی کیا ضرورت ہے طل ـــــ ان خوشبوؤں کی ضرورت تو شام کے بعد محسوس ہو گی۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ جشن کیسے جا رہا ہے؟"

طل سوچے سمجھے بغیر خاتونِ حرم کے پاؤں میں گر گئی :" کنیز پر رحم کیجئے خاتون حرم۔ بانو میرا بیتابی سے انتظار کرتی ہوں گی۔"

"اور ہمیں اس کی بیتابیوں سے ہمدردی ہے طل ـــــ"

زبیدہ خاتون مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ نہر دجیل کے کنارے باغیچے کی طرف جاتے وقت طل کے دماغ میں بیک وقت کئی خیال ایک دوسرے میں اُلجھ کر رہ گئے۔ عباسہ سے

کہہ دوں کہ خاتونِ حرم نے شکایت کی ہے ؟ بالکل نہیں۔ اسے تو حرم میں خاتونِ حرم کی ملاقات تک سے مکر جانا چاہیئے ورنہ عباسہ اس کی کھال کھنچوا لے گی۔

ہلل کو عطر کی شیشیوں کے ساتھ اپنے سامنے دیکھ کر عباسہ اتنی خوش ہوئی کہ یہ پوچھنا ہی بھول گئی۔ تمہیں کسی نے میرے کمرے میں جاتے یا آتے دیکھا تو نہیں؟ اس کی توقع کے بالکل خلاف دس روزہ جشن نے اس کے ارد گرد مسرتوں کی ایسی دنیا آباد کر دی تھی جس میں اندیشوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اگرچہ ہارون اور زبیدہ مشرقی دنیا کے بادشاہ اور ملکہ کی حیثیت سے بغداد میں موجود تو ضرور تھے لیکن عباسہ تو اس وقت روئے زمین ——— کہکشاں، ستاروں اور سیاروں ——— اور نظامِ شمسی سے ماوراء تمام کائنات کی ملکہ بن چکی تھی۔

جشن دہ روزہ ابھی جاری تھا۔ جعفر اس کے بازوؤں میں تھا۔ وہ جعفر کے بازوؤں میں۔ عباسہ کے جذبات و محسوسات کی فراوانی سے بوجھل ہونٹ جعفر کے ہونٹوں میں پیوست تھے اور جعفر کی محبت سے مشکبار سانسیں عباسہ کے ہونٹوں سے الجھی ہوئی۔ نشاط و سرور کا یہ عالم تھا کہ ہزار احتیاط کے باوجود لغزشیں سرزد ہو رہی تھیں۔ غالباً اس لئے کہ اب بذاتِ خود لغزشیں بھی ندامت نہیں بلکہ راحت کا سرچشمہ بن چکی تھیں۔

جب عباسہ پہلی بار جعفر کے شبستان میں داخل ہوئی تھی چوتھی تاریخ کے ہلال کی نچلی نوک افق کے نیام میں چھپ رہی تھی اور جب آخری رات داخل ہوئی چودھویں کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ یہ چیز محبت کے پہلے شعلے کی طرح سفید تھی۔ چاندنی ——— دجلہ کی لہریں، سیب کے پھول۔

اور دسویں رات ——— پچھلے پہر جعفر کے خیمے سے نکلنے کے بعد اس نے اپنی چاندنیوں

بیسواں باب

مصلحت

محل کے زینے پر پہلا قدم رکھتے ہی عباسہ کو ایک ناقابل فہم تبدیلی کا احساس ہوا۔ یا تو یہ زینے اس کے قدموں سے غیر مانوس ہیں اور یا اس کے قدم ان زینوں سے۔ کیا جعفر کی قربت کا سرور اتنا تیز تھا ـــــ اتنا دیرپا تھا کہ ـــــ لیکن وہ تو یہ سب چیزیں نہر دجیل کے کنارے اپنے باغیچے ہیں ـــــ جعفر کے خیمے کی دہلیز کے پار چھوڑ آئی تھی۔

کاش ـــــ اسے معلوم ہوتا کہ مسرتوں کا بھی ایک مخصوص بوجھ ہوتا ہے۔ سرور کی سرحدوں کے پار غم کے سوا اور کون سی چیز آباد ہو سکتی ہے؟ جب قہقہے عروج پر پہنچتے ہیں تو آنسوؤں میں ڈوب جاتے ہیں۔

اس کے قدم یقیناً مسرتوں کے اسی بوجھ سے ڈگمگا رہے تھے۔ وہ قدم قدم پر احتیاط کا سہارا لیتی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور اس کی سب سے پہلی نظر قد آدم آئینے میں اپنے ہی عکس پر پڑی۔ مسرت کے چند ہی لمحوں نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا؟

اچانک آئینے پر ایک اور عکس بھی تیزی سے ابھرنے لگا۔ خوفزدہ عباسہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پائی۔ خاتون حرم زبیدہ کا عکس مکمل ہونے لگا اور ذرا دیر بعد عباسہ

نے اپنے کندھے پر اس کے ہاتھ کا ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کیا۔

"میں دس روزہ جشن کی کامیابی پر تمہیں ہدیہ تبریک پیش کرنے کو ترس رہی ہوں۔"
زبیدہ بولی:۔"ماشاءاللہ —— ماشاءاللہ۔" زبیدہ آئینے پر عباسہ کے عکس کو حیرت سے تک رہی تھی:۔"یہ جشن تمہیں خوب راس آیا —— عباسہ۔"

عباسہ نے اس سے آنکھیں ملانے کے لئے اپنا دل ٹٹولا اور اسے زبیدہ کے خیال سے بالکل خالی پاکر اپنی نظریں جھکالیں:۔

"میں نے امیرالمومنین کی معرفت آپ کو شرکت کا پیغام بھجوادیا تھا بھابی۔"

"تم نے نہیں —— عباسہ۔ ہارون نے ہمیں یقیناً یاد کیا تھا۔ لیکن تمہارے جشن میں تمہاری اجازت کے بغیر میں کیسے شرکت کرتی۔"

"بھابی —— ؟"

"حالانکہ مجھے اس جشن سے محرومی کی شکایت کرنے کا حق حاصل ہے لیکن میں نے اپنے سارے گلے ہارون کے لئے محفوظ رکھے ہیں۔ تم سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں۔"

"مجھے ندامت کا احساس جلائے جارہا ہے۔"

"کیوں باتیں بناتی ہو عباسہ۔ اب تو تم شاید ندامت کے مفہوم کو بھی نہیں سمجھ سکوگی۔"
عباسہ کی خاموشی کے دوران میں خاتونِ حرم محسوس کرنے لگی جیسے وہ خود اپنے روحانی عذاب کی غمازی کرتے وقت عباسہ کی برتری پہ مہرِ تصدیق ثبت کررہی ہے وہ بولی:۔"روم کی جنگ سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں بعض ایسی نایاب چیزیں شامل تھیں جن میں سے چند ایک میں نے تمہارے لئے پسند کی ہیں۔ فرصت کے وقت اپنا حصہ آکر لے جانا۔"

"شکریہ ——— بھابی"

عباسہ نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں۔ زبیدہ کا عکس ابھی تک آئینے پہ پڑ رہا تھا۔ وہ واپس جارہی تھی۔ عباسہ ایک دم مڑی۔ زبیدہ واپس جارہی تھی۔ وہ اسے خاموش کھڑی دیکھتی رہی اور جب زبیدہ اس کے کمرے سے نکل گئی تو عباسہ تھکے ہوئے مسافر کی طرح بستر پر گر گئی۔ زبیدہ کی موجودگی کا یہ ایک لمحہ دس روزہ جشن کی مسرتوں، طربناکیوں پر بے نام اندیشوں کا پردہ ڈال چکا تھا۔

○

دن چڑھے ہارون حرم میں داخل ہوا۔ زبیدہ کے مزاج کا کیا عالم ہوگا؟ وہ جانتا تھا۔ اگر وہ اچانک اس کے سامنے چلا گیا۔ تو منصور کی پوتی جھلا اُٹھے گی اور پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ زبیدہ سے ملنے کے موزوں موقعے کی تلاش میں وقت گزارنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ زبیدہ بھی اس سے ملنے کی کوشش کرے گی۔

ہارون چپکے سے شہزادوں کے مطالعے کے کمرے میں آیا۔ مامون اکیلا بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ ہارون اس کے سر پہ جھک کر بولا:۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟"

مامون نے اٹھ کر باپ کا استقبال کیا اور زمین تک جھک کر بولا "۔ ایسی کتاب جو ذہن کی رفتار کو تیز کرتی ہے اور سماجی آداب کی اصلاح "

"ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ایسا فرزند عطا کیا جو شعور کی

آنکھوں سے کام لینا جانتا ہے۔"

ہارون فوراً باہر نکلا۔ جس حرم میں زبیدہ کے تنفس کی خوشبوئیں ڈگمگا رہی تھیں وہاں زبیدہ کے بغیر وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ اس کا جی چاہا۔ اسی وقت خاتون حرم کی بارگاہ ناز میں پہنچ کر سجدۂ نیاز پیش کرے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ اضطراری حرکت زبیدہ کو مغرور کر دے گی۔ ذرا اسے بھی بے چین ہو لینے دو۔ فولاد پہ صرف اس وقت چوٹ مارنی چاہیے جب وہ سرخ ہو۔

لیکن حرم کی آرائشیں ——— جن میں خاتون حرم کے ہاتھ، شوق اور محسوسات کی کارفرمائیاں چیخ چیخ کر ہارون کو زبیدہ کی طرف بلا رہی تھیں ——— ناقابل برداشت ہوتی چلی گئیں۔ وہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ قصر کرار کا سرد سکوت ہر جگہ اس کے استقبال کو موجود تھا۔ اس کی وحشتیں بڑھنے لگیں۔ زبیدہ کو ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ میں اس کے حرم کی خاموشیوں، تنہائیوں سے گھبرا رہا ہوں۔

زبیدہ کے حرم میں ایسی کئی کنیزیں موجود تھیں جن میں ہارون کا دل لبھانے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ زبیدہ نہیں تو کم از کم کوئی ایسی کنیز ہی سہی۔ کنیز کے خیال سے ہارون کا دل اچھلا۔ قصر کرار ہی میں رقص و سرود کی محفل کیوں نہ جمائی جائے؟ جب خاموش وسعتیں ساز اور پُرسوز آوازیں ہچکولے کھانے لگیں گی۔ زبیدہ کا غصہ کافور ہو جائے گا اور رقابت کی آگ اسے بے چین کر کے ہارون کی گود میں لا ڈالے گی۔

اس نے جھروکے کا پردہ سرکا کر باہر دیکھا اور اچانک ایسی کنیز پہ نظر جا پڑی جس میں دلربائی کی تمام صفتیں موجود تھیں۔ ہارون نے اسے اشارے سے بلایا:۔

"ایک عود لے کر فوراً میرے پاس آؤ۔"

کنیز خوشی سے جھوم اٹھی اور فوراً عود لے کر واپس آگئی "پردے گرادو!" ہارون نے حکم دیا۔" اور میرے قریب بیٹھ کر عود بجاؤ۔"

کنیز کو ایک عرصے کے بعد ہارون کی خلوت میسر آئی تھی۔ خاتونِ حرم کے محبوب کو لبھانا کتنا بڑا اعزاز تھا، وہ جانتی تھی۔ اس نے اپنی انگلیوں سے نہیں بلکہ جلتے ہوئے جذبات سے تار چھیڑے اور تار سوز اگلنے لگے۔ ہارون نے اسے گانے کا اشارہ کیا۔

مامون بالکل قریب بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ لیکن سوز و ساز کے طوفان میں اس کتاب کا مطالعہ ناممکن ہو گیا جو ذہن کی رفتار میں تیزی کے علاوہ سماجی آداب میں اصلاح بھی کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ باپ ہی کی طرح وہ بھی اس کنیز کے جمال و آواز کی زنجیروں میں گرفتار ہو چکا تھا۔ زبیدہ کا ذاتی محل —— قصر قرار صرف شعر و نغمہ ہی نہیں بلکہ حسن و عشق کا گہوارہ بن چکا تھا —— ایسا گہوارہ جہاں فسوں کار آوازیں جذبات و محسوسات کو تھپکنے کی بجائے جھنجھوڑ کر کیف و مستی کے طوفان سے ہمکنار کرتی تھیں۔

مامون بے اختیاری کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں باپ اور بیٹے کی منظورِ نظر کنیز امیر المومنین کا دل بہلا رہی تھی۔ بدقسمتی سے کنیز غلط شعر پڑھ رہی تھی جنہیں شہزادے کا بلند علمی مذاق ہضم نہ کر سکا اور اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ شہزادے کی طبیعت منغص کرنے کے خیال سے کنیز کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اپنی غلطی کی وجہ سے وہ کہیں اس شہزادے کی نظروں سے نہ گر جائے جو باپ کے بعد امیر المومنین بننے والا تھا۔ حرم کی کنیزوں نے بھی اپنے ارد گرد خواب و خیال کی سی کیسی دنیائیں آباد کر رکھی تھیں۔

کنیز کے چہرے کے تیزی سے بدلتے رنگ دیکھ کر ہارون پریشان ہو گیا اور

اچانک مامون کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے بولا:۔ کنیز کی غلطی پر کہیں تم نے اسے جھڑک تو نہیں دیا؟"

"نہیں —— امیر المومنین!"

"اشارے سے بھی نہیں؟"

"اشارے کے جرم کا ضرور مرتکب ہوا ہوں"۔

"تو پھر یہیں کہیں میری نظروں اور آواز کی زد میں بیٹھ کر انتظار کرو" ہارون بولا:۔
"اور میں جو حکم دوں اس کی تعمیل کرکے مجھے فوراً اطلاع دو!"

ہارون نے یہ کہنے کے بعد کاغذ اور قلم دوات منگا کر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ اور ذرا دیر بعد مامون کو بلا کر یہ خط اس کے ہاتھ میں دے دیا:۔ "اسے پڑھو اور دوپہر کے کھانے پر —— مجھے آکر اطلاع دو کہ اس کی تعمیل ہو چکی ہے۔"

مامون کاغذ لینے سے پہلے جھکا اور جب واپس جانے لگا تو ہارون بولا:۔ "اور دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھا رہے ہو۔"

مامون نے ہارون کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی خط کھول کر پڑھا۔ ہارون نے دو ایک سطروں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی:۔ "میں حیران ہوں کہ جو شہزادہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے جو ذہن کی رفتار میں تیزی اور سماجی آداب میں اصلاح کرتی ہیں وہ اپنے باپ کی مجلس کے آداب کیسے بھول گیا؟ دربان سے کہو۔ مجھے بیس کوڑے لگاؤ۔"

مامون سیدھا دربان کے پاس پہنچا:۔

"مجھے بیس کوڑے لگاؤ۔"

دربان نے معذرت کی۔

"یہ امیر المومنین کا حکم ہے۔" مامون بولا:۔ "اور مجھے دوپہر کے کھانے پر انہیں بتانا ہو گا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی۔"

دربان نے مجبوراً شہزادے کے بیس کوڑے لگائے اور مامون بیتابی سے دسترخوان کے بچھنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ سعادت کئی دنوں کے بعد نصیب ہونے والی تھی۔ وہ سوچنے لگا:۔ شاید سزا سنانے کے فوراً بعد امیر المومنین کا دل پسیج گیا۔ یہ وہ لمحات ہوتے تھے جب ہارون کی رقت سے فائدہ اٹھا کر اس کے سامنے ہر خواہش ظاہر کی جا سکتی تھی۔

جب مامون کھانے کے وقت پر اس کمرے میں داخل ہوا جہاں دسترخوان بچھنے والا تھا تو ایک کنیز ہارون کے ہاتھ دھلا رہی تھی۔ یہ کنیز مامون کی پہلی محبت کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ دونوں میں کئی ملاقاتیں بھی ہو چکی تھیں لیکن شہزادے کا پہلا رومان اشاروں اور کنایوں سے زیادہ ترقی نہیں کر سکا تھا۔

توقع کے بالکل خلاف آج ہارون بالکل اکیلا تھا۔ مامون نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے پیاسے ہونٹوں سے کنیز کو بوسے کا اشارہ کیا جسے سمجھنے کے بعد کنیز نے نادم ہو کر اپنی پلکیں جھکا لیں۔ مامون یہ سمجھا گویا وہ اسے ملامت کر رہی ہو۔ لیکن نہ جانے اس اشارے نے کنیز کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ اسے امیر المومنین کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے کا بھی خیال نہ رہا اور ہارون حیرت سے کنیز کو دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" وہ چلایا

کنیز سہم گئی اور اس نے جواب دینے کی کوشش میں مزید بدحواسی کا مظاہرہ کیا۔ ہارون بولا:۔ "ساری بات سچ سچ کہہ دو۔ ورنہ اسی وقت تمہارے قتل کا حکم صادر ہو

جائے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے مڑ کر شہزادے کو دیکھا۔ خوف اور ندامت سے اس کے چہرے پر ایسے رنگ بکھیر دئے تھے کہ اسے شہزادے کی حالت پر رحم آگیا اور بولا:۔

"تم اس کنیز کو چاہتے ہو؟"

مامون انکار نہ کر سکا۔ اور شہزادے کی جرات و راستبازی سے ہارون اتنا خوش ہوا کہ وہ کنیز فوراً اسے بخش دی:۔

"لیکن ایک شرط پوری کرنی ہوگی" ہارون بولا:۔ اس واقعے پر چند فی البدیہہ اشعار کہو۔"

منہ مانگے انعام کے حصول کی خوشی میں مامون نے یہ اشعار کہے:۔

"میں نے ایک غزالہ کو آنکھوں آنکھوں میں
اس کے متعلق اپنے جذبات و محسوسات سے آگاہ کیا۔
میں نے اسے دور سے چوما لیکن وہ اپنے ہونٹوں سے معذرت کرنے لگی۔
اور اپنے ابروؤں کے بل کی زبان میں
مجھے انتہائی لذیذ جواب دیا۔
اور جب تک میں نے اس پر مکمل قبضہ حاصل نہ کر لیا۔
اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلا۔"

○

خاتون حرم کے مطبخ سے وقت پر ہارون کو کھانا پہنچ جانے کے بعد اس بات کا یقین

ہو گیا تھا کہ وہ اب بہت جلد ہارون کے پاس آجائے گی۔ لیکن روم کی جنگ سے واپس آنے کے بعد سارے بغداد کو نظر انداز کر کے براہ راست عباسہ کے باغیچے کی طرف مڑ جانے اور پورے دس روز اور راتیں بسر کر دینے سے زبیدہ کو اتنی شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں جنہیں ایک ہی دن میں بھلا دینا بہت مشکل تھا۔

ہارون دیر تک محل میں چکر کاٹتا رہا۔ وہ ایک ایک کنیز سے پوچھتا: خاتون حرم کہاں ہیں؟ لیکن اس کے سامنے جانے کسی خیال کو اپنے دل میں کوئی جگہ نہ دیتا۔ دن ڈھلے کسی کنیز کی زبانی معلوم ہوا کہ بغداد کا شہرۂ آفاق مجذوب ـــــــ بہلول حرم میں داخل ہو چکا ہے اور خاتونِ حرم اپنے بھائی عیسٰے کے ساتھ اسے ڈھونڈھ رہی ہیں۔

ہارون اور زبیدہ کے بغداد میں یہ بہلول بھی ایک عجیب و غریب کردار تھا۔ جس معاشرے میں دولت کی فراوانی اور عیش و نشاط کی افراط نے لوگوں کو اس قدر موہ لیا تھا کہ وہ اپنی خواہشوں کے تعاقب میں اپنے آپ سے غافل ہو چکے تھے۔ اس وقت بہلول اپنے آپ میں ڈوب گیا تھا۔ جہاں تک امراء کا تعلق ہے تقریباً ہر ایک گھرانا بہلول کے انتظار میں ہوتا۔ خوشی اور مسرت کے مارے ہوئے لوگ اس سے سوال کرتے۔ وہ ان کے انتہائی دلچسپ جواب دیتا۔

ایسے موقعے پر ہارون کو قصرِ قرار میں بہلول کی آمد سے بڑی تقویت پہنچی۔ آج وہ زبیدہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بہلول کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بھی بہلول کو ڈھونڈھنا شروع کر دیا۔ زبیدہ اور عیسٰے بہلول کے تعاقب سے مایوس ہو کر جس کمرے میں بیٹھے آرام کر رہے تھے۔ ان کی موجودگی سے بے خبر بہلول اسی کمرے میں داخل ہو گیا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ بہلول کی تلاش میں ہارون بھی اسی کمرے

کی دہلیز پہ رک کر اندر جھانکنے لگا اور ایک ساتھ زبیدہ اور بہلول کو دیکھ کر فوراً اندر چلا گیا۔

اور زبیدہ کی طرف دیکھے بغیر بہلول سے سوال کیا:۔

"بغداد میں جتنے پاگل موجود ہیں سب کے نام گناؤ۔"

"سب سے پہلا میں۔" بہلول بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" ہارون نے جواب دیا۔ اس نے ابھی تک زبیدہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ لیکن بہلول زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے بولا:۔

"دوسرے درجے پہ وہ ہیں۔"

"ہارون اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔ اسے یقین تھا کہ بہلول دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش میں یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔ زبیدہ بھی بہلول کے اس لطیفے سے پورا پورا لطف اٹھا رہی تھی لیکن زبیدہ کا خود سر —— مغرور بھائی اپنی ملکہ بہن کی توہین برداشت نہ کر سکا اور تڑپ کر بولا:۔

"دیوانی عورت کے بچے۔ تمہیں میری بہن کے متعلق یہ خیال کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"او بغداد کے بدتمیز نوجوان۔" بہلول بے دھڑک بولا:"تیسرے پاگل تم ہو۔"

ہارون نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ بہلول کے ساتھ ہنسی مذاق نے بالکل غیر متوقع پلٹا کھایا اور کہیں بات بگڑ نہ جائے اس نے مجذوب کو باہر نکل جانے کا حکم دیا:۔

"اور چوتھے پاگل تم ہو۔" یہ کہنے کے بعد بہلول باہر نکل گیا۔

بغداد کے پاگلوں میں زبیدہ کے بعد ہارون کی شمولیت کے خیال سے زبیدہ کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اگرچہ اس کا بھائی غصے سے باہر جا چکا تھا لیکن وہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔

ہارون بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گیا ۔ زبیدہ بولی :۔

"تو گویا ہم سب پاگل ہیں ۔ اور اگر مجنوں کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر دیوانہ بکار خویش ہشیار والی ضرب المثل کا کیا ہو گا ؟"

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ دس روزہ جشن کے میزبان اور مہمان ـــــ دونوں ایک ساتھ پاگل نہیں کہے جا سکتے ۔"

"اب جانے بھی دو ـــــ زبیدہ !"

"کیسے جانے دوں ۔ ایک ساتھ ہزاروں شکایتوں کے چھالے زبان کو چین سے محروم کر چکے ہیں ۔ میں حیران ہوں کہ جب عباسہ نے فیاضی کا ثبوت دے کر مجھے آپ کی معرفت جشن میں شرکت کی دعوت دی تو پھر آپ نے کس مصلحت کے پیش نظر عباسہ کا نام لینا گوارا نہ کیا ۔"

"تمہیں مدعو کرنے کے لئے عباسہ نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہ کیا ۔"

"اچھا ـــــ تو گویا جشن کی مسرتوں کے انبار میں اتنی بڑی بات بھی آپ کے ذہن سے محو ہو گئی ؟"

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں زبیدہ ـــــ خاتون حرم کے متعلق عباسہ نے ہم سے کوئی بات نہیں کی ۔ ہم نے اپنے طور پر تمہیں بلا بھیجا تھا ۔"

زبیدہ کو خاموش پا کر ہارون اسے دیکھنے لگا ۔ اب وہ خود سوچ رہا تھا کہ عباسہ نے خاتونِ حرم کو جشن میں شرکت کی دعوت کیوں نہ دی ؟ شاید اس لئے کہ ـــــ زبیدہ کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ہارون کی محبت نے جوش مارا اور وہ سنجیدگی سے سوچنے لگا ۔

عباسہ نے اسے کیوں نہ بلایا؟ اس خیال سے پیار کی نفسیاتی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ زبیدہ کے معطر سانس ہارون کے رخساروں، ہونٹوں نتھنوں کو مس کرتے گزرتے وقت طلسمی اثر کر رہے تھے۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی اپنی جگہ پہ قائم تھا کہ اگر ہارون خاموش رہا تو شاید زبیدہ اپنی شکائتیں یاد کر کے اسی وقت چلی جائے۔

وہ تیزی سے بولا:۔

"واقعی زبیدہ —— اب میں سنجیدگی سے سوچنے لگا ہوں کہ عباسہ نے تمہیں شرکت کی دعوت کیوں نہ دی؟"

"کیا معلوم —— اس میں شہزادی کی کوئی مصلحت کارفرما ہو؟"

"شہزادی کی کوئی مصلحت —— کون سی مصلحت؟"

زبیدہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ہارون کی سوچ کو مطلوبہ خوراک بہم پہنچانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس وقت صرف اتنی سی بات ہی بہت کافی تھی۔ اور کہیں اس سوچ کی سنجیدگی امیرالمومنین کو واقعی سنجیدہ نہ بنا دے۔ اس نے ہارون کا ہاتھ پکڑا اور بولی:۔

"میں نے امیرالمومنین کے ہجر میں بہنے والے آنسوؤں کے تار سے جتنے ہار گوندھے تھے، کملا گئے اور میری بھیگی آنکھیں اُس اشتیاق کا کوئی ایک شعلہ بھی زندہ نہ رکھ سکیں۔ جس کی بھٹیاں آپ کے فراق میں اچانک بھڑک اٹھی تھیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ اگر اجازت ہو تو اپنے ہرجائی —— خود فراموش محبوب کی خوشی میں ہم بھی آج رات ایک جشن منا لیں؟"

"اجازت ہے۔"

"اور اگر یہ محفل دس روزہ جشن کی یاد تازہ نہ کر سکے تو ——"

"اب اسے بھول جاؤ زبیدہ۔" ہارون نے زبیدہ کے منہ سے بات چھین لی۔

"عباسہ کا دس روزہ جشن اپنی جگہ اور خاتون حرم کی صرف ایک شب بینہ محفل اپنی جگہ۔"

اکیسواں باب

جال

یحییٰ اور اس کے بیٹوں کے علم و فضل اور سخاوت و دریا دلی کے لاکھوں افسانے مشہور ہیں اور ان میں سے ہر ایک افسانہ لاکھوں پر بھاری۔ جس زمانے میں ہارون اور جعفر عباسہ کے باغیچے میں دس روزہ جشن منا رہے تھے اور یحییٰ بستر علالت پر دراز جعفر کی جان کے صدقے میں خزانے لٹا رہا تھا۔ فضل اپنے باپ اور بھائی جعفر پر بیتنے والے واقعات کی تلخی دور کرنے کے لئے بغداد سے دُور دجلہ کے کنارے شکار کو نکل گیا۔

سینکڑوں احباب ہمراہ رکاب تھے۔ خیموں کی کثرت سے جنگل میں شہر آباد ہو گیا تھا۔ جب شکار سے فراغت ہوتی تو علم و ادب کی محفل جم جاتی۔ ایک روز فضل دن ڈھلے ایک ایسی محفل میں بیٹھا تھا کہ ایک بدّو اونٹ پر سوار جنگل کی طرف سے آیا اور فضل اسے دیکھتے ہی بولا:۔

"وہ ہمارا مہمان ہے"

ذرا دیر بعد بدّو خیموں کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ یہ شان و شوکت دیکھ کر اس کے

دل نے کہا :۔ امیر المومنین کا لشکر یہاں پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔ چنانچہ فوراً اونٹ سے اتر پڑا اور اس کی نکیل کسی قریبی خیمے کی طناب سے اڑا کر بصد ادب و احترام محفل کی طرف آیا اور فضل کو امیر المومنین سمجھ کر "السلام علیکم یا امیر المومنین ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ" بولا۔

فضل نے اسے تیزی سے جھڑک دیا :۔

"ارے چپ رہ —— کیا کہتا ہے ؟"

بدو فوراً اپنی غلطی سے باخبر ہو گیا اور بولا : "السلام علیکم یا ایہا الامیر۔"

"وعلیکم السلام۔" فضل نے جواب دیا اور اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو فضل بولا :۔

"میرے معزز مہمان عرب کے کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں اپنے قبیلے میں کون سا درجہ حاصل ہے ؟"

"میرے قبیلے کا نام قضاعہ ہے اور معززین میں شامل ہوں۔"

"بہت خوب۔ عراق سے ارضِ قضاعہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے ؟"

"جہاں تک مجھے علم ہے۔ تقریباً دو ہزار چار سو میل۔"

"اوہو —— تو پھر آپ فوری طور پہ یہ بتایئے کہ ایسی کون سی بے رحم ضرورت تھی جو میرے معزز مہمان کو یہاں کھینچ لائی۔"

"مجھے ان فیاضوں کی شہرت یہاں کھینچ لائی جن کی سخاوت اور دریا دلی کے افسانے تمام ملکوں میں مشہور ہیں۔"

"وہ کون لوگ ہیں۔"

"برامکہ۔"

"یہ تو پورے خاندان کا نام ہے جس میں چھوٹے بڑے کئی افراد شامل ہیں اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ آپ نے کس کو منتخب کیا ہے؟"

"اس کو ــــــ جو سب سے بڑھ کر فیاض ہے۔"

"اس کا نام؟"

"فضل"

"لیکن وہ تو بہت بڑا آدمی ہے۔ جب مجلس میں بیٹھتا ہے تو علوم و فنون میں یکتائے زمانہ لوگ اس کے ہم جلیس ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں ــــــ عالم، ادیب یا ماہر ایام العرب؟"

"نہ عالم ہوں نہ ادیب ــــــ بلکہ ایک معمولی سا آدمی۔"

"ایسی صورت میں فضل کے نام کسی کا سفارشی خط؟"

"نہیں جناب!" بدو نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر سخت تعجب ہے۔ تم آخر کس کے ذریعے سے فضل تک پہنچو گے؟"

"اپنے ان دو اشعار کے ذریعے سے ــــــ جو میں نے اس کی مدح میں کہے ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں ایک مشورہ دوں؟"

"جزاک اللہ یا ایہا الامیر۔"

"تم وہ اشعار سب سے پہلے مجھے سناؤ۔ اگر فضل کے معیار کے مطابق ہوں گے تو میں ان سے تمہاری ملاقات کی کوشش کروں گا۔ ورنہ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا تمہاری خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔"

بدو بولا: "بہت خوب۔ عرض کیا ہے کہ ؎

"تم نے دیکھا؟ سخاوت حضرت آدم کے زمانے سے اترتی چلی آئی۔
حتیٰ کہ فضل کے پاس پہنچی۔ اس کی سخاوت کا یہ عالم ہے
کہ اگر کوئی بچہ بھوک سے بلک رہا ہو۔ اور اس کی ماں
فضل کا نام لے لے۔ تو وہ بچے کی غذا بن جائے۔"

"سبحان اللہ" فضل بولا :- "بڑا اچھوتا خیال ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ تو فلاں شاعر کے اشعار ہیں اور ان کے عوض فضل سے گراں بہا صلہ بھی پا چکا ہے۔ پھر؟"

"اس وقت میں یہ کہوں گا۔"

اے فضل۔ آدم نے مرتے وقت تمہیں وصیت کی تھی۔
میرے بعد میری اولاد کا خیال رکھنا۔
اور تم نے اس وصیت کا خوب پاس کیا۔
اب اولاد آدم فاقوں سے محفوظ ہے"

"اچھے ہیں۔" فضل بولا: "لیکن فضل یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ تم نے دوسرے لوگوں کے رٹے رٹائے اشعار کہے ہیں اور چونکہ اس وقت دربار لگا ہو گا اور چاروں طرف سے نظریں تم پر پڑ رہی ہوں گی۔ اگر اس وقت فی البدیہہ اشعار کہنے پڑے تو کیا کرو گے؟"

"خدا کی قسم میں خاموش نہ رہوں گا اور یہ کہوں گا کہ ؎
اگر دریا دلی سے کہا جائے، کسی صاحب حوصلہ کو آواز دے
تو وہ برملا پکار اٹھے گی۔ یا فضل ——— یا فضل۔
اگر تمہاری سخاوت ریگستانوں کی ریت بانٹنے لگے۔
تو وہ بھی بہت جلد ختم ہو جائے گی۔"

فضل ہنس کر بولا: "کچھ اور ـــــــ!"

"آدمی دو قسم کے ہیں مشتاق اور فیاض۔

مشتاق تو میں ہوں اور فیاض فضل۔

فرق صرف یہ ہے کہ مجھ سے تو دنیا میں بہت ہیں۔

لیکن سخاوت میں فضل جیسا کوئی بھی نہیں۔"

جعفر جانتا تھا کہ وہ بدو لوگوں کے سنے سنائے شعر کہہ رہا ہے لیکن ایک صحرا نشین کو ایک ہی مضمون کے کتنے عمدہ اشعار یاد تھے۔ وہ حیران رہ گیا اور کچھ اور سننے کے انتظار میں بات بڑھائی:۔

"اگر فضل فرمائش کرے کہ ایسے اشعار کہو۔ جن میں نام کی بہ نسبت صرف فضل کی کنیت ظاہر ہو تو کیا کرو گے؟"

"اے ابوالعباس، اے یکتائے زمانہ

اے وہ بادشاہ کہ دوسرے بادشاہوں کے چہرے جس کی جوتیاں ہیں۔

لوگ پورب اور پچھم سے تیری طرف آرہے ہیں۔

ایک ایک اور شہد کی مکھیوں کے جتھوں کی طرح۔"

"بعض ایسے اشعار ـــــــ جن کے ہر مصرعے یا شعر میں فضل کا نام ہو۔"

"ایک ملامت کرنے والی نے فضل کو فیاضی کے بارے میں ملامت کی۔

تو میں نے اس سے کہا، ملامت دریا کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟

کیا تو فضل کو سخاوت سے روکتی ہے؟

بادل کو برسنے سے کون روک سکتا ہے۔

ویرانوں میں برس جانے والے بادلوں کی طرح

فضل کی فیاضیوں کے چشمے قریہ قریہ پھوٹ رہے ہیں۔

لوگ ہر طرف سے فضل کے پاس کھنچے چلے آتے ہیں۔

گویا فضل کی محفل میں گزرنے والی ہر رات شب برات ہوتی ہے۔" /

فضل ہنسی کے مارے مزید کوئی فرمائش نہ کر سکا اور جب ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے" تو بولا:۔

"اے عرب۔ میں فضل بن یحییٰ برمکی ہوں۔ مانگ —— کیا مانگتا ہے؟"

بدو اسی لہجے میں بولا: "دس ہزار دینار کی ضرورت تمہارے پاس کھینچ لائی ہے۔"

فضل نے اپنے کاتب کو دیکھا: "منظور"

کاتب سے نہ رہا گیا۔ سرگوشی کے سے انداز میں بولا: "جس شخص نے دو سروں کے اشعار سنائے وہ اتنے بڑے انعام کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہ فیاضی نہیں بلکہ اصراف ہے۔"

"فیاضی اور اصراف برطرف۔ عرب کو دس ہزار دینار کی ضرورت ہے اور اس کی ضرورت پوری ہونی چاہیئے۔"

فضل کا کاتب بھی بڑا اکایاں تھا۔ بولا۔ "صرف ایک شرط پر حضور" اس نے جھٹ کمان کے چلے پر تیر چڑھایا اور فضل کو پیش کرتے ہوئے بولا: "عرب پہ نشانہ باندھیے حضور۔ اگر وہ آپ کے وار کو کسی عمدہ شعر کی ڈھال سے بچانے میں کامیاب ہو گیا تو یہ گراں بہا عطیہ اس پہ حلال۔"

فضل کو یہ تجویز پسند آئی۔ فٹ کمان ہاتھ میں پکڑ لی اور بدو کا نشانہ لیا۔ بدو بولا:۔

"تیری کمان سخاوت اور بزرگی کی کمان ہے۔

اور تیرا تیر، عزت کا تیر۔ تو اس سے میری مفلسی کو نشانہ بنا۔"

فضل یہ شعر سُن کر اتنا خوش ہوا کہ دس ہزار دینار کے علاوہ ایک لاکھ درہم کا مزید اضافہ کیا اور بولا: "خدا نے مجھ کو تیرے ناقے کے شر سے بچا لیا۔"

انعام پا کر رخصت ہوتے وقت بدو کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فضل نے حیرت سے پوچھا: "اب کیوں روتا ہے۔ کیا کوئی اور خواہش باقی رہ گئی ہے؟"

وہ بدو بھرائی ہوئی آواز میں بولا: "میں اس بات پہ روتا ہوں کہ جب موت تم ایسے فیاض شخص کو ہم سے چھین لے گی تو اس وقت ہمارا کیا حال ہو گا؟" اور پھر کسی دوسرے شاعر کے یہ اشعار پڑھنے لگا۔ وہ شعر بھی کہہ رہا تھا اور رو بھی رہا تھا ؎

اونٹ یا گھوڑے کے مر جانے یا

مال کے گم ہو جانے کو مصیبت نہ کہو۔

مصیبت تو ایسے فیاض انسان کی موت ہے

جس کے مرنے سے پورا زمانہ مر جائے۔"

○

جس روز سے دس روزہ جشن شروع ہوا تھا جعفر کی جان کے صدقے میں برامکہ کے خزانوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ جعفر کے جن قہقہوں کو عباسہ اپنی محبت کے عروج سے تعبیر کر رہی تھی۔ یحییٰ اس کی مختلف تاویل کر رہا تھا۔ روم کی جنگ سے زندہ اور

سلامت آنے والے جانباز بیٹے کو دیکھنے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے یحییٰ کو جب یہ اطلاع ملی کہ امیر المومنین کے ساتھ ساتھ اس نے بھی عباسہ کے باغیچے کی طرف رخ پھیر لیا ہے تو محوِ انتظار باپ کے دل سے ٹھنڈی آہ نکلی۔ اس نے کہا تھا:۔

"ہارون جس جال میں جعفر کو شکار کرے گا وہ اسی دس روزہ جشن میں بنا جائے گا"

اور جو لوگ یحییٰ کے علم و بصیرت سے آگاہ تھے۔ یحییٰ کی حالت دیکھ کر انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں کہتا۔ روشنی کا وہ مینا جو تاریخ اسلام کی سب سے عظیم الشان سلطنت کے امن و تحفظ اور بقاد استحکام کی رہبری کر رہا تھا۔ وہ دس دنوں کے اندر ایسی ویران نکیلی چٹان میں بدل گیا تھا جسے دیکھ کر عبرت ہوتی تھی۔

وہ ہارون کے مزاج کی افتاد سے آگاہ تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں وہ نہ صرف ہارون بلکہ اس عہد کا مزاج شناس تھا۔ ہارون اس حکمران خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو اپنی محبت اور نفرت کے اظہار میں کسی ضابطے کا پابند نہیں تھا۔ جس پر نظر التفات پڑ جاتی اس کی خوش قسمتی کی یادگار کے طور پہ آن کی آن میں قصر کھڑے ہو جاتے نظروں سے گرتے ہی یہی محلات ان کے سروں پہ ڈھا دئے جاتے۔

زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ برمکیوں سے آنکھیں پھیر رہا تھا۔ سب سے پہلا وار خاتونِ حرم نے کیا تھا۔ جب ایک روز معمول کے مطابق یحییٰ قصر قرار کے دروازے مقفل کر کے کنجیاں اپنے کمر بند میں اڑس رہا تھا۔ اچانک ملکہ زبیدہ اس کے پاس آگئی اور بولی:۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے یحییٰ کہ صرف ہمارے اپنے قصر کے دروازے ہم پہ بند نہیں کئے جاتے بلکہ جب ہماری کنیزیں اور خدمتگار ہماری ضروریات کی تکمیل کے لئے باہر نکلتی ہیں تو ان کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔"

اور یحییٰ نے جواب دیا تھا "میں اپنی طرف سے ایسی جسارت کر سکتا ہوں خاتونِ حرم؟"

"اوہ ـــــ یہ بات نہیں یحییٰ۔ بلکہ ہم تو سوچ رہے ہیں کہ ایسا حکم صادر کرنے کے لئے آخر کسی نے تو امیر المومنین کے کان بھرے ہوں گے"

اس واقعے کے ساتھ ہی یحییٰ کو یاد آگیا کہ ایک روز خود امیر المومنین نے بھی یحییٰ کے سامنے ملکہ زبیدہ کی بالکل یہی شکایت دہرائی تھی۔ کاش! اس وقت یحییٰ نے حوصلے سے کام لے کر کہہ دیا ہوتا:۔ "امیر المومنین مجھے اس خدمت پر مامور کرنے والے بھی تو آپ ہی ہیں۔ لیکن اس خیال سے چپ رہا کہ کہیں ہارون کو وہ بات یاد نہ آجائے جس کے نتیجے میں یحییٰ کو یہ ناگوار خدمت سونپی گئی تھی اور اس نے بالکل مختلف جواب دیا تھا:۔

"خاتونِ حرم کی شکایت دہرانے سے تو خانہ زاد یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے گویا اب امیر المومنین کو بوڑھے یحییٰ کے خلوص پر اعتماد باقی نہیں رہا"

اور ہارون خوبصورتی سے ٹال گیا تھا۔ ہارون کا دل قلزم سے بھی زیادہ گہرا تھا۔ اور ملکہ زبیدہ اس میں ایسی کنکریاں پھینک سکتی تھی جن سے صرف سطح پر ہی نہیں بلکہ تاریک گہرائیوں میں بھی ہیجان پیدا ہو جائے۔

یحییٰ یہ بھی جانتا تھا کہ امین کی بہ حیثیت ولی عہد نامزدگی کے سلسلے میں بھی زبیدہ جعفر سے بدظن تھی۔ کیونکہ جعفر ہی نے ہارون کو مشورہ دیا تھا:۔ "مامون کو امین کا ولی عہد نامزد کیجئے"۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر مامون پہلے نامزد ہو جاتا جب بھی امین پر حکومت کرنے کے دروازے بند ہو جاتے اور امین کے بعد مامون کی نامزدگی سے بھی امین کی اولاد پر یہ دروازے بند ہو چکے تھے۔

پھر سب سے بڑی مشکل ایک اور تھی۔ اس وقت خود ہارون کم و بیش بارہ بیٹوں

اور پندرہ بیٹیوں کا باپ بن چکا تھا۔ سرکاری خزانہ صرف ہارون اور زبیدہ کے اخراجات کی کفالت سے بعض اوقات عہدہ برآنہ ہو سکتا تھا تو اس تیزی سے پھلتے پھولتے ہوئے شاہی خاندان کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ مالی پریشانیاں آخر کار انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا دیتی ہیں۔ اور ایسی صورت میں انسان سے ہر قسم کی توقع کی جا سکتی ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہارون سے ہر قسم کی توقع کی جا سکتی تھی کیونکہ حالات اس کے سازگار تھے۔ جس طرح مہدی پر خیزران چھائی تھی۔ بالکل اسی طرح ہارون زبیدہ کے زیر اثر تھا اور عباسہ بھی زبیدہ کی نظروں سے اوجھل نہ تھی۔ دس روزہ جشن میں ہارون کی فطرت کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑک کر رہیں گے۔ خواہ انہیں کوئی اور دیکھے نہ دیکھے خاتون حرم کی نگاہوں سے کیسے اوجھل رہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے وہ نگاہوں سے اوجھل ہی رہیں لیکن ان کی تپش؟ زبیدہ کے وسائل بے انتہا تھے۔ زمانہ ایسی قیافہ شناس معاملہ فہم، دوربین شہزادی شاید ہی پیدا کرے۔

یہ غالباً یحییٰ کے انہی خیالات کا نتیجہ تھا کہ دس روزہ جشن سے فارغ ہونے کے بعد جعفر براہ راست یحییٰ کے سامنے آنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ وہ سب سے پہلے اپنی ماں کے پاس گیا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ زمانہ عتابہ ایسی بیوی اور ماں بھی شاید ہی پیدا کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ موروثی حکومت نہ سہی علم و فضل کے اعتبار سے اس کا خاندان خاندانِ خلافت سے کسی طرح پیچھے نہیں تھا۔ خصوصیت سے برامکہ کی فیاضیوں اور قدر شناسیوں کا لگا اور کون کھا سکتا تھا۔

جعفر اپنی ماں سے مل کر اس ردِ عمل کا جائزہ لینا چاہتا تھا اور جو دس روزہ جشن

کے بعد ناگزیر ہوگیا تھا۔ جعفر کی قسمت بڑی اچھی تھی۔ عنابہ ایسی خاتون اس کی ماں تھی اور مامتا کسی مصلحت کو برداشت نہیں کرتی۔ شروع شروع میں تو عنابہ کے چہرے پہ یحییٰ کے حزن و ملال کا عکس پڑتا رہا اور جب اس نے دیکھا۔ باپ کی حالت بیٹے کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے تو اس نے جعفر کو سہارا دیا:۔

"اس میں تمہارے ابا کا کیا قصور ——— جعفر۔ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔"

"اور دوسری طرف میں عباسہ کے آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتا امی۔ وہ اس وقت مہدی کی بوتی نہیں بلکہ یحییٰ برمکی کی بہو ہے۔ ہارون کی بہن ہوئی تو کیا۔ میری بیوی بھی تو ہے۔"

"تمہاری محبوب بیوی ——— میری محبوب بہو۔ اس سے میں تو آنکھیں نہیں پھیر سکتی جعفر۔ لیکن یحییٰ تمہارا ابا ہے۔ تم جب سے جنگ پہ گئے۔ تمہارے انتظار میں اس کی آنکھیں پہروں، ہفتوں، مہینوں دہلیز پہ لگی رہیں۔ پھر بغداد میں فتح کا نعرہ گونجا۔ افواہ اڑنے لگی۔ تم مظفر و منصور واپس آ رہے ہو۔ سارے بغداد کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ ہم سے بھی جو کچھ ہو سکا۔ کیا ——— اور پھر اچانک خبر سنی:۔

"عباسہ کی کنیزیں امیر المومنین کا رخ نہر دجیل کے کنارے عباسہ کے باغیچے کی طرف موڑنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اور صرف ہم نہیں، پورا بغداد ——— زبیدہ خاتون سمیت دنگ رہ گیا۔ کس کمال کی کنیزیں ہوں گی؟ اور پھر دس روزہ جشن ——— فوج کے سرکردہ افسروں سمیت امیر المومنین کی دس روزہ ضیافت ——— ضیافت اور جشن۔ اور اس سارے اہتمام کے پس پردہ عباسہ کی صرف ایک آرزو بے چین دیکھ کر تمہارا باپ بھی بے چین ہو گیا۔"

یہ معاملہ کن کن زاویوں سے کہاں کہاں پہنچ چکا تھا۔ خود ہارون پہ اس کا کیا اثر ہوگا؟ جعفر خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ یہ باتیں میں نے اس وقت سوچنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ لیکن اب یہ باتیں سوچنے کی ضرورت؟"

"تمہارے ابا کہہ چکے ہیں کہ ہارون جس جال میں جعفر کو شکار کرے گا وہ اسی دس روزہ جشن میں بُنا گیا۔"

اپنے متعلق یحییٰ کے ان حالات سے باخبر ہونے کے بعد جعفر ماں کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ جب وہ سر جھکائے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو عتابہ بولی:۔

"سیدھے ابا کے پاس جاؤ جعفر۔"

لیکن جعفر حوصلہ نہ کر پایا۔ اس نے اپنا دل ٹٹولا۔ یحییٰ برمکی کبھی غلط رائے قائم نہیں کر سکتا۔ ہارون جعفر کو جس جال میں شکار کرے گا وہ یقیناً دس روزہ جشن میں بُنا جا چکا تھا۔

بائیسواں باب

ستاروں میں مشورے

اب خاتونِ حرم زبیدہ ولی عہد کی ماں بننے کے بعد وہ شوخ شنگ زبیدہ نہ رہی تھی جس نے ایک روز چڑ کر ہارون کو "جہنمی" بنا دیا تھا۔ امین کے بعد مامون کی ولی عہدی نے اس کے دل کو اپنے "قریش کے پھول" بیٹے کے متعلق ہزار ہا اندیشوں سے آباد کر دیا تھا۔ اور پھر جشن دس روزہ۔ صاف ظاہر ہے کہ اب امیرالمومنین خاتونِ حرم کے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے اور یہ صرف آلِ برمک ــــ یحییٰ اور جعفر کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا۔ ہارون کو برامکہ کے طلسم سے سلامت نکالنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔

دس روزہ کے موسیقانہ جشن سے تھکے ہوئے ہارون کے لئے زبیدہ نے حیرت انگیز دلچسپ ہلکی پھلکی اور رنگا رنگ محفل سجائی تھی۔ اس میں وہ تمام شعرا جمع تھے جو عرب ہونے کی حیثیت میں برامکہ کے عروج کو خلوص سے کبھی نہ دیکھ سکے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مامون کے مقابلے پر ــــ جس کی ماں ایرانی کنیز تھی ــــ امین کی ولی عہدی پہ قصیدے پڑھے تھے اور ان کے منہ صحیح معنوں میں ہیروں سے بھر دئے گئے تھے۔

ان میں خصوصیت کے ساتھ وہ شاعر بھی موجود تھا جس نے دربان کے ہاتھوں مامون

کو درے لگنے کے واقعے کی اشعار میں بڑی دلکش تصویر کھینچی تھی اور اپنی نظم پر ملکہ زبیدہ سے گراں بہا انعام حاصل کیا تھا۔

چونکہ وس روزہ جشن بغداد سے باہر منایا گیا تھا اس لئے زبیدہ نے اپنے جشن شبینہ کے لئے ایک بالکل نئی جگہ منتخب کی ــــــ شماسہ۔ شماسہ رصافہ کے مشرق میں واقع تھا اور موصل کی طرف جانے والی عظیم شاہراہ اسے چھوتی ہوئی گزرتی تھی۔ یہی شاہراہ مشرقی بغداد کو پیچھے چھوڑتی باب الشماسہ سے باہر نکلتی تھی جہاں سے سوک یحیٰی کے نام سے بغداد کی ایک ممتاز منڈی کی حد شروع ہوتی تھی۔ سوک یحیٰی اور سوک جعفر کے درمیان دجلہ سے ایک نہر ــــــ نہر مہدی ــــــ بل کھاتی ہوئی برامکہ کے دفریب قصر الدر میں داخل ہو جاتی تھی۔

زبیدہ کی شبینہ محفل برامکہ کے محلات کے سائے میں گرم تھی۔ ابھی امیرالمومنین پوری طرح محفل میں بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ باہر سے ہجوم کا ایک غلغلہ سا بلند ہوا۔ زبیدہ نے کنیزوں کو اشارہ کیا:۔ ذرا پردے سرکاؤ۔

یحیٰی کے دروازے پر حاجت مندوں، عمائدین سلطنت اہل کاروں، مدعیوں اور مستغیثوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے تھے۔ زبیدہ نے کنیز کو ایک بار اشارہ کیا ــــــ تمام پردے ہٹا دو۔ وہ غالباً ہارون کو برامکہ کا جاہ وجلال دکھا کر یہ بتانا چاہتی تھی کہ حقیقی امیرالمومنین تو یحیٰی یا اس کا بیٹا جعفر ہے۔ تم کون ہو؟

لیکن ہارون نے اس کا بالکل جواب نہ دیا:۔

"شکر الحمد اللہ ــــــ مجھے ایسا مخلص وزیر ملا ہے جس نے سلطنت وسیاست کی ساری ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر لے رکھی ہیں اور بڑی خوش اسلوبی سے نبھا

رہا ہے۔"

زبیدہ نے اپنی سرد آہ بمشکل روکی اور اس کے ساتھ ہی شاعر مغنیہ کو اشارہ کیا:۔

کوئی حسبِ حال سی چیز۔

اور اس "حسب حال" کا پہلے ہی سے انتظام ہو چکا تھا۔ ابو حفص کے اشعار زبیدہ خاتون کی قبولیت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ یہاں ایک بار خاتون حرم کی ہمراز نند ——— علیہ نے اپنی بھابی کی مدد کے لئے پُر تاثیر دھن تیار کی تھی اور زبیدہ کی سحر کار کنیز کی آواز ماحول پر چھا رہی تھی:۔

کاش! ہند اپنا وعدہ پورا کرتی

اور ہماری روح کو غم سے شفا بخشتی۔

کاش! وہ زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ خود مختار ہو جائے۔

کیونکہ وہ شخص تو واقعی عاجز ہے جو خود مختار نہ ہو۔

برامکہ کے محلات کے سامنے اور ان کے دروازوں پر موجود اژدہام کی قدح سرائیوں قصیدوں اور دعاؤں کے پیش منظر میں ابو حفص کے اشعار کنیز کی سحر کار آواز میں اپنا مفہوم ظاہر کرنے لگے اور زبیدہ نے اپنے کانوں سے ہارون کو پہلی بار ٹھنڈی آہ بھرتے سُنا۔ وہ بالکل اپنے آپ سے کہہ رہا تھا:۔ "انما العاجز المستبد"

خاتونِ حرم اس مختصر سی محفل کے ذریعے جو مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی اس میں پوری کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ جانتی تھی ہارون کو اشارہ کافی ہے اور جب وہ اشارہ سمجھ چکا ہو تو پھر اسے فوراً کسی اور طرف لگا دینا چاہیئے کیونکہ اس اشارے کا ردِ عمل بحال رکھنے کی یہی موزوں صورت تھی۔

خاتونِ حرم نے اب دوسری کنیز کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہارون کے محسوسات نبیذ کی سان پر چڑھ چکے تھے۔ اور مقررہ وقفے کے بعد ـــ

کاش! وہ زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ خود مختار ہو جائے۔

کیونکہ وہ شخص تو واقعی عاجز ہے جو خود مختار نہ ہو۔

اپنے آپ اس کے ہونٹوں پر آجاتا۔ اس کی عادت تھی کہ صبح سویرے اٹھتے ہی جو شعر بے اختیاری کے ساتھ زبان پہ آگیا وہ پہروں، دنوں اور بعض اوقات ہفتوں ذہن و زبان سے جُدا ہی نہ ہوتا۔ اب وہ یقیناً ایسا ہارون نہیں تھا جس نے زبیدہ کی محبت کی خاطر ولی عہدی کی انگوٹھی دجلہ میں پھینک دی تھی۔ جب قسمت نے مہربان ہو کر عالمِ اسلام کی خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا ہے تو اسے صحیح معنوں میں امیر المومنین بن کر دکھا دینا چاہیئے۔ ورنہ یہ کفرانِ نعمت ہو گا۔

○

ہارون کے یوں اچانک بدل جانے میں ایک ساتھ کئی ان دیکھی بھالی قوتیں سرگرم کار تھیں۔ دس روزہ جشن کے فوراً بعد جیسے ہوا نے اس کے کانوں میں پھونک مار دی ہو۔ ایک ایسی پھونک جس کا مفہوم اگرچہ واضح نہیں تھا لیکن جعفر اور عباسہ کا رویّہ انتہائی پُر اسرار انداز میں اس کی نوک پلک سنوار رہا تھا۔

پہلے صرف جعفر ہی عباسہ کی موجودگی سے ہچکچاتا تھا اب خود عباسہ ہارون کے سامنے آتے وقت بالکل کھو سی جاتی تھی۔ یہ نفسیاتی الجھنیں اتنی شدید تھیں کہ ـــ انھی

الجھنوں میں گرفتار ہونے کے بعد ہارون کے ذہن میں خاتون حرم کا شکایت آمیز فقرہ گونج اٹھتا "مجھے کیا معلوم ——— اس میں شہزادی کی کوئی مصلحت کار فرما ہو ؟"

ہارون نے ایک دم سے جاگنے کی کوشش کی اور ایک روز اچانک یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن صالح بن منصور کو ——— مقربین دربار میں سے تھا ——— اپنے پاس بلایا۔ جب یعقوب حاضر ہوا تو ہارون الرشید کی حالت دیکھ کر گھبرایا۔ امیر المومنین کی آنکھوں سے اجنبی وحشت برس رہی تھی۔ ہارون بولا:۔

"اسی وقت جاؤ اور منصور بن زیاد سے گیارہ لاکھ درہم کی وہ رقم وصول کر لاؤ جو ایک عرصے سے اس کے ذمے واجب الادا ہے۔ یہ رقم مغرب سے پہلے خزانے میں داخل ہو جائے ——— یا رقم کے عوض منصور کا سر۔ اور یاد رکھو اگر ہمارے حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو تربت عباس کی قسم، تمہاری خیر نہیں !"

یعقوب سر جھکائے باہر نکلا لیکن سخت پریشان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ہارون میں منصور السفاح کی روح بول رہی ہے۔ وہ یقیناً منصور بن زیاد کے خون کا پیاسا ہے لیکن مشکل یہ تھی کہ ہارون کا دشمن بھی بغداد کے مشاہیر میں سے تھا۔ اس کا خاندان بھی بڑا تھا اور عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ یعقوب نے منصور کے دروازے پہ دستک دی اور جب وہ باہر نکلا تو مضبوطی سے اس کا ہاتھ گرفت میں لے کر بولا:۔

"گیارہ لاکھ درہم مغرب کی نماز سے پہلے پہلے خزانے میں شامل ہو جانے چاہئیں۔"

امیر المومنین کا حکم سن کر منصور نے رونا شروع کر دیا اور بولا:۔

خدا کی قسم۔ ہارون میرے خون کا پیاسا ہے۔ میں گیارہ لاکھ درہم کہاں سے لاؤں۔

میری ساری جائیداد بھی ایک لاکھ سے زیادہ کی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔" پھر اس نے یعقوب کو حسرت سے دیکھا اور بولا:" اب صرف ایک آرزو باقی ہے۔ مجھے چند لمحوں کے لئے اندر جانے کی اجازت دو۔ آخری بار بال بچوں کو دیکھ لوں اور انہیں وصیّت بھی کرتا چلا جاؤں۔"

یعقوب نے یہ درخواست منظور کر لی اور پردہ گرا کے منصور کے پیچھے اندر چلا گیا۔ حکم شاہی سُن کر منصور کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ عورتوں اور بچوں کے نالہ و فریاد سے قیامت برپا ہو گئی۔ یہ حال دیکھ کر یعقوب کانپ اٹھا اور منصور کو بلا کر مشورہ دیا۔

"ایسی مصیبت کے وقت میں برامکہ کے سوا اور کوئی مددگار ثابت نہیں ہو گا۔ آؤ ——— میں تمہیں یحییٰ کے پاس لے چلتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نجات کی راہ تلاش کرے گا۔"

یحییٰ برمکی نے دونوں کو اندر بلا لیا اور منصور کے غم کا پورا افسانہ سننے کے بعد کافی دیر تک سرنگوں بیٹھا سوچتے لگا۔ منصور کے دل نے کہا: یحییٰ تمہاری مدد کے قابل نہیں ہے۔ وہ یعقوب کو چلنے کا اشارہ ہی کرنے والا تھا کہ یحییٰ نے خزانچی کو بلایا۔

"اس وقت خزانے میں کتنے درہم موجود ہیں؟"

"پانچ لاکھ۔"

"اور میرے معزز دوست کو کتنی رقم درکار ہے؟" یحییٰ نے منصور کی طرف رخ پھیرا۔

"گیارہ لاکھ۔"

"کوئی بات نہیں۔" یحییٰ نے خزانچی کو حکم دیا:" اسی وقت فضل اور جعفر کو خط لکھا

"مجھے زمین کے کسی ٹکڑے کو خریدنے کے لئے کچھ رقم کی فوراً ضرورت ہے جس قدر دستیاب ہو سکے فوراً بھیج دو۔"

یحییٰ کے حکم کی تعمیل میں فضل اور جعفر کی طرف سے دو دو لاکھ درہم فوراً پہنچ گئے۔ لیکن مطلوبہ رقم میں ابھی تک دو لاکھ کی کمی تھی۔ یحییٰ نے اپنی کنیز دنانیر کو طلب کیا:۔

"تمہارا وہ ہار کہاں ہے جسے امیر المومنین نے تخت نشینی کی رات ضیافت کے موقعے پر بطور انعام دیا تھا؟"

"میرے پاس اسی طرح محفوظ پڑا ہے۔"

"فوراً لاؤ۔"

دنانیر سے ہار لینے کے بعد یحییٰ نے اسے رخصت کر دیا اور منصور سے بولا:۔ "تمہاری قسم اگر دو لاکھ نقد کا انتظام کر سکتا تو اپنی کنیز سے مدد لینے کی نوبت نہ آتی۔ بہرحال امیر المومنین کو علم ہے کہ یہ ہار ان کے لئے دو ہی لاکھ میں خریدا گیا تھا۔ اب تم فوراً جاؤ اور رقم داخل کر دو۔"

برامکہ کی فیاضی سے منصور کے سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ جب یعقوب نے اسے مال سمیت ہارون کے سامنے پیش کر دیا تو ہارون دانت پیسنے لگا۔ اس کی وجہ یقیناً یہ تھی کہ ہارون منصور پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا تھا اسے یقین تھا کہ منصور ایسا شخص مغرب سے پہلے پہلے گیارہ لاکھ کی رقم فراہم نہیں کر سکتا۔ اور جب منصور نے نو لاکھ نقد کے علاوہ دنانیر کا ہار ہارون کے سامنے رکھا تو اپنا عطیہ پہچان کر اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگا:۔ یہ آلِ برمک کب تک اس کی خواہشوں کے آڑے آتی رہے گی۔ یحییٰ کی فیاضی نے ایک دیرینہ دشمن کو ہارون کے ہاتھ سے بچا لیا تھا۔ اب یحییٰ

بھی اسے منصور ہی کی طرح دشمن دکھائی دینے لگا۔ خصوصیت کے ساتھ جس خیال نے اسے بھڑکا دیا تھا وہ یہ تھا کہ یحییٰ کے پاس واقعی گیارہ لاکھ درہم بھی نہیں کہ انہیں پورا کرنے کے لئے ہار شامل کرنا پڑا!

اور یہ واقعی پریشان کر دینے والا خیال تھا۔ یحییٰ ہارون کا عطیہ خود ہارون کو لوٹا کر کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے؟ یہی کہ فیاضی کی وجہ سے آل برامکہ کے پاس نقد باقی نہیں رہا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ صرف بغداد ہی میں نہیں بلکہ سلطنت کے انتہائی خوش حال صوبوں میں بھی برامکہ کے پاس انتہائی زرخیز جاگیریں موجود تھیں۔ ایسی جاگیریں جو امیر المومنین اور امیر المومنین کی اولاد کو بھی میسر نہ آسکیں۔ یحییٰ الیاسمہ ترہ النسان ہار بھیج کر کیا کہنا چاہتا ہے؟

"یحییٰ کو بلاؤ۔"

جب یحییٰ پیش ہوا اس وقت تک نو لاکھ درہم خزانے میں داخل ہو چکے تھے لیکن دنانیر والا ہار ابھی تک ہارون کے سامنے پڑا تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر ہارون کی حالت متغیر ہو رہی تھی۔ ہارون کو غضبناک دیکھ کر یحییٰ کا دل بیٹھ گیا۔ ہارون نے بھی یحییٰ کی موجودگی میں سنبھلنے کی کوشش کی۔ یحییٰ بولا:۔

"خانہ زاد کو منصور کی خطا کے سلسلے میں یاد فرمایا گیا؟"

"ہاں!"

"منصور سے کون سا جرم سرزد ہوا امیر المومنین؟"

"وہ ہمارے خاندان کا پرانا دشمن ہے۔" ہارون دل کی بات چھپا نہ سکا۔ "میں نے اسے بڑی مشکل سے گرفتار کیا تھا لیکن برامکہ کی فیاضی اس کے آڑے آ گئی۔"

یحییٰ نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔ ہارون بولا: "لیکن یہ ہار ـــ جسے میں بطور تحفہ دنانیر کو دے چکا ہوں اسے دوبارہ میرے پاس بھیجنے ــــــ والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"جب حاجت بڑھ جاتی ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔"

ہارون کا جی چاہا، یحییٰ سے پوچھے: "لیکن یکایک سب کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے؟ عباسہ، جعفر ــــــ لیکن وہ خاموش ہو گیا اور یحییٰ اس خاموشی سے فائدہ اٹھاتا رخصت ہو گیا۔

○

اگرچہ ہارون کی شرارے برساتی ہوئی آنکھیں اس کے سامنے نہیں تھیں لیکن ہارون کی آواز بدستور اس کے کانوں میں گونج رہی تھی: "لیکن یکایک سب کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے؟"

گھر میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی خبر اس کا انتظار کر رہی تھی جسے سنتے ہی یحییٰ کے قدم ڈگمگانے لگے۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ شاید یہ نہیں جانتا تھا، کہ جب برفانی چٹانیں ایک بار اپنی جگہ سے سرک کر لڑھکنا شروع کر دیں تو پھر انہیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

وہ ایک دم باہر نکل آیا اور خدمتگار کو حکم دیا: "ابو یعقوب نابینا کو بلاؤ ــــــ اسی وقت۔"

گھر کے اندر پہلے ہی ایک خوف سا طاری تھا۔ یحییٰ کے تیور دیکھ کر محل کے باہر بھی سناٹا سا چھا گیا تھا۔ ذرا دیر میں ابو یعقوب نابینا پہنچ گیا۔ یہ شخص بغداد میں عجیب و غریب شہرت کا مالک تھا۔ یحییٰ نے اسے عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور بولا:۔

"ابو یعقوب ——— تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ مجھے اس وقت ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ ——— !" یحییٰ خاموش ہو گیا۔ ابو یعقوب بولا:۔ "اللہ یکتائے زمانہ، فیاض اور نیک دل وزیر پہ رحم فرمائے۔ میں جانتا ہوں۔ یقیناً، آپ کی کوئی ایسی چیز گم ہو گئی ہے جس کا مل جانا بے حد ضروری ہے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو یعقوب۔ اب سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا چیز ہے؟"

یعقوب سر جھکائے تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ اس دوران میں اس کے کان اور ہاتھ بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ لیکن محل میں سناٹے کی وجہ سے کوئی آواز سنائی نہ دی البتہ کوئی چیز اچانک اس کے ہاتھ لگ گئی اور وہ اسے ٹٹولنے لگا:۔

"وہ ایک بیش قیمت ہیرا ہے اور کسی تھیلی میں سنبھال کر رکھا گیا تھا۔"

"بالکل ٹھیک۔" یحییٰ کی آنکھوں میں امید کی چمک پیدا ہو گئی۔ "وہ چیز اس وقت کہاں ہے لیکن سب سے پہلے چور کا نام بتانا پڑے گا۔"

ابو یعقوب ایک دم سے چپ ہو گیا اور کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا:۔

"وہ ہیرا تو ایک تو برے میں بند آبادی کے قریب محفوظ دفن پڑا ہے لیکن مجھے چور کا نام بتانے سے معذور رکھئے۔"

"وہ تو پھر دیکھا جائے گا۔" یحییٰ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ "سب سے پہلے ہیرا تلاش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔"

اس نے چند ایک خدمتگاروں کو حکم دیا: "محلات کے اردگرد کسی آبادسی جگہ پر تلاش شروع کردو۔"

اور ذرا سی محنت کے بعد وہ ہیرا مل گیا۔ یحییٰ ابو یعقوب کی فراست سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حکم دیا:۔

"ابو یعقوب کو دس ہزار درہم بطور انعام پیش کئے جائیں۔" اور پھر ابو یعقوب سے پوچھا: "تمہارا مکان ہے ؟"

"میں لامکان ہوں حضور۔"

"تمہارے جیسی صفات رکھنے والے آدمی کا کوئی مکان نہیں ؟"

"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے جناب۔ بغداد میں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو سردیاں اور گرمیاں آسمان کی زمردیں چھت کے نیچے گزارتے ہیں۔"

یحییٰ نے کاتب کو حکم دیا: "ابو یعقوب کے لئے ہماری طرف سے آس پاس کوئی مکان خرید اجائے اور ضروری ساز و سامان کے لئے مزید پانچ ہزار درہم دئے جائیں۔"

ابو یعقوب نے ایک دلدوز آہ کھینچی: "وزیر کبیر کی فیاضی کا شکر گزار ہوں تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ مکان اور مکان کی چیزوں والے پانچ ہزار درہم میری قسمت میں کہاں۔ البتہ پہلا انعام —— دس ہزار درہم ضرور لیں گے۔"

"ابو یعقوب! میں تمہاری باتوں پہ دیر سے تعجب کر رہا ہوں۔ اب خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ تم نے ساری باتیں معلوم کیسے کرلیں ؟"

جس وقت میں دردولت پہ حاضر ہوا تو سناٹے کی وجہ سے کوئی ایسی بات نہ سن سکا جس پہ قیاس قائم کیا جاتا۔ لیکن گھر والوں کی خاموشی سے خوف اور دہشت کی

[illegible] تھا۔ میرے دل نے کہا: "محل سے کوئی نہایت قیمتی چیز گم ہو گئی۔"

"بجا ——— وہ ہیرا واقعی بہت ہی بیش قیمت تھا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہیں کہیں آبادی کے قریب محفوظ دفن پڑا ہے؟"

"جس وقت آپ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ وہ چیز کہاں ہے؟ اس وقت میرے کانوں میں آواز آئی۔ سقہ غلام سے پوچھ رہا تھا۔ پانی کی مشک کہاں ڈالوں؟ غلام نے جواب دیا، آبادی میں۔"

تمہارے قیاس کا بھی کوئی جواب نہیں اور قیاس کے اطلاق کا بھی۔ اب یہ بتاؤ کہ گھر اور گھر کی چیزوں کے لئے مزید پانچ ہزار درہم تمہاری قسمت میں کہاں؟ البتہ پہلا انعام ——— دس ہزار درہم ضرور لیں گے؟

ابو یعقوب بولا: "جب آپ نے دس ہزار درہم انعام کا حکم صادر کیا تھا تو اس وقت ایک غلام دوسرے غلام سے کچھ مانگ رہا تھا۔ ادھر سے جواب آیا لے لو۔ میرے دل نے کہا۔ تمہارا انعام تمہیں مل جائے گا۔ جب آپ نے حکم صادر کیا کہ ابو یعقوب کے لئے ہماری طرف سے آس پاس کوئی مکان خرید ا جائے تو کہیں سے آواز آئی:۔ یہاں نہیں ہے۔"

"کیا ؟"

"مکان ——— کوئی قابلِ فروخت مکان!"

"تم وقت سے پہلے یہ فیصلہ کیسے دے سکتے ہو؟"

"مجھے فیصلہ دینے میں زیادہ دیر نہیں لگا کرتی حضور۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے آس پاس بغداد کے امرا نے اپنی رہائش کے لئے اعلیٰ شاہی محلات تعمیر کر رکھے ہیں۔ کس

کو غرض پڑی ہے کہ وہ اپنا مکان بیچے اور آپ اسے ابو یعقوب کے لئے خریدیں چنانچہ جب مکان ہی نہیں ملے گا تو مکان کی چیزوں کے لئے پانچ ہزار درہم بھی نہیں ملیں گے۔"

"کیا ——— یحییٰ کو اپنے محل کے آس پاس زمین کا ایسا ٹکڑا بھی نہ ملے گا جس پر تمہارا مکان تعمیر ہو سکے ؟ میں ابھی دیکھتا ہوں۔"

لیکن ابو یعقوب نے سچ کہا تھا : تکلف کی کوئی ضرورت نہیں . مکان اور مکان کی چیزوں والے پانچ ہزار درہم میری قسمت میں کہاں ؟ یحییٰ کے سارے ایجنٹ ناکام لوٹ آئے :۔

"آپ کے آس پاس تو کیا بغداد میں دور دور تک زمین کا ایک چپہ بھی خریدنا ناممکن ہے۔"

ایجنٹوں کی بات سن کر ابو یعقوب مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر یحییٰ ایسے فیاض کے چہرے پر ندامت کے پسینے چھوٹنے لگے . وہ بولا :" کوئی بات نہیں . مکان کی تلاش جاری رہے اور ابو یعقوب کو پندرہ ہزار درہم پیش کئے جائیں۔"

خزانچی یحییٰ کے کان کے قریب منہ لے جا کر بولا :" اس وقت خزانے میں صرف دس ہزار درہم موجود ہیں ——— حضور۔"

یحییٰ نے اشارہ کیا :۔" خدا کے لئے جو کچھ بھی ہے دے دلا کر ابو یعقوب کو چلتا کرو یہ شخص مجھے اس زوال کی تصویر دکھا رہا ہے جس کے مشورے ستاروں میں ہو رہے ہیں۔"

اور یحییٰ جب تک زندہ رہا . یہ داغ بدستور اس کے شعور میں جلتا رہا کہ وہ بغداد میں ابو یعقوب کے لئے مکان نہ خرید سکا . بے شک جس زوال کے مشورے ستاروں میں ہو رہے تھے مگر اگلہ یہ اس کا سایہ پڑنا ابھی سے شروع ہو گیا تھا۔

تئیسواں باب

آخری بھڑک

اگرچہ بغداد کی عمر بمشکل پچاس برس تھی لیکن یہ شہر بالکل اچانک عدم سے وجود میں آکر ہارون کے زمانے میں دولت اور بین الاقوامی شہرت و اہمیت کا مرکز بن گیا تھا صرف یہی نہیں بلکہ سلطنت کی خوشحالی میں اضافے کے ساتھ ساتھ بغداد کی عظمت و شوکت بھی زیادہ ہوتی چلی گئی اور بجا طور پہ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ جس زمانے میں لنڈن، پیرس، نیویارک اور ماسکو دنیا کے نقشے پر تاریک، حقیر دھبوں کی حیثیت رکھتے تھے اس وقت بغداد ساری مہذب دنیا کے سیاسی قبلے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

اور اس عظیم الشان شہر کا تقریباً نصف رقبہ شاہی محلات ـــــ بیگمات اور ان کی کنیزوں کے لئے وقف تھا۔ یوں تو یزید بن معاویہ ہی کے زمانے میں "حرم سرا" ایک پورے محکمے کا درجہ اختیار کر چکا تھا لیکن ہارون نے ناچنے گانے والی عورتوں کی سرپرستی کر کے اس محکمے کو دارالسلطنت کا ایسا حصہ بنا دیا تھا جس کی دیکھ بھال اور بقاء استحکام کے لئے کئی دوسرے محکمے وجود میں آ گئے۔ مسلسل جنگوں کی بدولت میسر آنے والی کنیزوں کے دم قدم سے بغداد بردہ فروشی کی ایسی منڈی میں منتقل ہو گیا جہاں حسن و شباب کے سوداگر

دنیا کے کونے کونے سے کھنچے چلے آتے۔ دستور کے مطابق جب کوئی تازہ جنس منڈی میں پہنچتی تو سب سے پہلے "شاہی حرم" کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ماہرین کی ایک جماعت ایک ایک کنیز کو نظروں کی چھلنی میں چھانتی اور اس طرح سب سے عمدہ "چیزیں" براہ راست حرم میں پہنچ جاتیں۔

ایسے موقعوں پر حرم میں ایک خاص تقریب منائی جاتی۔ ہارون بنفس نفیس تازہ خریدی ہوئی چیزوں کا معائنہ کرتا اور ان میں سے جو خوش قسمت کنیز اس کی نظروں میں سما جاتی تو اسے دلہن کی طرح بنایا سنوارا جاتا۔ ہارون کے حکم سے محل میں ایک خاص محفل منعقد ہوتی ـــــ ایسی محفل جس کے سامنے آج کے ہالی وڈ کی برق پاشیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جب محل کے کسی ایک حصے میں ایسی محفل منعقد ہوتی تو دوسرے حصوں میں رشک و رقابت کے ایسے شعلے بھڑک اٹھتے جن کی تپش پورے حرم میں محسوس ہوتی۔ تقریباً ہر رات حرص وہوس کی ان بھڑکنے والی بھٹیوں کے نتیجے میں حریم خلافت کی کمسن لڑکیاں بھی وقت سے بہت پہلے جوان ہو جاتیں۔ لیکن ان کے جلتے ہوئے جذبات و محسوسات پر غور کرنے کی فرصت کسے تھی؟

یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہتی اور پھر ایک روز اچانک بھڑک کر تمام اخلاقی رکاوٹوں کو بھسم کر دیتی جو عورت ایک بار مرد کے لمس کی حرارت سے فیضیاب ہو چکی ہو وہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کیا نہیں کر سکتی؟ خوش قسمتی سے حرم سرا میں غلاموں اور خدمتگاروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ چنانچہ اچھی اچھی لڑکیوں کو حبشیوں پر قناعت کرنی پڑتی جس طرح ہارون نئی کنیزوں کے لئے لاکھوں درہم خرچ کر دیتا بالکل اسی طرح حرم میں رہنے والی عورتیں بھی ہزاروں ـــــ لاکھوں درہموں کا لالچ دے کر رات بھر کے

کے لئے اپنی محفل گرماتیں۔

ہارون کی بہن عالیہ کے بیک وقت دو غلاموں سے جنسی تعلقات کا معاملہ خود ہارون کو بھی معلوم تھا۔ اور چونکہ عالیہ اور زبیدہ خاتون کے باہمی تعلقات بے حد خوشگوار تھے۔ اس لئے عالیہ کی محبت کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ اگر عباسہ بھی جعفر کی جگہ پر کسی اور کو پسند کرتی تو شاید زبیدہ خاتون خاموش رہتی لیکن اس معاملے میں عباسہ واقعی بدنصیب ثابت ہوئی اور اسے اپنی بدنصیبی کا علم تھا۔ لیکن اس کے دل میں تو خود ہارون نے اپنے ہاتھ سے محبت کی شمع روشن کی تھی۔ عالیہ اور عباسہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔ عالیہ زبیدہ کو اپنا راز دار بنانے میں کامیاب ہو گئی اور عباسہ اپنے راز کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھی اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہو جائے گی۔

لیکن جشنِ دہ روزہ کے بعد محبت کی یادگار کے طور پر عباسہ میں جو فطری تبدیلی پیدا ہوئی وہ خاتون حرم زبیدہ کی رائے کے برعکس عباسی شہزادی کو بالکل راس نہ آئی۔ اپنے محل میں پہنچنے کے بعد شروع شروع میں تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی پہروں اپنے آپ کو دیکھتی رہتی۔ وہ اس تبدیلی کا اصل سرچشمہ معلوم کرنا چاہتی تھی جس نے اسے خود اپنی نظروں میں محترم اور پُر وقار بنا دیا تھا۔ اس پر پھولوں سا نکھار آگیا تھا وہ ایک ایسا مکمل پھول بن چکی تھی جس کے بعد ارتقا کے سارے وسیلے بیکار ہو جاتے ہیں۔

اور غالباً یہی وہ چیز تھی جس نے پہلے پہل خود نمائی کو حیرت و انعجاب سے متعارف کیا اور پھر تنہائی کی ایک ختم نہ ہونے والی شاہراہ سے اس کے محل کے پردے آہستہ آہستہ دبیز اور بوجھل ہوتے گئے اور جب کبھی کسی گستاخ جھونکے نے انہیں حرکت

دینے کی کوشش کی تو ان کے اندر سے تاریک طوفان اُمنڈتے اور تاریکیاں پہلے سے بدرجہا زیادہ گہری، خاموش اور یخ بستہ ہوتی چلی گئیں نہ جانے اسے زندگی، ہنگاموں روشنیوں سے کیوں نفرت ہو گئی۔

لیکن اس موت آشنا احتیاط کے باوجود وہ اپنے محل کی سرد تاریکیوں میں سرنگوں بیٹھے بیٹھے اچانک چاروں طرف اس عقاب کی طرح دیکھنے لگتی جسے اپنے گھونسلے کے اردگرد دشمن کی آہسٹ سنائی دی ہو۔ لیکن یہ آہٹ سے بھی کہیں زیادہ خطرناک چیز تھی۔ یہ دو آنکھیں تھیں۔ رات کے وقت کسی خونخوار درندے کی طرح روشن ـــــ جلتی ہوئی آنکھیں۔ اس نے یہ آنکھیں پہلی بار اس وقت دیکھی تھیں جب وہ دس روزہ جشن کے بعد صبح سویرے اپنے محل میں قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی رات بھر کی الجھی ہوئی زلفیں سنوارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ آنکھیں عباسہ کے کندھوں کے اوپر سے گزرتی براہ راست آئینے میں پیوست تھیں۔ وہ انہیں اچھی طرح پہچانتی تھی۔

یہ ملکہ زبیدہ کی آنکھیں تھیں۔ جس نے جشن کی کامیابی پہ ہدیہ تبریک پیش کرنے کے بعد کہا تھا: - یہ جشن تمہیں خوب راس آیا عباسہ۔ یہ آنکھیں اکثر رات کے وقت تاریک کونوں سے جھانکتی نظر آتیں۔ عباسہ ان کی چمک محسوس کرتی۔ جس طرح اندھیری رات میں بجلی کے کوندے لپک کر لمحے بھر کے لئے میلوں تک پھیلی ہوئی تاریکی کا سینہ چیرتے گزر جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عباسہ کی آنکھوں کے سامنے شعلے سے لہراتے۔ وہ سہم کر چاروں طرف دیکھتی۔ اپنی جگہ سے اٹھتی اور اسے جہاں سے یہ آنکھیں دمکتی نظر آتیں لپک کر وہاں پہنچ جاتی لیکن اسے مایوسی، حیرت اور عبرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا اور پھر سے سرنگوں ہو کر بیٹھ جاتی۔

زبیدہ کی آنکھیں، اس کے الفاظ، اس کے فقرے کی گونج ——— ہر ایک چیز عباسہ کی کمزوری کا درجہ اختیار کر گئی تھی اس نے محل میں اپنی کنیزوں تک سے باتیں کرنی چھوڑ دی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح زندگی پر پردہ ڈالنے سے شاید تسکین کا سامان مل جائے لیکن بے سود۔

جب ایک روز صبح سویرے اسے پہلی متلی آئی تو اس نے بڑی عاجزی سے اپنا گلا دبانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ اسی وقت زبیدہ خاتون کی معمر کنیز کوثر جو خیزران کے زمانے سے کام کرتی چلی آرہی تھی۔ ایک پیالہ لے کر چپکے سے اندر آئی اور عباسہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بولی:۔

"خاتون حرم نے بھیجا ہے۔"

عباسہ سہم گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کوثر بڑے ادب کے ساتھ پیالہ پکڑے خاموش کھڑی تھی۔ عباسہ کی نظریں آسمان کی طرف اٹھیں۔ وہ بڑی زاری کے ساتھ موت کی دعا مانگنے لگی۔ کوثر سے اس کی حالت نہ دیکھی گئی۔ بولی:۔

"یہ اسی موقعے کے لئے انتہائی مفید مشروب ہے۔"

عباسہ کا جی چاہا خون کی طرح سرخ مشروب سے چھلکتا ہوا پیالہ لے کر کوثر نہیں بلکہ خاتونِ حرم کے منہ پر دے مارے لیکن اس کے بالکل برعکس اس نے لرزتے ہاتھوں سے پیالہ تھام لیا۔ کوثر بولی:۔

"نوش فرمایئے بانو۔ آپ اس کی افادیت کے گن گانے لگیں گی۔"

اور عباسہ نے فرمانبردار بچی کی طرح پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور اس وقت چھوڑا جب وہ خالی ہو چکا تھا۔

کوثر تفہیمانہ انداز میں مسکراتی ہوئی چلی گئی لیکن عباسہ کو یوں لگا گویا وہ جس راز کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھ کر خاتونِ حرم سے چھپانے کی کوشش کرتی رہی تھی وہ آشکار ہو چکا تھا۔

کاش۔ بغداد پہ ایسی کالی رات آجاتی جو صبح کے مفہوم سے بھی آشنا نہ ہو۔

لیکن بغداد پر ایسی رات نہ آئی۔ البتہ عباسہ نے دن کو رات اور رات کو دن بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ دن کے وقت اس پرندے کی طرح محل کی تاریکیوں سے لپٹی رہتی جس کے اردگرد سینکڑوں عقاب، ہزاروں شاہین منڈلا رہے ہوں اور صرف رات کے وقت باہر نکلتی۔ لیکن اب دن رات میں کوئی امتیاز قائم نہ رہا اور وہ خاتون حرم کی نظروں سے گریز کے طریقے سوچنے لگی۔

"اگر وہ حج کے بہانے۔ بغداد سے نکل جائے تو ——؟"

بڑا نیک خیال تھا۔ اچھوتا اور بے ضرر۔ نجات کا آخری ذریعہ۔ کچھ عرصہ سفر میں کچھ مدینہ میں، کچھ مکہ میں اور پھر وہ حج سے کچھ عرصہ پہلے بھی روانہ ہو جائے تو کیا حرج ہے؟

لیکن امیر المومنین کی اجازت ضروری تھی۔ اس نے فوراً طل کے ہاتھ امیر المومنین کو عریضہ لکھا:۔

"طبیعت سخت بے چین ہے۔ حج کرنا چاہتی ہوں۔ سفر، آب و ہوا کی تبدیلی، دیارِ حرم کا ماحول اور فرض کی تکمیل سے شاید دل بہل جائے۔"

اور طل کو تاکید کی "یہ عریضہ اس وقت امیر المومنین کی خدمت میں پیش ہو جب وہ بالکل اکیلے ہوں۔ اگر سر راہے اُن سے ملاقات میں کامیاب ہو جاؤ تو جواب ہی نہیں۔"

طل نے شہزادی کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک روز جب امیرالمومنین خاتون حرم کے شبستان سے دربار کی طرف جارہے تھے طل نے شہزادی کا عریضہ پیش کر دیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہارون عباسہ کی گوشہ نشینی، اور عزلت گزینی کے متعلق شدت سے سوچ رہا تھا۔ عریضہ پیش ہوتے ہی اسی کی پشت پر لکھ دیا:۔

"اجازت ہے۔ اللہ تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ تمہارے ساتھ جانے کو جی چاہتا ہے لیکن سلطنت کی بیڑیوں نے آزادی سے قطعاً محروم کر دیا۔"

○

منصور نے بغداد کو اسلامی سلطنت کا مرکز بنانے میں جس عزم و اہتمام کا مظاہرہ کیا تھا وہ اسی کا حصہ ہے لیکن بغداد سے دیارِ حرم تک جانے والی قدیم شاہراہ کو حجاج کے لئے سنوارنے اور آرام دہ بنانے کے سلسلے میں جو کام ملکہ زبیدہ نے کیا وہ واقعی اسی متدین اور مخیر ملکہ ہی کی شان ہے۔

بغداد سے کوفہ اور کوفہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک قدم قدم پر سرائیں تعمیر کی جا چکی تھیں اور اس بے برگ و گیاہ ——— بنجر و ویران علاقے میں حجاج کو پانی بہم پہنچانے کے لئے ملکہ زبیدہ نے قلیل سے عرصے میں ایسا کام کر دکھایا جس نے ملکہ بغداد کی شہرت کو بقائے دوام کا تاج پہنا دیا۔

اسے اطلاع مل چکی تھی کہ اس سال شاہراہ کی چند آخری سرائیں مکمل ہو جائیں گی۔ یہ خبر سن کر خاتونِ حرم کو بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔ یوں تو وہ شروع ہی سے شرع کی

پابند تھی اور خالص عباسی ہونے کی وجہ سے دیارِ حرم کے ساتھ اس کی بے پناہ عقیدت کو کسی دوسرے سہارے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی لیکن امین کی ولی عہدی کے اعلان کے بعد اس نے دینی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا اس نے حرم میں ایسی ایک سو خوش الحان کنیزیں جمع کر رکھی تھیں جو دس دس کے گروہوں میں صبح سے شام تک قرآن پڑھتی رہتی تھیں۔ اب اس کا حج پہ جانا اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ سب سے تو پہلے تو وہ ان تعمیرات کا بچشم خود ملاحظہ کرنا چاہتی تھی جس پہ اس نے لاکھوں دینار خرچ کئے تھے اور چند انجینئروں کو ساتھ لے جا کر مکہ میں اس بات کا جائزہ لینا چاہتی تھی کہ کسی قریبی چشمے سے حرم و عرفات تک پانی پہنچانے کا بھی کوئی امکان ہے ؟

یہ حج اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ مامون کی حمایت میں ایران و خراسان سے بعض عجیب و غریب اطلاعات آئی تھیں عجمیوں اور خراسانیوں کے خلاف عربوں کو امین کے جھنڈے تلے جمع کرنا زبیدہ کے زمانے کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اپنے طور پہ وہ "قریش کے پھول" اور اپنے لخت جگر امین کے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کر رہی تھی لیکن بالکل ناداگی کے عالم میں دونوں بھائیوں ——— تخت و تاج کے دو دعویداروں کے دل میں نفرت کا ایسا بیج بو رہی تھی جو کسی وقت بار آور ہو کر عباسی سلطنت کے زوال کا سبب بن سکتا تھا۔

جیسے جیسے حج کے دن قریب آنے لگے زبیدہ کے سفر کے انتظامات کی رفتار تیز ہوتی گئی۔ اس نے ابھی تک امیر المومنین سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ کیا وہ خاتون حرم کو ایسے فرض کی تکمیل سے روکنے کی کوشش کرے گا ؟

ایک روز جب وہ بیٹھی سوچ ہی رہی تھی کہ امیر المومنین سے باضابطہ اجازت حاصل

کرلی جائے کہ ابو دلامہ نامی حبشی غلام کی حبشن بیوی خاتونِ حرم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئی اس کی حالت دیکھتے ہی زبیدہ خاتون کا دل بھر آیا۔اس نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے جو اس زمانے کے بغداد میں ماتم پوشی کے لئے مخصوص تھا۔خاک آلود اُلجھے ہوئے بال، سیاہ چہرے پر سفید آنسوؤں کی لڑیاں اور سیاہ لباس۔

"کیا ہوا؟" خاتونِ حرم نے سوال کیا۔

"میں لٹ گئی"

"کیسے؟"

"آپ کا غلام ابو دلامہ فوت ہو گیا"

"اناللہ وانا علیہ راجعون۔میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں۔لیکن رونے سے کیا ہو گا؟"

"رونا تو صرف اس بات کا ہے کہ میں اس کے کفن دفن سے بھی معذور ہوں"

"اس کا فوراً انتظام کئے دیتی ہوں" زبیدہ خاتون نے ایک کنیز سے اشارہ کیا۔ پانچ ہزار درہم۔"

پانچ ہزار درہم کی تھیلی وصول کرتے ہی ابو دلامہ کی بیوی ٹسوے بہاتی اور خاتونِ حرم کے جان ومال کو دعا دیتی چلی گئی۔ابھی وہ قصر قرار کی ڈیوڑھی سے گزر رہی تھی کہ امیرالمومنین توقع کے بالکل خلاف محل میں آنکلے،زبیدہ پیشوائی کو بڑھی اور ہارون کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔امیرالمومنین واقعی اداس تھے۔بجھے بجھے سے۔زبیدہ خاتون کو دیکھتے ہی بولے:۔

"ایک عجیب مخمصے میں پھنس گیا ہوں زبیدہ۔"

"آپ نے تو مجھے بدحواس کر دیا۔ آخر میں بھی تو سنوں وہ مخمصہ ہے کیا؟"

"ہمارے ایک دیرینہ اور ظریف غلام کی فوراً شادی کا بندوبست۔"

"دیرینہ اور ظریف غلام —— کہیں امیر المومنین ابو دلامہ کی طرف تو اشارہ نہیں کر رہے ؟"

"اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے بیگم۔ تو گویا تم بھی اس کی بیوی کی موت کا المناک واقعہ سن چکی ہو؟"

"بیوی کی المناک موت کا واقعہ ؟"

"ہاں —— وہ بچاری ابو دلامہ کو یتیم چھوڑ کر فوت ہو گئی۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا ؟"

"ابھی ابھی ٹسوے بہاتا دربار سے گیا ہے۔ کہتا تھا بیوی کی موت کا دوہرا غم ہے۔ ایک تو کفن دفن کے لئے پیسے نہیں اور پھر —— اس عمر میں میری دوسری شادی کیسے ہو گی؟ میں نے خاتونِ حرم کی طرف سے وعدہ کیا ہے۔ اب جس قدر جلد ممکن ہو سکے بچارے کی شادی کا انتظام کر دو۔"

ابو دلامہ کی خوفناک ظرافت معلوم کر کے زبیدہ اپنی ہنسی روک نہ سکی اور ہارون اسے گھورنے لگا:"ایسے موقعے پر ہنسی کا کیا مطلب —— بیگم۔"

اور پھر جب زبیدہ نے سارا واقعہ بیان کیا تو ہارون بھی ہنسنے لگا اور بولا:-

"کمبخت نے انعام لینے کا خوب ڈھنگ سوچا۔"

ہارون کو خوش دیکھ کر زبیدہ بولی:"میں نے سنا ہے کہ بغداد سے دیارِ حرم کی شاہراہ پر سراؤں اور کنوؤں کی تعمیر کا کام حج سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے گا۔"

"مبارک ہو۔"

"میں چاہتی ہوں کہ اس سال حج بھی کر آؤں اور ان تعمیرات کا ملاحظہ بھی کر لوں۔"

"اگر زندگی رہی تو اگلے سال زبیدہ۔ ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

"اگلے سال؟ اس سال کیا ہے؟"

"اس سال عباسہ کو حج کر لینے دو۔"

"وہ اگلے سال چلی جائے گی۔"

"وہ تو جا بھی چکی۔"

"کیا کہا؟"

"وہ تو مدینے پہنچ چکی ہے۔"

"اوہو ــــــ تو گویا پورے دس چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔"

زبیدہ جوش میں یہ فقرہ کہہ تو گئی لیکن اس کے فوراً بعد پچھتائی۔ وہ ہارون کی معنی خیز سوالیہ نظریں برداشت نہ کر سکی۔ ہارون دس چوہوں کی کڑیاں دس روزہ جشن سے ملانے کی دردناک کوشش کر رہا تھا۔ وہ بولا:۔

"اب میں تم سے سب کچھ پوچھ کر رہوں گا۔"

زبیدہ بھی جانتی تھی کہ اس مرحلے پر ہارون سے بات چھپانا بے حد خطرناک ہوگا۔ چنانچہ اس نے سب کچھ من وعن بیان کر دیا اور بولی: "اب اپنا گناہ چھپانے کے لئے وہ خاموشی سے حج کرنے چلی گئی۔"

"اور اگر یہ بات غلط نکلی تو پھر؟"

"میں ایسی ہولناک تہمت کے لئے ہر سزا بخوشی بھگتنے کو تیار ہوں۔"

"یہ بات کسی اور کو تو معلوم نہیں؟"

"کوثر اور طل کو معلوم ہے۔"

"دونوں کنیزوں پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور آج کے بعد ان کے حرم سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی جائے۔"

"طل تو یقیناً عباسہ کے ساتھ جا چکی ہوگی"

ہارون سر جھکائے محل سے باہر نکل گیا۔

الف لیلے کے بانکے ہیرو ہارون کی خاموشی اور گوشہ نشینی رنگ لائی۔ وہ باب الخلد میں اس کھڑکی کے سامنے صاحب فراش ہوگیا۔ جہاں سے برامکہ کے محلات بخوبی نظر آتے تھے۔

ہارون کو سب سے بڑا دکھ اس بات کا تھا کہ [illegible] اور عباسہ ایسے معتمد دوستوں نے اس کے اعتماد پر ایسا بھرپور وار کیا تھا جس کے مندمل ہونے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس نے دونوں کے نکاح کے بہت عرصہ بعد ایک روز دونوں سے پرزور الفاظ میں کہا تھا۔

"یاد رکھو —— تمہارے نکاح کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ تم دونوں بیک وقت ہماری محفل میں بیٹھ کر ہماری تسکین کا ذریعہ بن سکو۔ خبردار! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں۔ جس فعل سے میں نے تم دونوں کو روکا ہے، کبھی بھولے سے بھی

اس کا خیال نہ کرنا۔ جب تک میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوں۔ کسی چھت کا تم پر سایہ نہ پڑے ورنہ تربت عباس کی قسم وہی چھت تم دونوں کے سروں پر ڈھا دی جائے گی۔"

ہارون اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور اس کی بھوک بند ہو گئی۔ جعفر کو بھی یہ خبریں برابر پہنچ رہی تھیں لیکن اس نے مصروفیت کا بہانہ ڈھونڈ لیا تھا۔ باب الخلد کے قریب اس نے قصر جعفری کے نام سے ایک ایسے محل کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا جو بغداد میں اپنی قسم کا پہلا محل تھا۔ ہارون کی آنکھوں کے سامنے قصر جعفری کے گنبد و مینار اٹھنے لگے۔ برامکہ کی ڈیوڑھیوں پر گورنروں، افسروں اور امیروں کے اژدہام بدستور موجود تھے۔ اقتدار، عزت، دولت، سبھی کچھ برامکہ کے ہاتھ میں تھا ——— ہارون یہ سب کچھ دیکھتا اور سوچتا۔ سوچتا اور یہ شعر پڑھتا:-

"کاش! ہند اپنا وعدہ پورا کرتی
اور ہماری روح کو غم سے شفا دیتی۔
کاش! وہ ایک صرف ایک ہی بار خود مختار بنتی۔
بے شک وہ شخص تو واقعی عاجز ہے جو خود مختار نہ ہو۔

لیکن ایک اور مسئلہ اس کی خود مختاری سے بھی زیادہ اہم تھا۔ امین اور مامون کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے جو عباسی سلطنت کے پُر امن مستقبل کا ضامن بن جائے۔ اس سلسلے میں برامکہ کا ناخن تدبیر بے حد کارآمد ثابت ہو گا۔

ہارون کی بھوک کا بند ہو جانا واقعی بڑی تشویشناک بات تھی۔ اپنے عہد کا سب سے نامور شاہی طبیب جبرئیل بن بختیشوع علاج معالجے میں مصروف تھا۔ اچانک

یحییٰ ہارون کی عیادت کو آنکلا اور بدقسمتی سے اس نے ہارون کی خلوت میں حاضر ہونے کی اجازت حاصل نہ کی۔ لیکن یحییٰ ایسے شخص کو اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ تو شاہی خاندان کا ایک فرد تصور ہوتا تھا۔ صرف یحییٰ ہی نہیں بلکہ فضل اور جعفر بھی فضل ——— جس نے ہارون کے ساتھ خیزران کا دودھ پیا تھا۔ ہارون نے بھی فضل ہی کے ساتھ فاطمہ ——— عتابہ کا دودھ پیا تھا اور پھر جعفر کی تو بات ہی اور تھی۔

یحییٰ کو دیکھ کر ہارون نے حقارت سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور ذرا دیر بعد جبرئیل بن بختیشوع سے کہا:۔

"جبرئیل ——— ایمان سے کہو۔ تم اپنی خلوت میں کسی کی بغیر اجازت موجودگی برداشت کر لو گے؟"

جبرئیل امیر المومنین کے منہ سے یہ بات سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ ایک عرصے سے شاہی خاندان میں آ جا رہا تھا۔ اگر ہارون اس کا قدردان تھا تو یحییٰ بھی اس کے سرپرستوں میں شامل تھا۔ سچ پوچھیں تو جبرئیل کو اس مقام تک پہنچانے میں یحییٰ نے نمایاں حصہ لیا تھا لیکن امیر المومنین کی ہاں میں ہاں نہ ملانا بھی تو ناقابلِ معافی جرم تھا۔ جبرئیل نے خلیفہ کی خوشنودی کے لئے نفی میں سر ہلایا ہارون بولا:۔

"میں حیران ہوں کہ لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ جب چاہا منہ اٹھائے ہمارے پاس چلے آئے۔"

یحییٰ خاموش نہ رہ سکا۔ بولا:۔ "بلا اجازت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا یہ پہلا موقعہ نہیں امیر المومنین۔"

یحییٰ نے بالکل سچ کہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی رقت پیدا ہو گئی کہ ہارون کا دل

بھر آیا اور جبرئیل کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جبرئیل کے جاتے ہی یحییٰ کے آنسو بہہ نکلے۔ ہارون اسے دیکھنے لگا۔ یحییٰ کے قویٰ بالکل مضمحل ہو گئے تھے اور اس کا چہرہ حزن وملال کا گہوارہ بن چکا تھا۔ ہارون بولا:۔

"تمہاری پریشانی کا باعث کیا ہے؟"

"امیر المومنین اس غلام کی غمناکی کا سبب کیوں پوچھتے ہیں جسے ہر وقت اپنے سر پر موت کا فرشتہ منڈلاتا نظر آتا ہے۔"

"میری زندگی میں موت کا فرشتہ؟" ہارون نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا "تمہیں کس شخص کی طرف سے کھٹکا ہے۔"

"میری مشکلات کی انتہا آستانہ خلافت تک ہے امیر المومنین۔ جب خود سلطنت ہماری دشمن بن جائے۔ تو پھر پریشانی کے سوا اور کیا چیز آڑے آ سکتی ہے۔"

"تربت عباس کی قسم۔ تمہیں اپنے دل سے یہ اندیشہ نکال دینا چاہیئے۔"

"کوشش کروں گا امیر المومنین۔"

ہارون نے کاغذ اور قلم دوات کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسی وقت اپنے اور یحییٰ کے درمیان مفاہمت اور صلح صفائی کا معاہدہ تحریر کیا۔ جس میں خلیفہ نے یحییٰ کو یقین دلا دیا تھا کہ تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔

پھر اسی وقت ایک غلام کو بلا کر حکم دیا: "اسی وقت جاؤ اور عبداللہ بن علی، عباس بن محمد، محمد بن ابراہیم اور موسیٰ بن عیسیٰ سے کہو کہ اس معاہدے پر میری ضمانت دیں۔"

یہ تمام لوگ بنی ہاشم کے معززین میں سے سمجھے جاتے تھے۔ ذرا دیر بعد جب غلام تصدیق شدہ معاہدہ لے کر واپس آیا تو ہارون نے خوش ہو کر معاہدہ یحییٰ کے حوالے

کر دیا۔ ہارون کی اس یقین دہانی سے یحییٰ کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ معاہدہ جیب میں ڈالے خوشی خوشی گھر کو چلا گیا۔

چھبیسواں باب

خاک اور خون

دس روزہ جشن کے فوراً بعد ہارون اور جعفر کے باہمی تعلقات نے اچانک جو پلٹا کھایا تھا۔ یحییٰ اس سے غافل نہیں تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اگر جعفر کو کسی وجہ سے ہارون کے پاس جانے میں دیر ہو جاتی تو امیر المومنین کا معتمد غلام مسرور دوڑا جعفر کے پاس آتا:۔ امیر المومنین یاد فرماتے ہیں اکثر ایسا بھی ہوا کہ بیتاب ہارون بنفس نفیس جعفر کے پاس آ گیا لیکن اب یہ عالم تھا کہ نہ تو ہارون ہی نے جعفر کو یاد کیا اور نہ جعفر نے ہارون کے پاس جانے کی ضرورت محسوس کی۔

روم کی جنگ سے کامیاب واپس آنے کے فوراً بعد کسی موقعے پر ہارون نے جعفر سے کہا تھا، "میں چاہتا ہوں کہ تم مستقل طور پر خراسان کے گورنر بن کر چلے جاؤ"! غالباً یہ بات ہارون کے ذہن میں تھی کہ وہ تمام مشرقی صوبے مامون کے نام وقف کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا ایران اور خراسان کے عوام مامون کی حکومت برداشت کر لیں گے۔ لیکن اب یوں لگتا تھا جیسے ہارون کو اپنا وعدہ یاد نہیں رہا۔ جعفر نے بھی اپنی تنہائیوں کو دھوکا دینے کے لئے مصروفیت کا بہانہ ڈھونڈ نکالا تھا۔ اس نے بغداد

میں دجلہ کے کنارے قصرِ جعفری کے نام سے ایک عمارت کی تعمیر شروع کرائی۔ دیکھنے میں تو یہ واقعی ایک قصر تعمیر ہو رہا تھا لیکن جعفر جانتا تھا کہ وہ دجلہ کے کنارے اینٹ اور چونے کی زبان سے اپنی ناکام محبت کا افسانہ مکمل کر رہا ہے۔

منصور نے پورے بغداد کی تعمیر پر مشکل سے دو کروڑ درہم خرچ کئے تھے۔ جعفر نے صرف ایک محل کی تعمیر پر دو کروڑ درہم خرچ کر دئے اور ہارون کو بھی قصرِ جعفری کے متعلق روز تازہ خبریں پہنچ رہی تھیں۔ ان میں سے بعض پیغام رساں جعفر کے خیر اندیش تھے اور بعض بداندیش۔ ہارون ایک ایک خبر کو سنتا اور پہروں سوچتا۔ برامکہ کی دولت نے بھی رقابت کی آگ پر اور تیل چھڑکا اور ہارون اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس روز ہارون نے یحییٰ کو امان نامہ لکھ کر دیا اس روز قصرِ جعفری بالکل مکمل ہو چکا تھا اور جعفر بغداد کے منجموں سے صلاح مشورہ کر کے قصرِ جعفری کے افتتاح کی تاریخ مقرر کر چکا تھا۔

جب یحییٰ ہارون کے ہاتھ کا لکھا ہوا امان نامہ لے کر پہنچا اس وقت چند ایک سرکردہ منجم جعفر کے پاس بیٹھے تھے۔ یحییٰ نے جعفر کو الگ بلا کر خوشخبری سنائی:-

"امیر المومنین اور میرے درمیان صلح صفائی کا معاہدہ ہو گیا۔"

لیکن جعفر پر اس خوشخبری کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ ہارون تنہائی میں اپنے دل کے ساتھ طویل صلاح مشورے کے بعد جو کچھ سوچ چکا ہے۔ یہ معاہدہ اسی کا ردِ عمل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی ناکام محبت کے افسانے کی تکمیل نے جعفر کو سنجیدگی کے ساتھ یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی کہ اس تازہ معاہدے سے کیا ہوگا؟ وہ قصرِ جعفری کے افتتاح کی تاریخ مقرر کر چکا تھا اور اس جشن میں ہارون کو مدعو کرنے کی ہرگز کوئی

گنجائش نہیں تھی۔

"میں چاہتا ہوں۔" یحییٰ نے جعفر کو مشورہ دیا۔ "تم اسی وقت امیرالمومنین کے پاس جاؤ۔"

"کس لئے؟"

"قصرِ جعفری کی رسم افتتاح میں شرکت کی دعوت دینے۔"

"اور اگر امیرالمومنین نے سوال کیا: "جعفر! تم اتنا عرصہ کہاں رہے؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟"

"کہہ دینا کہ —— میں قصرِ جعفری کی تعمیر میں مصروف رہا۔"

"غالباً آپ اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں کہ امیرالمومنین کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں جعفر —— لیکن سوال یہ ہے کہ تم کب تک ان کے پاس نہیں جاؤ گے؟ سمندر میں رہ کر مگرمچھ کی دشمنی کوئی کہاں تک برداشت کر سکتا ہے؟"

"میں اپنے حالات کا سفینہ قسمت کی لہروں کے سپرد کر چکا ہوں۔"

"اور اگر اندھی قسمت اسے روشنی کے مینار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دے تو؟"

"میری قسمت!"

یحییٰ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

منجموں کے زائچہ کے مطابق جعفر کو اسی رات اپنے محل میں داخل ہونا تھا۔ باقی سارے مہمان —— دوست اور احباب پہلے ہی سے موجود تھے۔ چند شعرا کو بھی —— جو جعفر کے ہم پیالہ تھے —— مدعو کیا گیا تھا۔

رات کے وقت جب جعفر اپنے پرانے محل سے نئے قصر کی طرف جا رہا تھا تو رات کے سناٹے میں کوئی شخص ایک دیوار کی ٹیک لگائے یہ شعر پڑھ رہا تھا:۔

"نادان لوگ ستاروں کو اپنی تدبیر کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔

اور ستاروں کا خدا جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔"

جعفر یہ برجستہ شعر سن کر اس شخص کے قریب آیا اور پوچھا:۔

"اس شعر کے پڑھنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ شخص بولا۔ "میں یہاں کھڑا اپنے دوست کا انتظار کر رہا ہوں اور یہ شعر یونہی بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا۔"

جعفر اس شخص کو انعام دینے کے بعد آگے بڑھا لیکن یہ شعر خواہ مخواہ اس کے شعور پہ منڈلانے لگا۔ جب اس نے محل میں قدم رکھا تو دوست احباب نے مبارک سلامت سے اس کی پیشوائی کی۔ ابو نواس نے بھی مدحیہ قصیدہ پڑھا لیکن یہ دو شعر نادانستگی کے عالم میں اس کی زبان سے نکل گئے:۔

"اے مکان۔ میں تمہاری دیواروں پہ تخریب کے سائے دیکھ رہا ہوں۔

لیکن اس کے باوجود میں نے تیری دوستی میں خیانت نہیں کی۔

اے برمک کی اولاد جب زمانہ تمہیں اپنے دستور کے مطابق

گم کر دے تو اس وقت میری طرف سے دنیا کو سلام پہنچا دینا۔"

جعفر خود بھی باپ ہی کی طرح ہیئت میں خاصا درک رکھتا تھا اور ابو نواس کے یہ اشعار سن کر ایک دم سے بجھ گیا۔ یار لوگ تاڑ گئے کہ جعفر کی طبیعت اچانک منغص ہو گئی۔ ظریفوں نے دل بہلانے کے کچھ جتن کئے لیکن مجلس کا رنگ تیزی سے ابتر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ جعفر کی

حالت دیکھ کر بعض خیر اندیشوں کے دل ڈوب گئے۔ ان میں سے چند ایسے مخلص بھی تھے جو یہ کیفیت برداشت نہ کر سکے اور عذر بہانہ تراش کر وقت سے بہت پہلے رخصت ہوگئے۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ آدھی رات کے قریب جعفر اور ابو نواس کے سوا محفل کا شیرازہ بکھر گیا۔ جعفر ابو نواس کو دیکھ کر بولا:۔

"ذرا وہ اشعار ایک بار پھر پڑھنا۔"

"کون سے؟"

"اے مکان۔ میں تمہاری دیواروں پر تخریب کے سائے دیکھ رہا ہوں"

"تمہاری قسم جعفر۔ یہ اشعار میرے قصیدے میں شامل نہیں تھے۔ نہ جانے کس طرح بے اختیاری کے عالم میں میرے منہ سے نکل گئے۔"

"خدا محفوظ رکھے دوست ——— لیکن کب تک؟ تم نے آج ہمیں موت کا پیغام سنا ہی دیا۔"

○

نو تعمیر قصر جعفری کی دیواروں پہ تخریب کے سائے خود جعفر کو بھی متحرک دکھائی دینے لگے۔ یہ سائے صرف قصر جعفری تک محدود نہیں رہے بلکہ عباسہ بھی ان کی زد میں آ گئی۔ وہ جس راز کو چھپانے کے لئے بغداد کو ویران کر کے حجاز چلی گئی تھی وہ راز بھی عنقریب طشت از بام ہو جائے گا۔ اب جعفر بھی یاروں دوستوں سے کترانے لگا۔

لیکن ایک روز ابراہیم بن مہدی عباسی جعفر کو نئے محل کی مبارک دینے آیا۔ اس وقت

جعفر کی آنکھیں سرخ بھی تھیں اور پرنم بھی۔ زندگی میں پہلی بار جعفر کو بالکل تنہا اور خاموش پا کر ابراہیم کا دل بھر آیا۔ اور جعفر سے ایک ساتھ کئی سوالات پوچھنے لگا۔ جعفر بولا:۔

"ابھی ابھی منصور میرے پاس تھا اور میرے سامنے بیٹھ کر قصر جعفری کے عیب گنوانے لگا۔ بولا:۔ "سب سے پہلا عیب یہ ہے کہ جس محل پر پورے دو کروڑ درہم خرچ ہوئے اس میں کھجور کا ایک درخت تک نہیں۔"

ابراہیم بولا:۔ "جعفر ــــــ تم منصور کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟"

"دوست نہ سہی۔ میں اسے دشمن بھی تو نہیں سمجھتا۔"

"نہ سہی۔ لیکن یہ تو ضرور تسلیم کر لو گے کہ وہ حاسد ہے؟"

"شاید!"

"نہیں یقیناً۔"

"چلئے ــــــ یونہی سہی۔"

"اب اگر وہ امیر المومنین سے جا کر کہے کہ جعفر نے صرف ایک محل کی تعمیر پر اتنی رقم خرچ کر دی جو پورے بغداد کی تعمیر پر خرچ ہوئی تو ذرا سوچو ــــــ وہ کیا کہیں گے؟"

"خوش ہوں گے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے جعفر۔ وہ کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ سوچنا شروع کر دیں گے کہ جس شخص نے صرف ایک محل کی تعمیر پہ دو کروڑ درہم خرچ کر دئے اس کے خزانوں کا کیا عالم ہوگا؟"

"تمہاری قسم۔ امیر المومنین ان خطوط پہ ہرگز نہیں سوچیں گے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ جانتے ہیں۔ برمکی دولت جمع رکھنے کے قائل نہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے اپنی زندگی کی ساری پونجی اسی محل پہ خرچ کر دی۔"

"اس اصراف بے جا کی کوئی خاص وجہ؟"

"میرا خیال ہے کہ ——— میں اب زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہوں گا۔ مرنے سے پہلے سب کچھ خرچ کر کے جا رہا ہوں۔"

ابو نواس کافی دیر تک خاموشی کے عالم میں جعفر کا منہ تکتا رہا۔ یوں لگتا تھا گویا جعفر اپنے متعلق جو پیشگوئی کر رہا تھا شاعر اس کی صداقت کا قائل تھا۔ وہ بولا:۔

"اگر برا نہ مانو تو ایک مشورہ دوں؟"

"ضرور دو۔"

"تم خود کہہ رہے ہو کہ ——— زیادہ دیر تک زندہ نہ رہوں گا۔ ایسی صورت میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم یہ محل امیرالمومنین کے بڑے صاحبزادے مامون کو بطور تحفہ دیتے جاؤ؟"

جعفر ایک دم چونکا۔ اس نے یہ محل عباسہ کی محبت کی یادگار کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔ ممکن ہے یہ خیال اس کے تحت الشعور کے کسی تاریک کونے میں موجود ہو کہ شاید ایک دن وہ اور عباسہ میاں بیوی کی حیثیت سے اس محل میں آباد ہوں گے۔ ان کے بچے پیدا ہوں گے اور ——— لیکن جس محبت اور محبت کی محسوس یادگار ——— بچے کو ہارون کی نظروں سے چھپانے کے لئے عباسہ بغداد چھوڑ کر حجاز چلی گئی تھی۔ جعفر ان کے ساتھ اس محل میں زندگی گزار سکتا ہے؟ ناممکن۔ تو پھر اس یادگار کا کیا فائدہ؟ وہ

وہ سوچنے لگا: میں خود بھی عباسہ کے پیچھے حجاز کیوں نہ چلا جاؤں؟ کسی دور افتادہ گاؤں میں ایک بالکل گمنام آدمی کی طرح زندگی کا تصور اس کے ذہن پر عکس ڈالنے لگا۔ اس طرح شاید عباسہ کی قربت کے چند اور لمحے میسر آ جائیں۔ جعفر کے خیالات روشنی کی طرح اپنے مرکز سے ایک ساتھ ہر سمت منتشر ہونے لگے۔ اسے اپنی بیوی کی حالت پر رحم آیا جو اپنے خاوند کی زندگی ہی میں ایک بے کس بیوہ کی طرح بالکل گمنامی کے عالم میں ماں بننے والی تھی۔ بیوہ بیوی، یتیم بچہ۔ میں قصر جعفری مامون کے نام وقف کر کے حجاز کیوں نہ چلا جاؤں؟

ابونواس اسے حیرت سے تک رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جعفر اس کے مشورے پر سنجیدگی سے غور کر رہا ہے۔ صرف غور ہی نہیں بلکہ وہ فیصلہ کر چکا تھا:۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ابونواس۔ میں یہ محل مامون کے لئے وقف کرتا ہوں۔"

"تو پھر امیر المومنین کو فوراً اپنے فیصلے سے آگاہ کر دو۔"

"اس سلسلے میں مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت ہے۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"تم بھی میرے ساتھ چلو۔ میں حج پر جانا چاہتا ہوں تم امیر المومنین سے میری سفارش کر دینا کہ وہ مجھے حجاز جانے کی اجازت دے دیں۔"

"لیکن تمہاری آواز سے کچھ اس قسم کی بو آتی ہے گویا تم واپس آنا نہیں چاہتے۔"

"میرا ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔"

"اگر امیر المومنین تمہارے ارادے کو بھانپنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں حجاز جانے کی اجازت مشکل ہی سے ملے گی۔"

"میں امیر المومنین پہ یہ بات ظاہر نہ ہونے دوں گا۔"

"اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو امیر المومنین تمہیں حج پہ جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

لیکن جعفر اور ابو نواس ہارون کو سمجھنے میں خوش فہمی کا شکار ہو گئے۔ وہ جس ہارون کو جانتے تھے وہ تو جشن دو روزہ کے فوراً بعد مر چکا تھا اور اس وقت جو ہارون بغداد کے مطلق العنان شہنشاہ کی حیثیت میں زندہ تھا اسے جعفر اور ابو نواس ایسے لوگوں کے جذبات و محسوسات سے قطعاً کوئی ہمدردی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اس نے مامون کے لئے قصرِ جعفری کا تحفہ شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اور خوشنودی کے اظہار میں اپنا ایک معتمد غلام ـــــ کافور جعفر کو بخش دیا۔ لیکن جب جعفر نے حج پہ جانے کی درخواست پیش کی تو لمحے بھر کے لئے ہارون پہ سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ جعفر اور ابو نواس حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ ہارون بہت جلد سنبھل گیا اور کچھ سوچتے ہوئے بولا:۔

"او ہو ـــــ تم نے خوب یاد کرایا۔ میں خود حج پہ جانے کو تیار بیٹھا ہوں۔ میری طرف سے مامون، امین، فضل اور یحییٰ سے کہو ـــــ وہ بھی فوراً تیار ہو جائیں۔"

ہارون کے اس فوری ـــــ غیر متوقع فیصلے کو ابو نواس نے کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن جعفر کے تصورات کی دنیا میں تہلکہ سا پڑ گیا۔ ہارون کچھ سوچ سمجھ کر حج پہ تیار ہوا تھا۔ عباسہ پہلے ہی سے حجاز میں موجود تھی اور اب ہارون اور جعفر ایک ساتھ روانہ ہونے والے تھے۔ حج سے پہلے یا بعد تینوں کسی نہ کسی جگہ ضرور جمع ہوں گے اور بد نصیب میاں بیوی جس راز کو آج تک بڑی محنت سے چھپاتے چلے آئے تھے وہ بڑی طرح فاش ہو جائے گا۔

○

اگرچہ جعفر کو اس بات کا یقین تھا کہ ہارون نے بالکل اچانک حج پہ جانے کا فیصلہ کیا ہے لیکن چونکہ اس نے مامون اور امین کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دے دیا اس لئے یہ سوچنا مشکل تھا کہ اس حج کے پس پردہ کون سی حکمت عملی کارفرما ہے۔ روانہ ہونے سے پہلے اپنے تیسرے بیٹے قاسم —— جس کا لقب موتمن تھا —— کو مامون و امین کے بعد تیسرا ولی عہد نامزد کر کے اپنے پیچھے بغداد چھوڑا۔ مامون و امین کو فضل اور یحییٰ کی نگرانی میں قافلہ حجاج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور خود جعفر کو ساتھ لے کر سب سے پہلے حیرہ میں پڑاؤ ڈالا اور پھر فرات میں کشتیوں کے ذریعے انبار پہنچا اور یہاں ایک رات گزارنے کے بعد خشکی کے راستے براہ راست مدینے کا رخ کیا۔

اس پورے سفر کے دوران میں اگرچہ ہارون کے معمولات میں کوئی تبدیلی ظاہر نہ ہوئی لیکن جعفر کی حیرت و وحشت بڑھتی چلی گئی۔ ہارون کو اس بات کا خاص خیال رکھا تھا مدینہ منورہ میں پہنچ جانے کے باوجود کسی کو کانوں کان یہ خبر نہ لگے کہ امیر المومنین حج کرنے آ رہے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ رات کے وقت شہر میں داخل ہوا۔ شاہی خیمے اور خدمتگار پہلے ہی سے پہنچ گئے تھے۔ ان خدمتگاروں میں ایسے جاسوس بھی شامل تھے جو ہارون کی آمد سے پہلے اس گھر کو دیکھ چکے تھے جہاں عباسہ اپنی ہمراز کنیز ظل کے ساتھ مقیم تھی۔

ہارون نے اترتے ہی رقص و سرود کی محفل گرم کی۔ اس کے سارے ندیم ——

شاعر، بذلہ سنج اور مغنی ہمراہ رکاب تھے۔ اور جب محفل اپنے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئی تو ہارون نے جعفر سے سرگوشی کی :-

"عباسہ بھی یہیں مقیم ہے۔ اسے اپنی طرف سے خط کے ذریعے محفل میں فوری شرکت کی دعوت دو۔"

جعفر ہارون کو دیکھنے لگا اور اس نے امیرالمومنین کی آنکھوں میں پہلی بار ایسی چمک دیکھی جس کی پر اسرار تپش سے جعفر کا ذہن کھولنے لگا۔ ہارون بولا :-

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں —— امیرالمومنین۔"

"تو پھر فوراً خط لکھو۔ عباسہ جہاں ٹھہری ہوئی ہے وہ جگہ تمہارے معتمد غلام کافور کو معلوم ہے۔ میں اپنی علیحدہ محفل کا انتظام کرتا ہوں۔ عباسہ کے آتے ہی ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔"

جعفر نے بادلِ نخواستہ امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کی اور جب کافور اس کا خط لے کر چلا گیا تو ہارون بولا "جب تک عباسہ نہیں آتی۔ تم یہیں بیٹھے رہو۔ میں عباسہ کے آتے ہی تمہیں اطلاع دوں گا۔"

ہارون کے جاتے ہی جعفر بے قرار ہو گیا۔ لیکن ہارون اس سے زیادہ بے چین تھا۔ وہ اپنی بہن کو پھانسنے کے لئے اپنے ہاتھ سے جال پھیلا رہا تھا۔ انتظار صرف اس بات کا تھا کہ اگر بقول زبیدہ خاتون عباسہ وضع حمل کی غرض سے یہاں آئی ہے تو پھر اسے ماں بننے سے پہلے پہلے ختم کر دیا جائے۔ اس نے کافور کو بتا دیا تھا کہ عباسہ کو فلاں راستے سے لانا۔ اگر وہ پوچھے کہ جعفر کے ساتھ اور کون ہے تو بڑے اعتماد سے جواب دینا :-

جعفر بالکل اکیلا ہے۔ میں فلاں جھاڑی کے قریب موجود ہوں گا۔ میری طرف دیکھتے رہنا۔ اگر میں اس پر وار کرنے کا اشارہ دوں تو ایسا بھرپور ہاتھ مارنا کہ عباسہ کو چیخنے کی مہلت بھی نہ ملے۔

وہ پگڈنڈی کے بالکل قریب ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے عباسہ کو آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا تھا۔ ذرا دور مسرور برہنہ تلوار لئے چھپا کھڑا تھا۔ اسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ اگر کافور اپنے حملے میں کامیاب ہو جائے تو تم فوراً اس کا سر کاٹ لینا۔ عباسہ کی لاش کے لئے ایک آہنی صندوق پہلے ہی سے جھاڑیوں میں چھپا دیا گیا تھا اور چند غلام اس خدمت پر مامور تھے کہ جیسے ہی عباسہ زمین پر گرے۔ اسے فوراً صندوق میں بند کر دیا جائے۔ ان غلاموں کا کام تمام کرنے کے لئے چند اور غلام مقرر ہو چکے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ایسا کوئی شخص زندہ نہ رہنے دیا جائے جو عباسہ کے قتل میں شامل ہو۔

جب طل نے عباسہ کو اطلاع دی: "جعفر کا غلام شہزادی کے نام خط لایا ہے"

تو سب سے پہلے عباسہ نے عقل سلیم سے مشورہ کیا: "خط لے لینا چاہیئے یا ——

اور اس سے پہلے کہ عقل سلیم اپنا فرض ادا کرے۔ عباسہ نے سوچنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب عقل کا حریف عشق میدان عمل میں کود پڑا: "سوچتی کیا ہو عباسہ؟ فوراً خط لو اور یہ دیکھو کہ جعفر کیا کہتا ہے؟" جعفر نے عباسہ کو فوری طور پر اپنی محفل میں طلب کیا تھا: "کافور میرا معتمد غلام ہے"۔ جعفر نے لکھا تھا اس کے ساتھ بے دھڑک ہمارے پاس چلی آؤ"

اور عباسہ ایک دم تیار ہو گئی۔ طل بولی:۔

"کچھ میں بھی عرض کروں —— شہزادی؟"

"فوراً۔"

"اگر اجازت ہو تو سب سے پہلے میں کافور کے ساتھ جاکر محفل کا رنگ ڈھنگ دیکھ آؤں؟"

"اور جعفر کے فراق میں گزرنے والے ان چند لمحوں کا معاوضہ کون دے گا؟"

ظل جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ عباسہ دروازے کی طرف بڑھی: "نہیں ظل ——نہیں میں ایک لمحہ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتی۔"

عباسہ باہر آئی اور کافور سے پوچھا: "جعفر کے خیمے یہاں سے کتنی دور ہیں؟"

"بہت قریب۔"

"تو پھر آگے بڑھو۔"

کافور پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگا اور اس کی سست رفتاری سے عباسہ کو ذہنی تکلیف محسوس کرنے لگی۔ اگر اسے جعفر کے خیمے نظر آجاتے تو کافور کو میلوں پیچھے چھوڑتی آگے نکل جاتی لیکن رات معمول سے زیادہ تاریک تھی اور عباسہ اپنی گوشہ نشینی کی وجہ سے راستے سے بالکل ناواقف۔

جب کافور اس جھاڑی کے قریب سے گزرنے لگا جہاں ہارون چھپا کھڑا تھا تو غلام ابن غلام کے قدم غیر ارادی طور پر رک گئے۔ اور عباسہ چیخی: "اللہ کرے تمہاری ٹانگیں پتھرا جائیں مردود ——!"

لیکن کافور کا خیال کہیں اور تھا۔ وہ گھنی جھاڑی کے پیچھے کھڑے ہوئے ہارون کے اشارے کا منتظر تھا۔ ہارون کی نظریں عباسہ پر مرکوز تھیں۔ اسے اپنی بہن کو پہچاننے —— بہن کی جسمانی تبدیلی محسوس کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ اس نے کافور کو اشارہ کیا: "بزن!"

اور کافور ایک دم پلٹا۔ تلوار سونتی۔ تاروں کی روشنی میں عباسہ نے اپنے سر پر گھومتی ہوئی

تلوار دیکھی لیکن کافور کے وار سے بچنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی :۔ "جعفر!" اور اس کے بعد وہ مدینے کی ریت پہ گر گئی بالکل ٹھنڈی ہو گئی۔ خون کا ایک دھارا پھوٹا اور ریت میں جذب ہو گیا۔

چند لمحوں کے اندر اندر کافور بھی مسرور کی تلوار کا نشانہ بن کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ عباسہ کی لاش آہنی صندوق میں بند ہو گئی اور غلاموں نے آن کی آن میں یہ صندوق امیر المومنین کے سامان میں شامل کر دیا۔ جن غلاموں نے عباسہ کی لاش صندوق میں بند کی تھی جب وہ بھی دوسرے غلاموں کے ہاتھوں مارے جا چکے تو ہارون نے کمر بند سے ایک خط نکال کر مسرور کے حوالے کیا :۔

"جعفر کے پاس لے جاؤ۔"

جب مسرور جعفر کے پاس پہنچا اس وقت جعفر نہ جانے کہاں پہنچا ہوا تھا۔ مسرور نے اسے جھنجھوڑا اور چپکے سے وہ خط اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ جعفر نے شمع کی روشنی میں خط پڑھا :۔

"تمہارے حکم کی تعمیل سے معذور ـــــ عباسہ۔"

خط پڑھتے ہی جعفر اسے تہ کر کے کمر بند میں اڑسنے لگا :۔

"اور کافور کہاں ہے ؟"

"تمہارا سامان باندھ رہا ہے۔" ہارون نے خیمے میں داخل ہوتے وقت جواب دیا اور اپنا منہ جعفر کے کان کے قریب لا کر بولا :۔

"عباسہ نے ہمیں بری طرح مایوس کیا ہے جعفر۔ اب مدینے میں دل نہیں لگتا۔ ہم اسی وقت مکہ معظمہ جا رہے ہیں۔"

پچیسواں باب

گرداب فنا

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف ہارون کی طوفانی یلغار نے جعفر کو کچھ سوچنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور مکہ میں اس نے اپنی زندگی کا انتہائی حیرت انگیز ناٹک دکھانے کا پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا۔

مکہ پہنچتے ہی اس نے یحییٰ اور فضل کی طرف پیغام بھیجا:۔

"میں حرم کی دیوار کے پیچھے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ مامون اور امین کو لے کر فوراً پہنچو۔"

اور ان کے آنے پر وہ سب کو ساتھ لے کر درِ حرم کی طرف بڑھا۔ اپنی اپنی جگہ پہ ہر شخص حیران تھا کہ ہارون کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جعفر سے بولا:۔

"مامون و امین کے درمیان ایک معاہدے کا مسودہ تیار کرو۔"

اگر کوئی اور شخص ہوتا تو ہارون سے یقیناً سوال کرتا۔ کیسا معاہدہ؟ اور اگر ہارون کی حالت معمول کے مطابق ہوتی تو جعفر بھی معاہدے کی شرائط دریافت کرتا۔ لیکن ہزار احتیاط

کے باوجود ہارون بالکل دیوانہ دکھائی دیتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اس کی آنکھوں سے ایسی روشنی پھوٹ رہی تھی جس میں جعفر کو بعض حیرت انگیز عکس ناچتے نظر آتے۔ دونوں کی آنکھوں کے درمیان عباسہ حیرت کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔

جعفر معاہدے کا مسودہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ یہ عباسی سلطنت کے دو جائز دعویداروں ——— دو شہزادوں، دو بھائیوں کے درمیان اس بات کا معاہدہ تھا۔ کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا نہ صرف خیال رکھیں گے بلکہ انہیں کسی حالت میں پامال نہ ہونے دیں گے۔ امین کی زندگی میں مامون اسلامی سلطنت کے مشرقی علاقوں ——— خراسان سے ماوراالنہر تک ——— کا گورنر ہو گا۔ اس کی فوج تعداد اور اسلحے کے اعتبار سے امین کی فوج سے زیادہ، برتر اور بہتر ہو گی کیونکہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں ہمیشہ بغاوت کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ نہ تو مامون امین کی زندگی میں تخت و تاج پر بزور قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا اور نہ ہی امین اپنے بعد مامون کو تخت و تاج سے محروم رکھے گا۔

مسودہ مکمل کرنے کے بعد جعفر نے کاغذ ہارون کی خدمت میں پیش کر دیا اور مطالعے کے بعد ہارون کو اس میں ایک لفظ کی ترمیم و اضافے کی گنجائش نظر نہ آئی۔ اگرچہ اس کا دل چاہتا تھا کہ جعفر کی اس ذہانت کو اپنی آنکھوں سے چوم لے لیکن نہ جانے اس نے کیوں جعفر کو دیکھنے تک کی کوشش نہ کی۔ اس نے تیزی سے اپنے دستخط ثبت کئے۔ پھر باری باری مامون و امین نے دستخط کئے اور اس کے بعد ہارون نے یہ کاغذ یحییٰ کی طرف سرکایا

"اب تم ——— فضل اور جعفر بھی اس پر دستخط کریں"

دستخط کرنے سے پہلے یحییٰ نے مسودے پر نظر ڈالی اور اس کے مفہوم سے آگاہ ہونے

کے بعد جعفر کو ایسی نظروں سے دیکھا جو کھلے لفظوں میں کہہ رہی تھیں :۔ ہارون سلطنت کی ذمّہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اپنی ساری توجہ زندگی کی آخری مہم پر مرکوز کرنا چاہتا ہے تم اس مہم سے واقف ہو ؟"

اور جعفر نے آنکھوں آنکھوں میں جواب دیا :۔ بالکل نہیں۔

یحییٰ، فضل اور جعفر کے بعد عباسی سلطنت کے تمام علماء و مشائخ اور اکابرین عرب نے بھی گواہ کی حیثیت سے معاہدے پر دستخط کئے اس کے بعد یہ معاہدہ عوام کے سامنے پڑھا گیا۔ اور حج سے فارغ ہونے کے بعد ہارون نے یحییٰ سے کہا :" اس معاہدے کو حرم کے دروازے پر لٹکا دو۔"

یحییٰ جھک کر بولا :" ہاتھوں میں رعشے کی وجہ سے معذور ہوں امیرالمومنین !"

ہارون نے چاروں طرف نگاہ ڈالی اور عبدالعزیز نامی ایک عرب سردار کو اشارہ کیا :۔

"یہ فرض تم ادا کرو !"

عبدالعزیز آگے بڑھا اور یحییٰ کے ہاتھ سے معاہدہ لے کر حرم کی چوکھٹ پر لٹکا دیا لیکن کاغذ نیچے گر پڑا اور جعفر و یحییٰ نے تیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑی بدشگونی تھی۔ غالباً ہارون بھی ان کا ہم خیال تھا۔ لیکن اس نے کسی پہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ حرم سے باہر نکلنے کے بعد اس کی وحشت جوان ہو گئی۔ اس نے فوراً گھوڑا طلب کیا اور ایک پاؤں رکاب میں رکھ کر رک گیا :۔

"یحییٰ اپنے قافلے کے ساتھ روانہ ہو جائے۔ جعفر ہمارے ساتھ جائے گا۔"

مکہ معظمہ سے الجحفہ کی طرف کوچ کرتے وقت جعفر حیرت کے گرداب میں گھر چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قافلے میں بعض اوقات ہوا میں وہ مہک منتشر ہو جاتی جسے عباسہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ یہ مہک سونگھتے ہی جعفر دیوانے کی طرح چاروں طرف دیکھتا۔ اسے یقین تھا کہ عباسہ قافلے کے ساتھ نہیں ہے۔ تو پھر یہ مہک کہاں سے آ رہی ہے؟ اس کا جی چاہتا۔ اسی وقت ہارون سے کہے :۔ میں امیر المومنین کا ساتھ دینے سے معذور ہوں۔

معذور ——— عباسہ نے بھی اس کے خط کا یہی جواب دیا تھا اور وہ عباسہ کی معذوری سے پوری طرح باخبر تھا۔ بدنصیب عباسی شہزادی اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ ایسے وقت میں جعفر کو عباسہ کے پاس موجود ہونا چاہیئے تھا۔

عسفان پہنچ کر ہارون نے معمول کے مطابق پڑاؤ ڈالا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں جعفر امیر المومنین کی ضیافت کا اہتمام کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے کافور کو ہارون کے پاس بھیجا:۔ "امیر المومنین اپنے احباب سمیت رات کا کھانا خانہ زاد کے خیمے میں تناول فرمائیں"

اگرچہ ہارون نے اس وقت تک بظاہر ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا جس سے اس کا مافی الضمیر معلوم ہوتا لیکن عسفان پہنچ کر وہ اپنے دلی جذبات پر قابو نہ پا سکا اور جعفر کی دعوت رد کر دی۔ اب جعفر کو یقین ہو گیا کہ ہارون بہت جلد کوئی ہولناک قدم اٹھانے والا ہے۔ اس نے یہ رات آنکھوں میں کاٹی۔ عباسہ کی مخصوص ——— مرغوب خوشبو بری طرح اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ وہ اس خوشبو کو پہچاننے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اطمینان قلب کے لئے بار بار اصطرلاب کی مدد سے ستاروں اور سیاروں کے مقامات معلوم کرتا اور زائچے کھینچتا۔

عسفان میں رات گزارنے کے بعد ہارون صبح سویرے آگے روانہ ہو گیا اور حیرہ

انبار سے گزرتا نہر فرات کے کنارے ایک سرسبز پہاڑی گاؤں ——— عمر میں پڑاؤ ڈالا۔ جب شاہی خیمے نصب ہو گئے تو ہارون نے پہلی بار جعفر کو طلب کیا۔ جعفر بھی ہارون سے ملاقات کی کوشش کر رہا تھا۔ امیر المومنین کے حضور باریاب ہوتے ہی جعفر نے بہانا بنایا: "میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اگر امیر المومنین اجازت دیں تو یہ خانہ زاد اسی وقت بغداد روانہ ہو جائے۔"

ہارون نے اسی وقت جبرئیل بن بختیشوع کو طلب کیا: "ذرا ہمارے بھائی جان کا معائنہ کرو۔ کہتا ہے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

جبرئیل نے جعفر کی نبض دیکھی اور بولا: "اختلاج قلب۔"

ہارون اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا: "اختلاج قلب ——— کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں ابھی ایسا کام بتاتا ہوں جس میں مصروف ہو جانے کے فوراً بعد اختلاج قلب دور ہو جائے گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی پورے ایک ماہ کی ڈاک جعفر کے سامنے ڈھیر کر دی: "سب سے پہلے اس ڈاک کا جواب دو۔ اس کے بعد شکار!"

لیکن جعفر شکار پر آمادہ نہ ہو سکا۔ ڈاک سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر ناسازیٔ طبع کی بنا پر بغداد روانہ ہونے کی اجازت مانگی۔ اس وقت بغداد کا ایک نامور منجم ہارون کے پاس بیٹھا تھا۔ ہارون بولا:-

"ذرا اصطرلاب دیکھنا۔"

اور پھر خود ہی کچھ حساب لگانے کے بعد بولا: "بھائی جان! آج کا دن سفر کے لئے نحس ہے۔"

کل جمعہ کی نماز کے بعد چلے جانا۔"

اور اصطرلاب جعفر کے ہاتھ میں دے دیا۔ جعفر نے اصطرلاب دیکھا کچھ دیر حساب لگانے کے بعد اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں اور بولا :"امیر المومنین ٹھیک کہتے ہیں۔ اس وقت تمام ستارے احتراق میں ہیں۔"

جعفر کی درخواست کا فیصلہ کرنے کے بعد امیر المومنین آرام کرنے کے لئے اپنے خیمے کی طرف جانے لگا۔ جعفر کے علاوہ دوسرے لوگ بھی خیمے کے دروازے تک اس کے ساتھ گئے۔ ہارون نے جعفر اور جبرئیل کے سوا سب لوگوں کو رخصت کر دیا اور جب تینوں اکیلے رہ گئے تو جبرئیل سے بولا :-

"میرے بھائی جعفر کی طبیعت واقعی خراب ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا جبرئیل۔"

یہ کہتے ہی اس نے جعفر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے بولا: "گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں بھائی جان۔ تم کل صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

○

اگلے روز ـــــ ہارون صبح سویرے شکار کو تیار ہو گیا۔ جعفر کو مجبوراً ساتھ جانا پڑا۔ شام تک شکار کھیلنے کے بعد جب واپس لوٹے تو ہارون جعفر کو ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے لوگوں سے الگ لے گیا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دیر تک ٹہلتے رہے۔ دونوں خاموش تھے اور یہ خاموشی جعفر کو خوفزدہ کرنے لگی۔ ہارون جعفر کے جذبات و محسوسات سے بے خبر نہ تھا۔ وہ چلتے چلتے اچانک رک گیا اور بولا :-

"جعفر ——— تمہیں آج کی رات عیش و طرب میں بسر کرنی چاہیئے۔"

"اگر امیر المومنین اس محفل میں شریک ہوں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔"

"نہیں بھائی جان! ہم اس محفل میں شریک نہیں ہو سکتے۔"

"تو پھر خانہ زاد کو معذور تصور کیجیئے۔"

"بھئی تمہیں میری قسم جعفر۔"

اور جعفر کو طوعاً و کرہاً وعدہ کرنا پڑا۔ جب جانے لگا تو ہارون نے اسے روک لیا اور بڑے جوش کے ساتھ اس کے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھ دئے۔ یہ ایک طویل بوسہ تھا اور جعفر سے الگ ہونے کے بعد جبرئیل کو حکم دیا:-

"تم آج میرے بھائی کی محفل میں شریک ہو کر میری نمائندگی کا فرض ادا کرو گے جبرئیل۔"

جعفر نے محفل عیش و طرب منعقد کی۔ لیکن یہ عجیب محفل تھی جس میں ہارون کے کاتب ابن ابی شیخ، جبرئیل بن بختیشوع اور جعفر کے سوا اور کوئی شریک نہ ہوا اور نابینا مغنی ابوذکا الکلوزانی نے اپنے المیہ نغموں سے رہی سہی کمی پوری کر دی۔

ہارون کے غلام لحہ بہ لحہ نقل، البخورات اور عطریات کی کشتیاں باقاعدگی سے لاتے رہے۔ ہارون کی یہ خاص مہربانیاں جعفر کو ستانے لگیں اور وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتا۔ ذرا دیر بعد نبیذ کا دور چلنے لگا۔ جب کیفیت طاری ہوئی تو ہارون کے ایک خاص غلام نے دیناروں سے بھری ہوئی تھیلیاں جعفر کے سامنے رکھ دیں: "امیر المومنین کہتے ہیں آج محفل کے سارے اخراجات ہم اپنی جیب سے پورے کریں گے۔"

ہارون کی ان غیر معمولی فیاضیوں کو دیکھ کر جعفر لرز اٹھا اور جبرئیل بن بختیشوع سے

بولا:۔

"ابوموسیٰ ——— امیرالمومنین کی یہ مہربانیاں خالی از علت نہیں۔"

جبرئیل نے اس کے خیالات کا رخ موڑنے کے لئے ابوذکار کو گانے کا اشارہ کیا۔

اور ابوذکار نے غزل شروع کی:۔

"تو آج کی رات میری آنکھوں سے دور نہ ہو۔"

کیونکہ میں جانتا ہوں۔ موت کا کوئی وقت معین نہیں۔

وہ رات کو آئے یا صبح دم۔ اسے روکنے والا کون ہے؟

اگر فدیہ دے کر تمہیں حوادثِ زمانہ سے بچایا جا سکتا

تو میں نئی اور پرانی چیزیں ———

ابھی ابوذکار آخری مصرع ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مسرور چپ چاپ خیمے میں داخل ہوا۔ اس کی آہٹ سنتے ہی نابینا مغنی خاموش ہو گیا۔ وہ جعفر کی محفل کے آداب سے واقف تھا۔ اس وقت آنے والا شخص یقیناً کسی انتہائی اہم کام کے لئے آیا ہو گا۔

مسرور دروازے پر پڑا ہوا پردہ ایک طرف سرکا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ لمحے بھر کے لئے محفل کا جائزہ لیا اور پھر ابوذکار سے خطاب کرتے ہوئے بولا: "خاموش کیوں ہو گئے ابوذکار؟ بہت عمدہ شعر گا رہے تھے۔ ہاں ——— اگر فدیہ دے کر تمہیں حوادث زمانہ سے بچایا جا سکتا، تو میں نئی اور پرانی چیزیں ——— کم از کم اپنا مصرع تو مکمل کر دو۔"

جعفر بولا: "مسرور! تمہارے آنے سے مجھے خوشی ہوئی لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔"

"میں جس کام کے لئے آیا ہوں۔" مسرور بولا: "اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو اپنا

سر پیٹ کر رہ جاؤ گے۔"

مسرور کا لہجہ واقعی ناقابل فہم تھا۔ جعفر بولا: "یہ اشاروں اور کنایوں میں گفتگو کا موقع نہیں ہے مسرور۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو۔"

"امیر المومنین نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔"

جعفر اسے حیرت سے تکنے لگا اور بولا:۔

"خدا کی قسم۔ امیر المومنین نے نیند کے نشے میں ——— یا از راہِ مذاق حکم دیا ہو گا؟"

"مجھے تمہارا سر کاٹنے کا حکم ملا ہے۔"

"تم اس وقت لوٹ جاؤ مسرور۔ اگر صبح سویرے امیر المومنین کو پشیمان پاؤ تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے۔ اور اگر وہ تم پہ ناراض ہوں تو بخدا مجھے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں کوئی عذر نہ ہو گا۔"

مسرور نے نفی میں سر ہلایا۔ جعفر بولا: "اس رات بھر کی مہلت کا اتنا انعام دوں گا جس کا تم حساب بھی نہیں کر سکتے۔"

مسرور بالکل خاموش رہا۔

"تو پھر مجھے اسی وقت امیر المومنین کے پاس لے چلو۔" جعفر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ۔"

"مجھے تمہارا سر چاہیئے۔" مسرور نے جعفر کے منہ سے بات چھین لی۔

"صرف چند لمحے، مسرور۔ میں تمہارے ساتھ امیر المومنین کے خیمے تک چلتا ہوں۔ تم ان سے جا کر کہو۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔ اگر وہ بالکل خاموش رہے تو اسی وقت باہر آ کر میرا سر کاٹ لینا۔"

مسرور نے یہ شرط قبول کر لی اور جعفر کے ساتھ خیمے سے باہر نکلا۔ سوڈانی حبشیوں کا ایک پورا دستہ جعفر کے خیمے کو گھیر چکا تھا۔ جعفر ہارون کے خیمے کی قنات سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور مسرور نے اندر جا کر ہارون سے کہا:۔

"آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی۔"

"اس کا سر کہاں ہے؟"

"اس کے خیمے ہیں۔"

"فوراً پیش کرو ——— کمبخت۔"

ہارون کی آواز سن کر جعفر نے سر جھکا دیا۔ مسرور باہر نکلا اور ایسا بھرپور وار کیا کہ جعفر کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر آ گرا۔ مسرور کی انگلیاں اس کے بالوں میں پیوست ہو گئیں اور وہ جعفر کا سر اٹھائے ہارون کے پاس آ گیا۔ جعفر کا سر دیکھ کر ہارون کی نظریں اس آہنی صندوق پر جم گئیں جس میں عباسہ کی لاش محفوظ رکھی تھی۔ ہارون نے ہرثمہ بن اعین کو حکم دیا:۔ "تم یہ صندوق اور جعفر کا سر لے کر اسی وقت بغداد روانہ ہو جاؤ۔ سب سے پہلے جعفر کے سر کو جسر الاوسط پر لٹکاؤ تاکہ لوگ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں اور اس کے بعد یہ صندوق پل ہی سے دجلہ میں پھینک دو۔"

○

جعفر کے قتل کی خبر آناً فاناً سارے ملک میں مشہور ہو گئی۔ یحییٰ بغداد سے ایک منزل ادھر پڑاؤ ڈالے لوگوں کی عرضیوں پہ احکام لکھ رہا تھا کہ ایک شخص بدحواسی

کے ساتھ دوڑتا ہوا آیا اور اس پر گر پڑا۔ یحیٰی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا "کمبخت — کچھ منہ سے تو بول، کیا خبر لایا ہے؟"

وہ شخص سنبھلا اور بولا: "امیر المومنین کے حکم پر جعفر قتل کر دیا گیا"۔

"امیر المومنین کے حکم پر جعفر قتل کر دیا گیا؟"

"جی ہاں!"

یحیٰی کے ہاتھ سے قلم گر پڑا اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولا: "جعفر کی موت کی خبر کی طرح قیامت بھی اچانک آئے گی۔"

لیکن جعفر کی موت بھی قیامت سے کم نہ تھی۔ پوری سلطنت میں کہرام مچ گیا۔ جب ہارون کو اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً ایک حکم ذریعے جعفر کی موت پر رونے اور مرثیے پڑھنے کی سخت ممانعت کر دی۔ لیکن برامکہ کی فیاضیاں ان پابندیوں کو برداشت نہ کر سکیں۔ جب ہرثمہ بن اعین جعفر کے سر کو جسر الاوسط پر لٹکا رہا تھا تو پورے ملک کے شعرا ننگے سر مرثیے پڑھتے ہوئے جمع ہو گئے۔ ہرثمہ نے فوراً فوج کا مسلح دستہ طلب کر کے ان لوگوں کو منتشر کر دیا اور آہنی صندوق دجلہ میں پھینک دیا۔ لمحے بھر کے لئے باسی بوجھل، بھینی بھینی مہک ہواہیں منتشر ہوئی اور اس کے بعد فضا پر سکون سا طاری ہو گیا۔

اسی رات جب پورے چاند کی روشنی جعفر کے سر کو بیتابی سے چوم رہی تھی۔ ابو نواس ترنم کے ساتھ یہ مرثیہ پڑھ رہا تھا:۔

"ناگ کے پردے میں گم ہو جانے والے جعفر، ذرا آنکھیں تو کھولو۔
سنو۔ لوگ تمہاری فیاضیوں کے گیت گا رہے ہیں۔
تم تو صرف موت کا ایک پیالہ پی کر آسودہ ہو گئے۔

لیکن ہم لوگ دن میں کئی کئی بار مرتے ہیں اور پھر جی اٹھتے ہیں۔"

دجلہ کے عمق سے صندوق ابھرا اور پل کے جس ستون پر جعفر کا سر لٹکا تھا اس کے قریب آکر رک گیا۔ باسی، بوجھل، بھینی بھینی مہک سے سرشار جھونکا جعفر کے بالوں سے کھیلنے لگا اور پھر اچانک دجلہ کی لہروں سے گرداب اٹھا اور آہنی صندوق ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔

